

آمین تربیت

تالیف:

آیت اللہ اسحاق ابراہیم امینی

ترجمہ:

قیصر عباس[ؓ] ثاقب نقوی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عرض ناشر

دور حاضر میں جہاں حضرت انسان نے مادیت میں اس قدر ترقی کی ہے اب وہ خلائی سفر کامیابی سے انجام دیتے ہوئے مظاہر شمسی میں دیگر سیارگان پر کمندین ڈال رہا ہے ، وہاں وہ اقدار انسانی میں ا نطاط کے مسئلہ سے بھی شدت کے ساتھ دوچار ہے ۔ ظاہر ہے کہ یہ مادی ترقی مادی تعلیم کے حصول کا منطقی نتیجہ ہے لیکن اقدار حیات کی ترقی میں ایک اور چیز بھی ناگزیر ہے جس کو تربیت کہتے ہیں ۔ یہ انسان کی ایسی ضرورت ہے جو مہم یعنی ماں کی گود سے شروع ہوتی ہے اور یہ وہ کیفیت ہے جس کی عدم موجودگی مادی تعلیم کے باوجود انسان کو اس سطح پر لے آئی ہے جہاں ترقی علوم مادی کا عملی مقصد مخالفین کی حیات کو صفحہء ہستی سے یکسر مٹا دینا ہے ۔ دنیا کی بڑی طاقتوں کے وہ منصوبے اس بات کی دلیل

ہیں جو بھرنج سائنسی تجربات کی شکا میں سامنے آرہے ہیں ان کے ذریعہ کو^۳ کی جاو ہے کہ ایہ ہتھیار ایجاد کریں ، جس کا استعمال کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ انسانوں کو میست و نابود کر دے ۔

ان تمام حالات کے پیش نظر تربیت انسان کی ضرورت ون بدن زیادہ محسوس ہوتی جاو ہے ۔ کتاب ہذا آئین تربیت لہران کے فاضل مصنف جناب ابراہیم امینی نجف آبادی کی ایک نہایت عمدہ سعی ہے جس میں تربیت انسان کے موضوع پر اسوہ ء معصومین علیہم السلام کی روشنی میں بحث کی گئی ہے ۔ جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں عرض کیا ہے ، تربیت کا پہلا مدرسہ آغوش ولور ہے ۔ اس سہ لہ مسن شاعر مشرق علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

سیرت فرزند ہا از امہات

جو ہر صدق وصف از امہات

کتاب ہذا میں مندرجہ ذیل امور پر خصوصیت کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے جو ضروریات تربیت میں شام ہیں :

1 : جسمانی اور نفسانی دونوں میں تربیت کنندہ

کی امور تربیت سے کما حقہ ، واقفیت

2: ہدف تربیت سے واقفیت _

3: تربیت کے لیے جن اقدار و اوضاع کی ضرورت ہوتی ہے ، ان سے کما حقہ واقفیت _

فاضلہ ، ولف نے یہ سیرت معصومین کی روشنی میں پیش کیا ہے _ ہم ان کی اس کلاش کو اردو زبان میں بطور ترجمہ - پیش کرنے کی سہ اوت حاصل کر رہے ہیں _ امید و آ ہے کہ یہ کتاب وارین اور اساتذہ کے لیے تربیت اولاد و شاگردان میں ایسی مہلون ثابت ہوگی جس سے دور ملامت میں قوم کو با اقدار انسان * سہیں _

قارئین کرام سے استدعا ہے کہ کتاب ہذا کے مطالعہ کے بارہنی قیمتی آراء سے ادارہ مصباح الہدی پبلیکیشنز کو ضرور مطلع فرمائیں

طلہگاری اولون

ڈائریکٹور مصباح الہدی پبلیکیشنز

لاہور

انتساب

حضرت علی و فاطمہ سلام اللہ علیہما _ گی خدمت میں _ کہ جو اسلام کے مثالی ماں باپ ہیں _ جنہوں نے _ امام حسن ، امام حسین _
، زینہ اور ام کاشوم جیسی لائے اولاد کی تربیت کی _
ان لائے احترام ماں باپ _ کی خدمت میں _ جن کے دامن میں امام خمینی روجی فدا جتے با بصیرت اور مضبوط مسوقف کتے حا-
رہبر کے سے فداکار اور آبرومند بیٹے پر وان چڑھے _
ان ماں باپ _ کی خدمت میں _ جو اپنے تربیت یافتہ مجاہد اور جانباز فرزندوں کی جدائی کا داغ سمیے پر لگائے ہوئے ہیں _ دن فرزند
کہ جنہوں نے اسلام کے لیے شہادت نوش کیا اور اپنے عزیز خون کو نثار کر کے انقلاب اسلامی لیران کے چہرے کو گارنگ کر دیا-
اور شجر اسلام کی آبیاری کی _

بسم الله الرحمن الرحيم

کچھ ترجمے کے بارے میں

ترجہ کیا ہو؟ اس کی شرائط کیا ہیں؟ اس پر بہت پ کہا گیا ہے ، کہا جاتا ہے گا اور کہا جاتا رہنا چاہے معمولا دو طریقے ترجمے کے لیے رائج ہیں :

1_ لفظی ترجمہ .

2_ آزاد اور مفہومی ترجمہ .

ان دونوں کی اپنی خوبیاں ہیں ، دونوں کے حامیوں کے اپنے اپنے دلائل ہیں اور دونوں کے لیے موجود وزنی دلائل کی اپنے اپنے مقاصد پر اہمیت سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا _

ہمیں یہاں صرف _ زیر نظر ترجمے کے بارے میں پ عرض کرنا ہے _

آئین تربیت کے خاص اسلوب نگارش اور ترجمے کے قارئین پر نظر نے ہم سے ایک جدا گانہ سے طرز ترجمہ کا تقاضا کیا ہو ہونے ;

بعض مقالات پر لفظی ترجمہ ضروری سمجھا اور بعض عبارتوں کو فقط اردو کا لباس پہنا کر آپ تک پہنچا دیا ہے _

بعض _ بلکہ بہت سے مقالات پر آزاد ترجمے کی روش اپنائی ہے اور مفہوم عبارت معنیٰ کرنے کی کوشش کی ہے

بعض مقالات پر ان دونوں صورتوں سے کام نہیں لیا بلکہ مقصود پہنچانے کی کوشش

کی ہے کیونکہ وہاں ترجمے کی صورت میں مقصود ^{مضحی} ہو جانا اور مطلوب و مقصود کو بہر حال لفظ اور مفہوم پر ذوقیت حاصل ہے۔
 جسے اردو پر یورپی زبانوں کی اثرات بے پناہ ہیں اسی طرح فارسی جیسی وسیع زبان بھی لہذا امن اس سے بچا نہیں سسکی۔ بہت سے
 انگریزی لفظ اور اصطلاحات فرسی لہجے کا رنگ اختیار کر کے فارسی میں داخل ہو گئے ہیں یا یوں کہا جائے کہ فارسیا لہجے گئے ہیں۔
 اسی طرح فارسی کی اپنی اصطلاحات ہیں اور ہمارے ہاں اپنی اصطلاحات۔ ان پہلوؤں کو ترجمہ کرتے ہوئے ملحوظ رکھا گیا ہے۔ متبادل
 اصطلاحات لکھی گئی ہیں جہاں جہاں ضروری محسوس ہو متبادل انگریزی اصطلاحات بھی لک دی گئی ہیں۔

اص کتاب میں قرآنی آیات اور روایات کی عربی عبارات نہایت ن کم درج کی گئی ہیں ترجمہ کرتے ہوئے خاص اور قرآنی آیات
 اپنے اص متن کے ساتھ درج کر دی گئی ہیں اور بہت سے مقلات پر روایات کی عربی عبارات بھی اص متن کو دیکر کر لک دی گئی
 ہیں۔

کو ش کی گئی ہے کہ عبارت رواں ، ساوہ او رعام نہم ہو لیکن پر بھی یہ ترجمہ ہے۔ تالیف یا تفسیر نہیں لہذا کہیں کہیں سو
 جھ پن کا احساس ہو تو قارئین ماف فرمائیں۔

کتاب چونکہ تربیتی ہے لہذا بہت سے مطالب تکراری ہیں اور یہ تربیت کا تقاضا بھی ہے اور خاصہ بھی۔ ترجمہ کرتے ہوئے اس حو
 الے سے تصرف سے دامن بچانے کی کوشش کی گئی ہے۔

مذکورہ امور میں سے بنیادی امور پر خود صاحب کتاب یعنی حضرت آیت اللہ ابراہیم امینی سے تبادلہ خیال کے بارہم اہنگلی پراکر ہمہمین
 پ اور بھی اطمینان ہے۔

تحقیق اور آراء کے لیے بہر حال ہم خندہ پیشانی سے معظف ہیں۔ کیوں کہ کمال کا راستہ انہی واویوں سے ہو کر گزرتا ہے

مترجمین

پیشگفتار

تعلیم اور تربیت میں فرق ہے تعلیم کا معنی ہے آموزشی، سکھانا یا کسی کو کوئی مطلقا یاد کرانا۔ جب کہ تربیت کا۔ مطلب۔ ہے شخصیت کی تعمیر اور پرورش۔ تربیت کے ذریعے سے اپنے پسند کے مطابق افراد ڈھالے اور تیار کیے جاسکتے ہیں اور نتیجتاً اثرات کو تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

ضروری ہے کہ تربیت ایک سوچے سمجھے اور دقیقہ پر وگرام کے تحت انجام پائے تاکہ کامیابی کے ساتھ نتیجہ ثابت ہو۔ تربیت ہمیں صرف وعظ و نصیحت اور ڈرانا رھمکانا کافی نہیں بلکہ پائے کہ تمام حالات اور شرائط مقصد کے مطابق فراہم ہوں۔ تاکہ مقصود حاصل ہو سکے۔

تربیت کے لیے چند چیزیں ضروری ہیں۔

1۔ چاہیے کہ مربی اس شخص کو اچھی طرح پہچانتا ہو کہ جس کی اسے تربیت کرنا ہے۔ اس کی خصوصیات اور اس کے جسمانی اور نفسیاتی رموز سے آگاہ ہو۔

2۔ مربی کی نگاہ میں تربیت کا کوئی ہدف ہو نا چاہیے۔ یعنی اس کی نظر میں یہ ہونا چاہیے کہ وہ کیسا انسان بنا نا چاہتا ہے۔

3۔ تربیت کے لیے مربی کے پاس کوئی پروگرام ہو نا چاہیے۔ یعنی اسے جاننا چاہیے کہ جیسی شخصیت وہ پروان چڑھانا چاہتا ہے اس کے لیے کن حالات اور شرائط کی ضرورت ہے لہذا ان کو اسے فراہم کرنا چاہیے اور پورے غور و خوض سے کام لینا چاہیے۔ پھر یہ ممکن ہو سکتا ہے کسی مثبت نتیجہ کا انتظار کرے۔

تربیت کے لئے بہترین زمانہ بچپن کا ہے کیونکہ بچے نے ابھی پوری شاکہ اختیار نہیں کی ہوتی اور ہر طرح کی تربیت کے لئے آسان ہوتا ہے۔ یہ حساس اور اہم ذمہ داری پہلے مرحلہ پر ماں باپ کے ذمے ہے۔ لیکن تربیت ایک سہ اور آسان کام نہیں ہے۔ بلکہ۔ ایک انتہائی ظریف و حساس فن ہے کہ جس کے لیے کام کی شناخت، کافی اطاعت، تجربہ، بردباری اور حوصلہ و عزم کسی ضرورت ہے۔ یہ بات باعث افسوس ہے کہ اکثر ماں باپ فن تربیت سے آشنا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر بچوں کی کسی حساب شدہ اور منظم پروگرام کے تحت پرورش نہیں ہوتی بلکہ وہ گویا خود رو پودوں کی طرح پروان چڑھتے ہیں۔

مشرق و مغرب کے ترقی یافتہ کہلانے والے ممالک میں تربیت کے مسئلے کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ انہوں نے اس مسئلے میں بہت تحقیقات کی ہیں، بہت سی سوومند کتابیں لکھی ہیں اور ان کے ماں باپ فن کے بہت سے ماہرین موجود ہیں۔ لیکن ہمارے ملک میں زندگی کے اس اہم مسئلہ کی طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ البتہ چند ایک ماہرین موجود ہیں اور تھوڑی بہت کتابیں بھی ہیں لیکن اتنا کفایت نہیں کرنا۔ دوسری زبانوں سے اس ضمن میں بہت سی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ ہوا ہے جو کی دسترس میں ہیں۔ لیکن ان مشرقی اور مغربی کتابوں میں دو بڑے نقص موجود ہیں۔

پہلا عیب یہ ہے کہ ان میں انسان کو فقط جسمانی حوالے اور اس کی دینا دی زندگی کے حوالے سے دیکھا گیا ہے اور بحث و تحقیق کسی گئی ہے۔ اور روحانی سہ اوت و بد بختی اور اخروی زندگی سے یا غفلت برقی گئی ہے یا اعراض کیا گیا ہے۔

مغرب میں تربیت کے لیے اس کے علاوہ کوئی ہدف نہیں کہ بچے کی جسمانی طاقت اس کی حیوانی قوتوں، اعصاب اور مغز کو صحیح طریقے سے پروان چڑھا یا جائے تاکہ جس وقت وہ بڑا ہو آرام سے زندگی گزار سکے اور مادی فوائد اور حیوانی قوتوں سے بہرہ مند ہو سکے اور ان کتابوں میں اگر اخلاق کے بارے میں گفتگو ہوتی بھی ہے تو وہ بھی ای دنیاوی زندگی اور مادی مفادات کے حصول سے مربوط ہے۔ ان کتابوں میں روحانی کمالات یا نقائص کا ذکر نہیں۔

اخروی خوشبختی یا بد بختی کا تذکرہ نہیں اور مجموعی در پر یہ کہا جاسکتا ہے ان میں اخلاقی اور روحانی زندگی کے بارے میں پ - نہیں۔
 دوسرا عیہ یہ ہے کہ مغرب والوں کے نزدیک تربیتی مسأ کا اٹھنا تجربات اور شماریات پر ہے۔ دذین کا ان پر کوئی رنگ نہیں۔
 ہذا یہ ماہیں ملمانوں کے نزدیک مفید ، جامع اور کا نہیں ہو سکتیں کیوں کہ ایک ملمان کی نظر میں انسان کسے دو پہلو میں۔
 ایک جسم اور دوسرا روح۔ لیک دنیا دی زندگی اور دوسری اخروی زندگی۔ ہذا قم نے فیصلہ کیا کہ اس سسے اس میں مطالعہ اور تقیر
 کی جائے اور پراپنے نتیجے کو تحریر کی صورت میں طالبین کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ اس کتاب کی تحریر کے لیے راقم کا اصلی
 ماخذ قرآن اور کمت حدیث و اخلاق ہیں۔ البتہ بچے کی تربیت سے متعل اور فضیلت سے متعل دسیلوں کتابیں جو فارسی اور عربی
 زبان میں تری ہو چکی ہیں او حفظان صحت سے متعل کت سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ لسانی علماء نے بچے کی تربیت کے متعل۔
 جو کتابیں لکھی ہیں ان سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ البتہ اس سسے مین راقم کے اپنے بھی پ تجربات ہیں۔ امید ہے کہ یہ نا چیز
 پیش کش تربیت کرنے والوں کے مفید ثابت ہو گی اور اسلام اور ملمانوں کے لیے سودمند قرار پائے گی۔

ابراہیم امینی نجف آبادی

حوزہ علمیہ قم

بہمن ماہ 1358 ھ

جنوری سنہ 1980ء

ماں باپ کی ذمہ داری

اسلام کی نظر میں ماں باپ کا مقام بہت بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرامؐ نے اور آئمہ معصومین علیہم السلام نے اس بارے میں بہت تاکید کی ہے اور اس سلسلے میں بہت سی آیات اور روایات موجود ہیں۔ ماں باپ سے حسن سلوک کو بہترین عبادت میں سے

سمندر کیا گیا ہے۔ ارشاد الہی ہے۔ **وقضى ربك الا تعبد و الا آياه و لاوالدين احسنا**

اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک اختیار کرو۔ (بنی اسرائیل: 23)

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

تین چیزیں بہترین ہیں:

1۔ پابندی وقت کے ساتھ نماز پڑھنے کی اونگھی۔

2۔ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور

3۔ راہ خدا میں جہاد

(اصول کافی ج 2 ص 158)

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ماں باپ کو سہ مرتبہ کیوں اور کیوں کر لایا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ مقام بلاوجہ عطا کر دیا ہے یا

ان کے کسی قیمتی عہدے کی وجہ سے؟ ماں باپ بچے کے لیے کون سا بڑا کام انجام دیتے ہیں کہ جس کے باعث وہ اس فخر مقام و

خدمت کے لائق قرار

پاتے ہیں۔ باپ نے ایک جھنسی جذبے کس تین کے لیے ایک غلیہ حیات () ر م مادر میں معتق کیا ہے۔ یہ سہ ماں کی جاذب سے ایک اور سہ کے ساتھ کرم ہو جانا ہے جو ایک نئے وجود کے ور پر ر م مادر میں پرورش پاتا ہے۔ جو نو ماہ کے بسر ایک ننھے منے بچے کی صورت میں زمین پر قدم رکھتا ہے۔ اسے دودھ اور دوسری غذا دتی ہے۔ اسے بھیس صاف کرتی ہے بھی کہے بدتی ہے اس کی تری اور خشکی کا خیال رکھتی ہے ان مراہ میں باپ خاندان کے اخراجات پورے کرتا ہے اور ان کس دیکے بھال کرتا ہے۔ کیساں باپ کی ان کاموں کے علاوہ کوئی مہ داری نہیں؟ کیا انہی کاموں کی وجہ سے ماں باپ کو اس قدر بلنر مقام حاصل ہے؟ کیا صرف ماں باپ ہی اولاد پر رکھتے ہیں اور اولاد اپنے ماں باپ پر کوئی نہیں رکھتی؟ میرے خیال میں ایسا یک طرفہ ہے۔ تو کوئی بھی قبول نہیں کرتا۔ احادیث معصومین علیہم السلام میں ایسے حقوق اولاد بھی بان فرمائے کئے ہیں کہ جن کس اولاد کی ماں باپ کی ذمہ داری ہے۔ ان میں سے چند احادیث ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں:

1_ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چنانچہ جس طرح تیرا باپ پر رکھتا ہے تیری اولاد بھی پر رکھتی ہے

مجمع الزوائد ، ج 8 ، ص 146

2_ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جیسے اولاد اپنے ماں باپ کس نا فرمانی کی وجہ سے عاق ہو جاتی ہے اسی طرح سے

ممکن ہے ماں باپ بھی اپنے فریضے کی عدم ادائیگی کے باعث اولاد کی طرف سے عاق ہو جائیں: بحار ، ج 10 ، ص 93

3_ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خدا ایسے ماں باپ پر لعنت کرے جو اپنی اولاد کے عاق ہونے کا باعث بنیں (مکرم الاخلاق ، ص 518)

4_ امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

تیری اولاد کا یہ ہے کہ تو اس پر غور کر کہ وہ بری ہے یا چھٹی ہے بہر حال

تجھی سے وجود میں آئی ہے اور اس دنیا میں وہ تجھی سے منسوب ہے اور تیری ذمہ دار ہے کہ تو اسے ادب سکھا، اللہ کی معرفت کے لیے اس کی راہنمائی کر اور اطاعت پروردگار میں اس کی مدد کر، تیرا سلوک اپنی اولاد کے ساتھ ایسے شخص کا سا ہونا چاہیے کہ جسے یقین ہوتا ہے کہ احسان کے بدلے میں اسے اچھی جزا ملے گی اور بد سلوکی کے باعث اسے سزا ملے گی۔" (مکالم الاخلاق ص 484)

5_ امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

"کہیں ایسا نہ ہو کہ تیری وجہ سے تیرا خاندان اور تیرے اقربا بد بخت ترین لوگوں میں سے ہو جائیں۔" (غرر اکرم ص 802)

6_ پیغمبر اکرم (ص) نے فرمایا:

"جو کوئی بھی یہ چاہتا ہو کہ اپنی اولاد کو عاق ہونے سے بچائے اسے چاہیے کہ نیک کاموں میں اس کی مدد کرے۔" (مجمع الزوائد ج 8 ص 146)

7_ پیغمبر اسلام (ص) نے فرمایا:

"جس کسی کے ہاں بیٹی ہو اور وہ اسے خوب ادب و اخلاق سکھائے، اسے تعلیم دینے کے لیے کوشش کرے، اس کے لیے آرام و آسائش کے سبب فراہم کرے تو وہ بیٹی اسے دوزخ کی آگ سے بچائے گی۔" (مجمع الزوائد ج 8 ص 158)

سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے :

یا ایہا الذین آمنوا قوا انفسکم و اہلیکم ناراً و قودھا الناس و الحجارة۔

اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ کہ جس کا لہندھن انسان اور پتھر ہیں۔ (سورہ تہریم - آیت۔)

بچے نے سب کہ ابھی وضع زندگی کے بارے میں کوئی راستہ متعین نہیں کیا ہوتا اور سہ اوت و بدبختی ہر دو کی اس میں قابلیت ہوتی ہے اس سے ایک کا انسان بھی بنایا جا سکتا ہے اور ایک گھٹیا درجے کا حیوان بھی۔ ہر انسان کی سہ اوت اور بدبختی اس کس کیفیت تربیت سے وابستہ ہے اور اس عظیم کام کی ذمہ داری ماں باپ کے کندھوں پر ڈالی گئی ہے۔ اصولاً ماں باپ کا معنی یہی ہے۔ ماں باپ یعنی انسان ساز اور کمال بخشنے والے دو وجود۔ عظیم ترین خدمت کہ جو ماں باپ اپنی اولاد کے لیے انجام دے سکتے ہیں وہ یہ ہے اسے خوش اخلاق، مہربان، انسان دوست، خیر خواہ، حریت پسند، شجاع، عدالت پسند، دانا، درت کام کرنے والا، شرافت مند، پاک ایمان فرض شناس، سام، محنتی، تعلیم یافتہ، اور خدمت گزار بننے کی تربیت دیں۔

ماں باپ کو چاہیے کہ اپنے بچے کو اس طرح سے ڈھالیں کہ وہ دنیا میں بھی سہ اوت مند ہو اور آخرت میں بھی سرخرو۔ اپنی افسردہ درحقیقت ماں باپ کے عظیم مرتبے پر فائز ہو سکتے ہیں نہ وہ کہ جنہوں نے ایک جنسی جذبہ کے تحت اولاد کو وجود بخشا ہے اور اسے بڑا ہونے کے لئے چھوڑ دیا ہے کہ وہ خود بخود تربیت پائے پیغمبر اکرم (ص) نے فرمایا: باپ جو اپنی اولاد کو بہترین چیز عطا کر سکتا ہے وہ لچھا ادب اور نیک تربیت ہے۔ (مجمع الزوائد۔ ج 8 ص 159)

خصوصاً ماں کی اس سہ اوت میں زیادہ اہمیت ہے۔ حتیٰ کہ دورانِ جنین بھی اس کی خوراک اور طرزِ عیاشی کی سہ اوت اور بدبختی پر اثر انداز ہوتا ہے۔

پیغمبر اسلام (ص) نے فرمایا: خوش نصیر وہ ہے کہ جس کی خوش بختی کی بنیاد ماں کے پیچھے میں پڑی ہو اور بدبختی وہ ہے جس کی سہ اوت کا آغاز شکمِ مادر سے ہوا ہو۔ (بحار الانوار۔ ج 77 ص 115_133)

رسول اکرم (ص) نے فرمایا: الجنة تحت اقدام الامہات (مستدرک۔ ج 2 ص 638)

لاً و دندار استاد، ڈاکٹر اور انجینئر وجود میں لاتے ہیں۔

خاص اور پر مائیں بچوں کی تربیت کے بارے میں زیادہ ذمہ داری رکھتی ہیں اور تربیت کا بو۔ ان کے کندھوں پر رکھا گیا ہے۔ بچے اپنے بچپن کا زیادہ عرصہ ماؤں کے دامن میں گزارتے ہیں۔ اور آئندہ زندگی کے رخ کی بنیاد اسی زمانہ میں پڑتی ہے۔ ہنزا افسر اور کی خوشحالی اور بدحالی اور م اثرے کی ترقی اور تنزل کی بنی ماؤں کے ہاتھ میں ہے۔ عورت کا مقام و کالت وزارت، اور افسری میں نہیں یہ چیزیں مقام مادر سے کہیں کم تر ہیں۔ مائیں کا انسانوں کی پرورش کرتی ہیں اور صالح وزیر، وکی، افسر اور استاد پروان چڑھاتی ہیں اور م اثرے کو عطا کرتی ہیں۔

جو ماں باپ پاک، صالح اور قیمتی بچے پروان چڑھاتے ہیں نہ صرف یہ کہ وہ اپنی اولاد اور م اثرے کی خدمت کرتے ہیں بلکہ خود بھی اسی جہان میں ان کے وجود کی خیر و خوبی سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ نیک اولاد ماں باپ کی سرفرازی کا سرمایہ ہوتی ہے اور ناتوانی کے زمانے میں ان کا سہارا ہوتی ہے۔ اگر ماں باپ ان کی تعلیم و تربیت کے لیے کوشش کریں تو اسی دنیا میں اس کا نتیجہ دیکھیں۔ اور اگر اس م املے میں غفلت اور سہانگاری سے کام لیں تو اسی دنیا میں اس کا ضرر بھی دیکھ لیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: بری اولاد انسان کے لیے بڑی مصیبتوں میں سے ہے۔ (غرر الکم ص 180)

حضرت علی علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا ہے: بری اولاد ماں باپ کی آبرو گنواہتی ہے اور وارثوں کو رسوا کردہتی ہے۔ (غرر الکم ص 780)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا: خدا رحمت کرے ان ماں باپ پر جنہوں نے اپنی اولاد کو تربیت دی کہ۔ وہ ان کے

ساتھ حسن سلوک کریں۔ (مکالم الاخلاق ص 517)

ہذا جو ماں باپ بن جاتے ہیں ان کے کندھے پر ایک بھاری ذمہ داری آن پڑتی ہے اور یہ ذمہ داری خدا کے حضور بھس مملوق کے روبرو بھی اور اولاد کے سامنے بھی ہے۔ اگر انہوں نے اپنی ذمہ داری کو صحیح طریقے سے ادا کر دیا تو ان کے لئے ایک عظیم خیریت انجام دی ہے، وہ دنیا و آخرت میں اس کا نیک صلہ پائیں۔ لیکن اگر انہوں نے اس مالے میں کوتاہی کی تو خود بھس نقصان اٹھائیں اور اپنی اولاد اور مائثرے کے ساتھ بھی خیانت اور ناقہ بخند گناہ کے مرتب ہوں۔

تربیت کرنے والوں کی آگاہی اور باہمی تعاون

بچے کی تربیت کوئی ایسی سادہ اور آسان سی بات نہیں ہے کہ جسے ہر ماں باپ آسانی سے انجام دے سکیں۔ بلکہ یہ کام بہت ساری باتوں اور ظرافتوں کا حصہ ہے۔ اس میں سینکڑوں باتوں سے ہدایت کی ضرورت ہے۔ تربیت کرنے والوں کے لیے اس کا تعلق بچے کی روح سے ہونا چاہیے۔ وہ روحانی، نفسیاتی اور تجرباتی پہلوؤں سے آگاہی کے بغیر اپنی ذمہ داری بخوبی انجام نہیں دے سکتا۔ بچے کی دنیا ایک اور دنیا ہے اور اس کے انداز، اس کے انداز محض ہوتا ہے، جس کا بڑوں کے طرزِ فکر سے موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔ بچے کی روح نہایت ظریف اور حساس ہوتی ہے اور ہر نکتہ سے خالی ہوتی ہے اور ہر طرح کی تربیت کو قبول کرنے کے لیے آمادہ ہوتی ہے۔ بچے ایک ایسا چھٹا سا انسان ہوتا ہے، جس نے ابھی تک ایک مستقل شکل اختیار نہیں کی ہوتی جب کہ ہر طرح کی شکل قبول کرنے کی اس میں لاجحیت ہوتی ہے۔ بچے کے مربی کو انسان شناس اور با نصوص بچوں کا شناسنا ہونا چاہیے۔ تربیت کے اسرار و رموز پر اس کی نظر ہونی چاہیے۔ انسانی کمالات اور نقائص پر اس کی نگاہ ہونے چاہیے۔ اس کے اندر احساسِ ذمہ داری بیدار ہونا چاہیے اور اسے اپنے کام سے دلچسپی بھی ہونا چاہیے۔ اسے صبر اور حوصلہ مند ہونا چاہیے اور مشکلات سے ہراساں نہیں ہونا چاہیے۔ علاوہ ازیں تربیت کے دائرے میں سو فیصد کلی نہیں ہوتے کہ جنہیں ہر جگہ پر اور ہر کسی کے لیے قابلِ اہتمام قرار دیا جاسکے۔ بلکہ ہر بچے کی اپنی جسمانی ساخت اور عقلی لاجحیتوں کے اعتبار سے اپنی خصوصیات ہوتی ہیں لہذا اس کی تربیت اس کی جسمانی ساخت، عقلی قوتوں، حالات اور ماحول کے تقاضوں کی مناسبت

سے ہونی چاہیے۔ ماں باپ کو چاہیے کہ بچے کی جسمانی ساخت کا صحیح طرح سے جائزہ لیں اور اسی کے پیش نظر اس کی تربیت کسریں ورنہ ممکن ہے ان کی کوششوں کا وہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکے جو ان کی خواہش ہے۔

مرد اور عورت کو چاہیے کہ ماں باپ بننے سے پہلے بچے کی تعلیم و تربیت کے طریقے سے آگاہ حاصل کریں۔ اس کے برعکس کس پیدائش کے لئے اقدام کریں، کیوں کہ بچے کی تربیت کا مرحلہ اس کی ولادت سے بلکہ اس سے بھی پہلے شروع ہو جاتا ہے۔ اس حساس عرصے میں بچے کی لائف اور حساس تربیت کوئی شکا اختیار کرتی اور اس کے اخلاق، کردار، عادات حتیٰ کہ انکار کی بنیاد پڑتی ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ ماں باپ اس حساس عرصے میں غفلت سے کام لیں اور تعلیم و تربیت کو آئندہ پر ٹال دیں۔ یعنی تعلیم و تربیت کو اس وقت پر اٹھانہ رکھیں کہ جب بچہ اپنے یا برے اخلاق و کردار یا اچھی یا بری عادتوں کے بارے میں تقریباً ایک مزاج اختیار کر چکا ہو۔ کیونکہ ابتدائی مراحل میں تربیت عادتوں کے تبدیل کرنے کی نسبت کہیں آسان ہے۔ عادت کا تبدیل کرنا اگرچہ ناممکن نہیں ہے۔ ہم اس کے لیے بہت زیادہ آگاہ، بر، حوصلہ اور کوشش کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ تربیت کرنے والوں کے بس کس بہت نہیں۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: اصعب السياسيات نقل العادات "مشکک ترین سیاست لوگوں کی عادت کو تبدیل کرنا ہے" (غرر اکرم ص 181)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: للعادة على كل انسان سلطان عادت انسان پر مطلق ہو جاتی ہے۔ (غرر اکرم ص 580)

امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں: "العادة طبع ثابته" "عادت فطرت ثابہ بن جاتی ہے"۔ (غرر اکرم ص 26)

ترک عادت اس قدر مشکا ہے کہ اسے بہترین عبادتوں سے شمد کیا گیا ہے حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں :

"افضل العبادۃ غلبۃ السعاده" " بری عادت پر غلبہ پالینا افضل ترین عبادتوں میں سے ہے " (غرر الکم - ص 176)

بچے کو راہ کمال پر تربیت دینے کے لیے ایک مسئلہ یہ بھی اہم ہے کہ ماں باپ اور دیگر تمام مربیوں کے درمیان کوری اور عملی در پر تربیت کے تمام پروگراموں میں اور ان کے اجراء کی کیفیت میں ہم آہنگی اور تفاهم موجود ہو۔ اگر ماں باپ اور دیگر لوگ کہ جن کا بچے کی تربیت میں دخل ہو مثلاً دادا اور دای و نیرہ ان کے درمیان تربیتی پروگراموں میں اتفاق اور ہم آہنگی موجود ہو اور ان کے اجرائیں وہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں تو وہ مطلوب نتیجے تک پہنچ سکتے ہیں اور ایک اچھا اور ممتاز بچہ پروان چڑھا سکتے ہیں۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی ایک بھی تربیت کے بارے بے اتناء یا تربیتی امور میں خلاف سلیقہ رکھتا ہو تو مراد حاصل نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ تربیت کے مسئلہ میں مکہ یقین اور ہم آہنگی ضروری ہے۔

بچے کو اپنے فریضے سے آگاہ ہونا چاہیے۔ جب ماں باپ پ اور کہ رہے ہیں اور دادا دای اور تو بچہ حیران و پریشان ہو جاتا ہے۔ اسے سمجھ نہیں آتی کہ کیا کرے۔ بانصوح اگر ان میں سے ہر کوئی اپنے نظر پر زور دے رہا ہو۔ ایسی صورت میں نہ فقط یہ کہ اچھا نتیجہ نہیں ملتا بلکہ ایسا ہوتا تربیت میں نقص کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ تربیت کی بڑی مشلات میں سے یہ ہے کہ بچے کے بارے میں باپ پ فیصلہ کرے اور ماں یا دای اس میں دخالت کر کے برخلاف کرے یا پھر اس کے الہ مسئلہ ہو۔ مربیوں کے درمیان ایسے اتفاق اور ہم آہنگی کی ضرورت ہے کہ جس سے بچہ واضح در پر یہ سمجھ سکے کہ اسے کیا کرنا ہے اور اس کس خلاف ورزی کا خیال اس کے ذن میں نہ آئے۔

بھی یوں ہوتا ہے کہ باپ ایک خوش اخلاق اور اچھا تربیت یافتہ بچہ پروان چڑھانا چاہتا ہے لیکن ماں بد اخلاق اور بے تربیت ہوتی ہے اسے تربیت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور بھی ماملہ اس کے برعس ہوتا ہے۔ یہ مشکا بہت سے گرانوں میں نظر آتے ہیں۔

خاندانوں میں پرورش پانے والے بچے عموماً اچھی اور صحیح تربیت کے حامل نہیں ہوتے کیونکہ ایک تربیت یافتہ اور صالح فرد کس تربیت اس کی ناصح بیوی کے سبب بے اثر ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں صحیح تربیت بہت مشکل امر بن جاتا ہے البتہ ایسی دشواریوں کا یہ۔ مطلب نہیں کہ ہم تربیت کی ذمہ داری سے دست بردار ہو جائیں۔

ایسی صورت میں تربیت کی ذمہ داری اور بھی ہو جاتی ہے۔ چاہے کہ ایسی صورت میں اولاد کی تربیت کے بارے میں زیادہ توجہ دی جائے۔ اپنے اخلاق و کردار کی پوری طرح اصلاح کی جائے اور بچوں کی زیادہ دیکھ بھال سے کام لیا جائے اور ان سے زیادہ سے زیادہ مائیت پیدا کی جائے۔ اچھے کام اور خوش رفتاری کے ذریعے بچوں کی توجہ اپنی طرف جذب کی جائے اور ان کے لیے بہترین نمونے بن جایا جائے۔ اپنے بچوں سے تفہیم پیدا کیا جائے۔ لچھائی برائی اور نیکی بدی کا مفہوم ان کے سامنے رکھا۔ اور پسر و انج کیا جائے۔ ایسا کیا جائے کہ بچہ خود بخود اچھے اور برے اخلاق کے درمیان تمیز کر سکے اور برائیوں سے متنفر ہو جائے۔ اگر مربی عاقل، تدریس، صابر، اور حوصلہ مند ہو تو کسی حد تک اپنے ہدف تک پہنچ سکتا ہے اور اپنی بیوی کی غلط تربیت اور بد آموزی کس اثرات زائل کر سکتا ہے۔ بہر حال یہ ایک مشکل اور اہم کام ہے لیکن کے علاوہ چارہ بھی نہیں۔

ایک دانشور کا قول ہے :

وہ خاندان کہ جس میں ماں اور باپ کی تربیت کے بارے میں ہم نگر ہیں اور اپنے کردار اور رفتار کو اس کے مطابق ڈھالتے ہیں تو بچے کے اعصاب کے لیے مناسب ماحول مہیا ہو جاتا ہے۔ خاندان ایک ایسا چھوٹا سا ماحول ہے کہ جس میں بچے کی اخلاقی خصوصیات ایک خاص صورت اختیار کرتی ہیں۔ وہ خاندان کہ جس کے افراد ایک دوسرے سے دوستانہ برتاؤ کرتے ہیں اس کے بچے عموماً متین، خوددار اور انصاف پسند ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ

گر کہ جس میں ماں باپ کے درمیان روزروز کی نوک جھونک اور تو تکرار رہتی ہے اس کے بچے ج اخلاق ، بہانہ ساز اور غصیلے ہوتے
ہیں۔⁽¹⁾

1 روان شناسی تجربی کو دک ص 191_

تربیت سے زبان سے

بہت سے ماں باپ ایسے ہیں جو تربیت کے لیے وعظ و نصیحت اور زبانی امر و نہی کافی سمجھتے ہیں۔ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ جب وہ بچے کو امر و نہی کر رہے ہوتے ہیں، اسے زبانی سمجھا بجھا رہے ہوتے ہیں تو گویا وہ تربیت میں مشغول ہیں اور باقی امور حیات میں وہ تربیت سے دست بردار ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے ماں باپ بچے کو تربیت کے قابل نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ ابھی بچہ ہے۔ نہیں سمجھ سکے گا۔ جب بچہ رشد و تمیز کی عمر کو پہنچتا ہے تو وہ تربیت کا آغاز کرتے ہیں۔ جب وہ خوب و برے کو سمجھنے لگے تو اس کی تربیت شروع کرتے ہیں۔ جب کہ یہ نظریہ بالکل غلط ہے۔ بچہ اپنی پیدائش کے روز ہی سے تربیت کے قابل ہوتا ہے۔ وہ تربیت پاتا ہے اور ایک غلط مزاج میں ڈلنا چلا جاتا ہے، ماں باپ متوجہ ہوں یا نہ ہوں۔ بچہ تربیت کتے لیے اس امر کا انتظار نہیں کرتا کہ ماں باپ اسے کسی کام کا حکم دیں یا کسی چیز سے روکیں بچے کے اعصاب اور حساس و ظریف ذہن روز اول ہی سے ایک میرے کی طرح تمام چیزوں کی نلم بنانے لگتے ہیں اور اسی کے مطابقت اس کس تعمیر ہوتی ہے اور وہ تربیت پاتا ہے۔ پانچ سالہ بچہ تعمیر شدہ ہوتا ہے اور جو ایک خاص صورت اختیار کر چکا ہوتا ہے اور جو پانچ سے بنا ہوتا ہے بن چکنا ہے۔ لچھائی یا برائی کا عادی ہو چکنا ہے لہذا تربیت بہت مشکل اور کم اثر ہوتی ہے بچے تو بالکل مقرر ہوتا ہے وہ اپنے ماں باپ اور اور رہنے والے دیگر لوگوں کے اعمال، رفتار اور اخلاق کو دیکھتا ہے اور اس کی تقلید کرتا ہے وہ ماں باپ کو احترام کی نظر سے دیکھتا ہے اور انہیں کے طرز حیات اور کاموں کو لچھائی اور برائی کا

میرا قرار دینا ہے اور پر اسی کے مطا۔^۶ کرتا ہے۔ بچے کا وجود تو کسی سانچے میں نہیں ڈالا ہوتا وہ ماں باپ کو ایک نمونہ۔
 سب کر ان کے مطا۔ اپنے آپ کو ڈھالتا ہے۔ وہ کردار کو دیکھتا ہے باتوں اور پند و نصیحت پر توجہ نہیں دیتا۔ اگر کردار گفتار سے
 ہم آہنگ نہ ہو تو وہ کردار کو ترجیح دیتا ہے۔

بیٹی ہنی ماں کو دیکھتی ہے اور اس سے آداب زندگی، شوہر داری، خانہ داری اور بچوں کی پرورش کا سلیقہ سیکھتی ہے اور اپنے باپ
 کو دیکھ کر مردوں کو پہچانتی ہے۔ بیٹا اپنے باپ کے طرز زندگی سے درس حبت لیتا ہے، اس سے بیوی اور بچوں سے سلوک
 کرنا سیکھتا ہے اور ہنی ماں کے طرز سے عورتوں کو پہچانتا ہے اور ہنی آئندہ زندگی کے لیے اسی کو دیکھ کر منصوبے بناتا ہے۔

لہذا ذمہ دار اور آگاہ افراد کے لیے ضروری ہے کہ ابتدا میں ہی اصلاح کریں۔ اگر ان کے اعمال، کردار اور اخلاق عیب دار ہیں تو
 ان کی اصلاح کریں۔ اچھی صفات بنائیں نیک اخلاق اختیار کریں اور پسندیدہ کردار اور کریں۔ مختصر یہ کہ اپنے آپ کو ایک اچھے اور
 کا انسان کی صورت میں ڈھالیں اس کے برعکس انسانوں کی تولید اور پرورش کی طرف قدم بڑھائیں۔ ماں باپ کو کھلے سوچنا چاہیے
 پیے کہ وہ کس طرح کا بچہ م اثرے کے سپرد کرنا چاہتے ہیں اگر انھیں یہ پسند ہے کہ ان کا بچہ خوش اخلاق، مہربان، انسان
 دوت، خیر خواہ، دیندار، باہدف شریف، آگاہ حریت پسند، شجاع، مفید، فال، اور فرض شناس ہو تو خود انہیں بھی ایسا ہو
 نا چاہیے تاہم وہ بچے کے لیے نمونہ قرار پائیں۔ جس ماں کی خواہش ہو کہ اس کی بیٹی فرض شناس، خوش اخلاق، مہربان،
 سبجہ دار، شوہر کی وفادار، باتمیز، ہر طرح کے حالات میں گزر لبس کر لینے والی اور نظم و ضبط حیات حاصل کرے۔ اگر ماں باپ
 اخلاق، بے ادب، ست، بے نظم، بے مہر، کثیف، دوسروں سے زیادہ توقع باندھنے والی اور بہانہ ساز ہو تو وہ صرف وعظ و
 نصیحت سے ایک اچھی بیٹی پروان نہیں چڑھاسکتی۔

ڈاکٹر جلالی لکھتے ہیں۔

بچوں کو احساسات اور جذبات کے اتہاد سے وہ لوگ صحیح تربیت دے سکتے ہیں کہ جنہوں نے اپنے بچپن میں اور باقی تمام عمر صحیح تربیت پائی ہو۔ جو ماں باپ آپس میں ناراض رہتے ہوں اور چھوٹی باتوں پر گڑاوتے ہوں، یا جن لوگوں نے کاروبار کے ور پرپورش کا سہ شروع کیا ہو اور انہیں تربیت دینے کا کوئی ذوق و شوق نہ ہو۔ اور جو بچوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہوں، خود حوصلے سے عاری ہوں اور غصیلی بیعت رکھتے ہوں اور جنہیں خود اپنے آپ پر اتمام نہ ہو وہ بچوں کے جذبات اور احساسات کو صحیح راستے پر نہیں ڈال سکتے (1)

ڈاکٹر جلالی مزید لکھتے ہیں: بچے کی تربیت جس کے بھی ذمے ہوا سے چاہیے کہ بھی بھی ہنی صفات کا بھی جائزہ لے اور ہنی ذمہ داریوں کے بارے میں سوچے اور ہنی خامیوں کو دور کرے (2)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

من نصب نفسه اماماً فليبدأ بتعليم نفسه قبل تعليم غيره و ليكن تاديبه بسيرته قبل تاديبه بلسانه و معلم نفسه و مؤدبها احق بالاجلال من معلم الناس و مؤدبهم۔

جو شخص دوسروں کا پیشوا بنے چاہیے کہ پہلے وہ اپنے ا لاج کرے پر دوسروں کی ا لاج کے لیے اٹھے اور دوسروں کو زبان سے ادب سکھانے سے پہلے اپنے کردار سے ادب سکھائے اور جو اپنے آپ کو تعلیم اور ادب سکھانا ہے وہ اس شخص کو نسبت زیلاہ عزت کا

>رار ہے جو دوسروں کو ادب

1_ روان شناسی کودک۔ ص 296_

2_ روان شناسی کودک ص 297_

سکھاتا ہے۔ (سُجِّ الْبَلَاءِ - لامت قصد نمبر 73)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: وَقَرُّوا كِبَارِكُنْ يَوْقَرِكُمْ صَغَارِكُمْ

تم اپنے بزرگوں کا احترام کرو تاکہ تمہارے بچے تمہارا احترام کریں۔ (غرر اکرم - ص 78)

پیغمبر اکرم (ص) نے حضرت ابوذر سے فرمایا:

جب کوئی شخص خود صالح ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے نیک ہوجانے کے وسیلے سے اس کی اولاد اور اس کی اولاد کی اولاد کو بھی نیک

بنادیتا ہے۔ (مکارم الاخلاق - ص 546)

امیر المومنین (ع) فرماتے ہیں: ان سمعت همتك لاصلاح الناس فابدهء بنفسك فان تعاطيك صلاح غيرك و انت فاسد
اكبر العيب

اگر تو دوسروں کی اصلاح کرنا چاہتا ہے تو اس سے لے کر آغاز اپنی ذات کی اصلاح سے کر اور اگر تو دوسروں کی اصلاح کرنا چاہے اور اپنے

آپ کو فاسد نہ رہنے دے تو یہ سے بڑا عیب ہوگا۔ (غرر اکرم ص 278)

تو یہ سے بڑا عیب ہوگا۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: انّ الوعظ الّذی لا یجّحه سمع و لا یعوله نفع ما سکت عنه لسان القول و نطق به
لسان الفعل

جس نصیحت کے لیے زبان گفتار خاموش ہو اور زبان کردار گویا ہو کوئی کان اسے باہر نہیں نکال سکتا اور کوئی فائدہ اس کے برابر نہیں

ہو سکتا۔ (غرر اکرم ص 232) ایک خاتون اپنے ایک لکھتی ہے:

... میرے ماں باپ کے کردار نے مجھ پر بہت اثر کیا ہے انہوں نے ہمیشہ میرے ساتھ اور میرے بھائیوں کے ساتھ مہربانی کی

ہے۔ میں نے بھی بھی ان کے

کردار اور گفتار میں برائی نہیں دیکھی۔ خود ہماری بہت عادت ویسی ہی ہو گئی۔ میں ان کا اچھا اخلاق اور کردار بھلا نہیں سکتی۔ اب جب کہ میں خودمان بن گئی ہوں تو کوشش کرتی ہوں کہ کوئی برا کام خاص در پر اپنے بچوں کے سامنے سے سرزد نہ ہو۔ میرے ماں اور باپ کا کردار میری زندگی میں میرے لئے نمونہ بن گیا۔ میں کوشش کرتی ہوں کہ اپنے بچوں کی بھی اس طرح سے تربیت کروں۔

ایک اور خاتون اپنے خط میں لکھتی ہیں:

... جب میں اپنی گزشتہ زندگی کے بارے میں سوچتی ہوں تو مجھے یاد آتا ہے۔ کہ میری ماں چھوٹی چھوٹی باتوں میں ایسی ہی چینی چلاتی تھی۔ اب جب کہ میں خودمان بن گئی ہوں تو میں دیکھتی ہوں کہ تھوڑی سی کی کے ساتھ وہ میری حالت بھسی ہے۔ اس کی ساری بد اخلاقیوں میں پیدا ہو گئی ہیں اور عجیب مسئلہ یہ ہے کہ میں جتنا بھی کوشش کرتی ہوں کہ اپنی اصلاح کروں نہیں کرسکتی ہوں۔ یقینی طور پر میرے لئے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ ماں باپ کا کردار اور اخلاق اولاد کی تربیت پر ضرور اثر انداز ہوتا ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے: کہ ماں اپنی تربیت کے ذریعے ایک دینا کو بدل سکتی ہے بالکل درست بات ہے۔

ریلو لڑائی جھگڑے سے پرہیز

بچے کے لیے گر آشیانے کے مانند ہے۔ وہ خود کو اس سے وابستہ سمجھتا ہے اور اس کا دل اسی سے بندھا ہوا ہے۔ اگر اس کے ماں باپ آپس میں اچھے دوست ہوں تو اس کا آشیانہ پائیدار، گرم آغوش کی طرح اور باصفا ہوگا۔ ایسا گر میں بچہ آرام و اطمینان کا احساس کرے گا۔ اس اچھے آشیانے میں پرورش پانے سے بچے کی داخلی لاشیں صحیح در پر پرواں چڑھتی ہیں اور نتیجہ۔ خیر ثابت ہوتی ہیں۔ لیکن اگر ماں باپ میں لڑائی؟ گڑا ہوا تو بچے کا بھین اور سکون چھن جاتا ہے۔ وہ پریشان اور مضطرب رہتا ہے۔ ماں باپ آپس میں لڑ رہے ہوتے ہیں انہیں اس امر کا اندازہ نہیں ہوتا ہے کہ بے چارے بچے کی کیا کیفیت ہے۔ ایسا عام میں بچے خوف زدہ ہوتے ہیں اور ان کے دل ٹوٹے ہوتے ہیں وہ یا کسی کونے کورے میں حیرت و استعجاب میں ڈوبے ہوتے ہیں یا پراس آشیانے سے فرار کر کے کسی کوچہ و بازار میں پناہ حاصل کرتے ہیں۔ بچے کی زندگی کی تلخ ترین یادیں اس کے ماں باپ کی باہمی لڑائیں ہے۔ بچے ایسا واقعات اپنی آخری عمر تک بھلا نہیں پاتے۔ یہ واقعات ان کی روح پر برے طریقے سے اثر پذیر ہوتے ہیں۔ ایسا بچوں کے دلوں میں گرہیں پر جاتی ہیں، اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں، دل شکستہ رہتے ہیں اور وہ بدبینی کے عام میں زندگی گزارتے ہیں۔ ہو سکتا ہے ایسا گر کی بیٹی اپنے باپ کی بد اخلاقی اور مزاجی سے یہ سمجھے کہ سارے مرد ایسا ہوتے ہیں۔ ممکن ہے اس خیال کے باعث وہ شادی کے نام سے خوف کھاتی ہو۔ ہو سکتا ہے ایسا گر کا بیٹا

ہنی ماں کی بد اخلاقی اور لڑا کا پن کے باعث عورتوں کو ایسا ن خیال کرے اور شادی سے بیزار ہو جائے۔ اس صورت حال میں اولاد کے دل میں ماں یا باپ میں سے کسی ایک کے لیے کینہ اور نفرت پیدا ہو جاتی ہے یہاں تک کہ بعض اوقات اولاد انتقامی حربے بھسی اختیار کرتی ہے۔ اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمت سے آوارہ، نشہ باز اور بد کردار بچے ماں باپ کے روز روز کے گڑوں کے باعث اس مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں۔

اگر آپ اپنے بچوں کے تلخ واقعات اور ماں باپ کے اخلاقیات (اگر تھے) کا سوچیں تو آپ محسوس کریں گے کہ سزاوار گزرنے کے باوجود ان کی تلخ یادیں آپ کے ذہن پر نشتر ہیں۔

ایک دانشور لکھتے ہیں:

ماں باپ کو یہ بات معلوم ہونا چاہیے کہ اگر کے بڑے افراد کے درمیان لڑائی ہو گئی ہے۔ گڑا بچوں پر برا اثر ڈالتا ہے اور بڑوں کے باہمی روابط بچے کی شخصیت کی تعمیر پر اثر انداز ہوتے ہیں... اگر ایک گھر میں اتفاق و اتحاد کی فضا نہ ہو تو ایسی صورت میں ممکن نہیں کہ وہاں بچوں کی صحیح پرورش ہو سکے۔ جب بڑے لڑنے لگنے لگیں تو انہیں بھول جاتا ہے کہ بچے بھی ان کے ساتھ ہیں اور ان کی تربیت بھی ان کے ذمہ ہے۔ ایسی صورت میں بچہ کوئی صحیح سبب نہیں سیکھا سکتا۔ اس کا مزاج بھی غصیلا ہو جاتا ہے وہ تند مزاج اور گوشہ نشین ہو جاتا ہے۔ خصوصاً بڑی عمر کے بچے ایسی صورت میں سخت مشک سے دوچار ہو جاتے ہیں۔

ان کا دل باپ کی حالت پر کڑھتا ہے۔ وہ یہ فیصلہ نہیں کر پاتے کہ کس کا ساتھ دیں اور کس کے ساتھ ہو جائیں۔ بھیس وہ حقیریت کو پہچاننے بنیر ہر دو کے خلاف ہو جاتے ہیں۔⁽¹⁾

کسی نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے کہ:

"... میرے بچپن کے بدترین واقعات میں سے وہ موقع ہیں کہ جب میرے ماں باپ آپس میں جگڑتے تھے اور گالی گالوج کرتے تھے۔ میں میری بہن اور میرا بھائی ایسے موقع پر ایک طرف کھڑے ہو کر لرزتے رہتے تھے۔ جب تک لڑائی رہتی تھی ہم بیٹے بننے کے لیے کرنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ میری چھوٹی بہن اس صورت حال کو دیکھ کر رونے لگتی تھی اور کتنی دیر تک اس کے اوسان بحال نہ ہوتے تھے۔ اس وقت وہ ضعف اعصاب کا شکار ہو چکی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ہمارے ماں باپ کے لڑائوں سے گڑھے میری بہن کی روح پر بری طرح اثر انداز ہوئے ہیں..."

ایک مرد نے اپنے بچے کو لکھا ہے۔

"... بچپن کے ایک تلخ واقعے کی یاد میرے دل سے جاتی نہیں۔ میرا باپ بہت بد اخلاق، بدسلوک، غصیلا، اور خود غرض تھا، گھر میں وہ بہانے بہانے سے جگڑتا رہتا اور پر برستا۔ ہمارے ماں باپ صبح سے آدھی رات تک آپس میں لڑتے رہتے، خرابی جانے دیتے کیوں نہ تھے۔ جگڑے بھی بالکل معمولی معمولی باتوں پر ہوتے تھے۔ کوئی رات ایسی نہ تھی کہ میں روئے بغیر سو جاتا۔ اسی وجہ سے میرے اعصاب کمزور پڑ گئے ہیں ڈرتا رہتا ہوں اور ڈراؤنے خواب دیکھتا ہوں۔ ڈاکٹر کے پاس بھی گیا ہوں وہ کہتا ہے کہ گریو اختلافات کا اثر ہے اور اس کا آرام کے علاوہ کوئی علاج نہیں ہے۔ میری خوشی کا زمانہ اس وقت شروع ہوا جب میری شادی ہو گئی اور میں نے اس گھر سے نجات پائی اور اب اگرچہ میری زندگی اچھی گزر رہی ہے پر ابھی یوں لگتا ہے جیسے میں ایک شکست خوردہ آدمی ہوں اور زندگی میں ترقی نہیں کر سکتا۔ میں وائٹن سے درخواست کرتا ہوں کہ خدارا اگر تمہارے درمیان کوئی اختلاف ہو بھی تو اپنے بچوں کے سامنے لڑائی نہ کرو۔

وہ اپنے تفصیلی خط میں مزید لکھتا ہے: میرے بچپن کا بدترین واقعہ وہ ہے کہ میں جب آٹھ سال کا تھا اور میرے وائٹن کے درمیان سخت جگڑا رونما ہوا۔ سارے

بچے ڈر کے مارے مخمف گوشوں میں جا چھپے اس واقعے کا میری روح پر ایسا اثر ہوا کہ میں ایک عرصے تک مضطرب اور پریشان رہا۔ میں اپنے گروالوں سے بیزار ہو گیا۔ میرا دل نہ کرتا کہ سکول سے گر آؤں۔ میں خدا سے دعا کرتا کہ۔ بیمار ہو جاؤں اور مرجاؤں۔ نئی دفتر میں نے خودکشی کا سوچا نئی مرتبہ خوابوں میں میں نے دیکھا کہ میں اپنی ہونے والی بیوی سے لڑ رہا ہوں اور اس سے جنگ و جدال میں مصروف ہوں عام خواب میں میں یہ پروگرام بتاتا کہ اپنے کو میں کسے بچا سکتا ہوں۔ شادی کے شروع شروع میں میں نے نئی بہانوں سے کوشش کی کہ اپنی بیوی سے گڑبگڑوں اور اسے بتاؤں کہ میں بہت غصے والا ہوں اور اوپنی آواز سے بولوں تاکہ۔ اس پر ظاہر کر سکوں کہ میری بھی کوئی شخصیت ہے۔ خوش قسمتی سے میری بیوی ٹھنڈے دل و دماغ والی اور عقیدہ مند تھیں۔ وہ میرے ساتھ اچھا سلوک کرتی تھی اور اس کے برعکس وہ برہان سے مجھے مطمئن کرتی۔ خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ میرا یہ مزاج زیادہ دیر تک باقی نہ رہا۔ جب مجھے اپنے ماں باپ کی غلطی کا احساس ہوا اور میں نے خود اپنی کمزوریوں پر نظر کی تو میں نے اپنے اخلاق کو تبدیل کر لیا اور اب زندگی آرام سے گزرتی ہے۔

ایک اور صاحب اپنے خط میں لکھتے ہیں:

... میں نوسال کا تھا کہ میرے ماں باپ نے باہمی اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے سے جدائی کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے مجھے، میری بہن اور بھائی کو دادا کے گھر بھجوا دیا۔ ہم وہاں روتے رہتے۔ جب میں اپنی ماں سے ملنے جانا تو راتوں کو اب خواب دیکھتا کہ۔ کہ رہا ہوتا کہ میں ابو کے گھر نہیں جاؤنگا۔ پھر عرصے کے بعد امی اور ابو کے بعض رشتہ داروں نے صلح کرا دی اور میری امی واپس گھر آئی۔ لیکن اس تھوڑے سے عرصے نے میری روح پر ایسا اثر کیا کہ ابھی تک اس کے آثار باقی ہیں۔ میں اب کوشش کرتا ہوں کہ اگر میرے اور بیوی کے درمیان کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو اسے اپنے بچوں کے سامنے ظاہر نہ ہونے دیں۔

ایک اور نط ہاڈر بیجئے :

میرے بچپن کی بہت سی تلخ یادیں ہیں ، خوشی کی یادیں تو بہت ہی کم ہیں ۔

جب تھی مجھے وہ زمانہ یاد آتا ہے تو ندراحت ہو جاتی ہوں اور بے اختیار میرے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اس غم کی وجہ یہ ہے کہ جب سے مجھے یاد ہے میں نے ہمیشہ اپنے ماں باپ کو محبت و جدل اور لڑائی جگڑا کرتے ہی دیکھا ۔ اس طرح انہوں نے مجھ پر اور میرے بہن بھائیوں پر زندگی اجیرن کر دی تھی ۔ ہم آہ بہن بھائی تھے اسی وجہ سے میں اپنے شوہر سے تو تکرار نہیں کرتی اور اپنے شوہر اور بچوں کی زندگی تلخ نہیں کرتی ۔

ایک نط میں کسی نے لکھا :

پانچ سال کی عمر بچپن کا بہترین زمانہ ہوتا ہے ۔ میں اس عمر کا تھا کہ میرے ماں باپ میں شدید اختلاف پیدا ہوئے ۔ میرے باپ نے دوسری شادی کر لی ۔ اس اختلاف کی وجہ سے میری ماں نے لاف لے لی ۔ ہم بہن بھائی تھے ۔ ایک دن بہت تلخ تھا ۔ میں اور میرا بھائی کھینچ رہے تھے کہ امی جان خدا حافظ کہنے کو آئیں ۔ خدا جانتا ہے ہر بچے کس قدر ندراحت ہوئے ۔ ہماری ماں چلی گئی اور ہم اپنے باپ اور نئی ماں کے ساتھ رہ گئے ۔ دو سال گویا ہم ماں کے بغیر رہے اور باپ کی بے اتنائی کے صدمے سے رہے ۔ اس کے بعد ایک روز ہماری امی آئیں اور مجھے اور میرے بھائی کو اپنے گھر لے گئیں ۔ انہیں ہماری نانی سے جائیرو سے پتہ حصہ لا تھا وہ اسی کے ذریعہ ہماری دیکھا بھلا کرتی رہیں ۔ پھر دگر بہن بھائی بھی آگئے ۔ ہماری ماں نے ہمارے ساتھ ساتھ کا کردار بھی ادا کیا اور باپ کا بھی ۔ ہم اس کے بیٹا اور قربانیوں کو بھلا نہیں سکتے :

ایک خاتون اپنے نط میں لکھتی ہے : میرے ماں باپ ہمیشہ لڑتے جگڑتے رہتے تھے اور ہمارے گھر میں ایک جنجال پیا ہوتا تھا ۔ ہماری ماں ہمیشہ غصے میں رہتی ہیں آٹے سال کی تھی دوسرے

بچوں کو میرے پاس پھوڑتی اور چلی جاتی۔ میرے بن بھائی کوئی دو سال کا تھا، کوئی چار سال کا تھا، کوئی پ سال کا تھا۔ یہاں تک کہ ایک پ ماہ کا بھی تھا۔ میں ناچار ان کی خدمت کرتی رہتی۔ بھی باپ سے بھی مارکھاتی۔ ان سارے حالات کے باوجود میں کوش کرتی کہ پڑھتی بھی رہوں لیکن دوسری جماعت میں میں فیہ ہو گئی تھی۔ میری استانیوں کو میرے حالات کی خبر تھی۔ انہوں نے میرے اور پر ر م کیا اور مجھے پ اضافی نمبر دے دیئے۔ انہیں حالات میں میں ہائی سکول تک جا پہنچی۔ اس وقت تو میں خود ماں بن چکی ہوں۔ کوش کرتی ہوں کہ جنگ و جدل سے نہ اپنے آپ کو بے آرام کروں اور نہ شوہر اور بچوں کو۔

جو ماں باپ احساس ذمہ داری رکھتے ہیں اور انہیں اپنے بچوں کی تربیت سے دلچسپی ہے تو انہیں چاہیے گر کتے لڑائیں؟ گڈے سے سختی سے اجتناب کریں اور ہر گز بچوں کے سامنے لڑائی؟ گڈانہ کریں اور لمبی کدور توں اور باہن غصے سے بچوں کے لیے ناراضی اور پریشانی کے اسباب فراہم نہ کریں۔ اس سے بدتر کوئی کام نہیں ہو سکتا کہ ماں باپ گر میں؟ گڈیں اور بے گناہ بچوں کو چھوڑ کر اپنی راہ لیں۔ اگر ماں باپ کو پتہ ہو کہ اس مدت میں اگر چہ وہ تھوڑی سی ن کیوں نہ ہو، بچوں پر کیا گزری تو وہ بھیس اس لڑائیں؟ گڈے کو اختیار نہ کریں۔ ایسے واقعات آخر عمر تک نہیں بھولتے اور اولاد کی روح کو اداس اور پریشان کر دیتے ہیں۔ البتہ شاید بہت کم ن گراپ ہوں جہاں سلطے کا اختلاف نہ ہو لیکن از دواجی زندگی میں در گزر کی ضرورت ہوتی ہے۔ سبج رار اور آگاہ۔ ماں باپ اپنے اختلافات کو اہام و تفہیم اور منط و استدلال کے ذریعے سے حل کرتے ہیں اور اگر ناچار پ سخت سرت کہن اس پڑ جائے تو جائے تو بچوں کے سامنے ایسا نہیں ہونا چاہیے اور آگ بچوں کو پ پتہ چ بھی جائے تو انہیں بتانا چاہیے کہ اختلاف کام میں نہیں ہے بلکہ ہم ملے در میان صرف طریقے میں اختلاف اور مشلات ہیں اور ان کے ح کوش کر رہے ہیں اور یہ۔ کوئی اہم مسئلہ نہیں ہے۔ ماں باپ کو نہیں چاہیے اگر چہ وہ غصے کے عام میں ہوں لاق اور جدائی کا ذکر کریں۔ کیونکہ اس سے نہ فقط ازدواجی زندگی متزلزل ہو جاتی ہے بلکہ بچوں کے لیے بھی بے اطمینانی اور اضطراب پیدا ہوتا ہے۔ میاں بیوی کی ایک دوسرے سے جدائی اولاد کے ساتھ

بھی ایک بہت بڑی خیانت ہے۔ کیونکہ ان کا تو گو یا آشیانہ گر جاتا ہے اور ان کی زندگی پریشان و ویران ہو جاتی ہے۔ کیونکہ بچے تو ماں باپ دونوں کو چاہتے ہوتے ہیں نہ کہ ان میں سے کسی ایک کو۔ اگر لاق کے بچے باپ کی تحویٰ میں رہیں اور وہ دوسری شادی کر لے تو وہ بے گناہ مجبوراً سوتیلی ماں کے زیرِ دست زندگی گزاریں۔ سوتیلی ماں اگر چہ کتنی نا اچھی کیوں نہ ہو حقیقی ماں کی جگہ نہیں لے سکتی۔ زیادہ تر تو وہ اپنے شوہر کے بچوں کو اذیت و آزار نا پہنچاتی ہے سوتیلی ماں کے سولک کے برعکس۔ آپ اخبار و جرائد میں پڑھتے نا ہوں۔ اور اگر بچے ماں کی تحویٰ میں چلے جائے تو اگر چہ وہ باپ سے بہتر نا رہی کرتی ہے لیکن باپ کی جگہ خالی رہتی ہے اور باپ سے دوری کا غم انہیں ستاتا رہتا ہے اور اگر وہ دونوں ڈھٹائی سے کام لیں اور اپنے بچوں کو کسی اور کے پاس چھوڑ دیں تو وا مصیبتا۔

بہر حال بچے پیدا ہونے سے پہلے میاں بیوی آزاد ہیں۔ لیکن اولاد کی پیدائش کے بعد وہ ذمہ دار ہیں کہ اختلاف سے پرہیز کریں اور گھر کے نظام کی استرور حفاظت کریں اور بے گناہ بچوں کی پریشانی اور اذیت سلمان فراہم نہ کریں۔ ورنہ وہ بارگاہِ عمل الہس میں جواب دہ ہوں

۔ اور ان کا مواخذہ کیا جائے گا۔

ماں کی حیثیت سے زندگی کا آغاز

جب مرد کا نطفہ عورت کے رحم میں جاتا ہے اور عورت کے نطفے سے ملتا ہے تو اس لمحے سے عورت کے لیے ماں بنتے کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اسی وقت سے عورت کے رحم میں ایک زندہ موجود وجود میں آتا ہے اور وہ تیزی کے ساتھ حرکت کرتا ہوا تکمیل کی طرف بڑھتا ہے۔ وہ بہت چھوٹا سا وجود غیر معمولی صورت کے ساتھ پرورش پاتا ہے اور بڑا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک انسان کسی کا صورت اختیار کر لیتا ہے۔ انسان کی عمر حقیقی دور پر اسی زمانے سے شروع ہو جاتی ہے۔

ایک دانشور لکھتا ہے :

جس وقت انسان اس دنیا میں آتا ہے تو نو مہینے اس کی عمر کے گزر چکے ہوتے ہیں۔ اور ان اولین نو مہینوں میں وہ ایسے مراحل سے گزرتا ہے کہ جس میں ایک ایسے وجود کا تعین ہو جاتا ہے جو بالکامحظف اور بے نظیر ہوتا ہے اور یہ زمانہ اس کی ساری عمر کے لیے مؤثر ہوتا ہے۔⁽¹⁾

عورت جب حاملہ ہو جاتی ہے تو اسی وقت وہ ماں بن جاتی ہے اور جو بچہ اس کے پیٹے میں پرورش پا رہا ہوتا ہے اس کے بارے میں وہ ذمہ دار ہوتی ہے۔ یہ درت ہے کہ باپ کا نطفہ قانون وراثت کے اتباد سے بچے کی جسمانی اور نفسیاتی شخصیت پر اثر رکھتا ہے

لیکن اس موجود زندہ کا مستقبل بہت زیادہ ماں کے اختیار میں ہوتا ہے ، باپ کا نطفہ بیج کی حیثیت رکھتا ہے اور ماحول کسی فرد کسی شخصیت کی پرورش پر بہت زیادہ اثر پذیر ہوتا ہے ۔ ایک دانشور لکھتا ہے :

بچے کے واریٹن کیلک ایب ماحول میں نشو و نما کر سکتے ہیں کہ جو اس کی بیعت اور مزاج کے لیے صحیح و سلامت ہو اور وہ اسے ایک خراب اور گندے ماحول میں بھی پروان چڑھا سکتے ہیں ۔ اور امر مسلم ہے کہ ایسا ماحول ایک انسان کی روح جاوداں کے رہنے کس جا ۔ نہیں ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ماں باپ انسانیت کی طرف سے سے بھاری ذمہ داری کے جا ہوتے ہیں ۔⁽¹⁾

ہر شخص کی سلاقی یا بیماری ، طاقت یا کمزوری ، خوبصورتی یا بدصورتی ، خوش اسو راوی یا بد اسو راوی اور خوش اخلاقی یا بد اخلاقی کس بنیاد ماں کے رم میں پڑتی ہے ۔ بچے کی خوش بختی یا بد بختی کی اساس ماں کے بطن میں ہی رکھی جاتی ہے ۔

رسول اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: ہر شخص کی سوت اور بد بختی اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب وہ ماں کے رم میں ہوتا ہے ۔⁽²⁾

دوران ح ایک نہایت حساس اور ذمہ داری کا زمانہ ہے ۔ ایک خاتون کہ جو اپنی اہم ذمہ داری سے واقف ہو وہ دوران ح ۔ کسو ایک معمولی زمانہ تصور نہیں کر سکتی اور اس سے بے پرواہ نہیں رہ سکتی کیونکہ اگر وہ تھوڑی سی بھی غفلت یا سہانگاری سے کام لے تو ممکن ہے اس کی اپنی صحت خراب ہو جائے یا اس کا بچہ ناقص ہو جائے ، یا بیمار پڑ جائے اور ہمیشہ کے لئے بد نصیب بن کر دنیا میں آئے ۔ اور ساری عمر آہ و زاری کرتا رہے ۔

1_ راز آفرینش انسان _ ص _ 108_

2_ بحار الانوار _ ج 77_ ص 133 نیز ج 77_ ص 115

ایک دانشور لکھتے ہیں :

ماں کا بدن اور پر انداز ہونے والے واقعات بچے کے پروان چڑھنے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور بچہ ماں کے بدن کی نسبت حساس تر ہوتا ہے چونکہ ماں کا بدن تو کھوپکا ہوتا ہے اور اسے ابھی تکمیلی کے مراحل طے کرنا ہوتے ہیں۔ لہذا ہر عورت کا یہ فریضہ ہے کہ اپنے بچے کے پہلے گھر کے لیے بہترین ماحول فراہم کرنے کی کوشش کرے اور ایسا وہ صرف اسی صورت میں کر سکتی ہے کہ جب اسے معلوم ہو کہ کون سی واقعات اور امور بچے کے رشد پر اثر انداز ہوتے ہیں صرف اس امر سے ڈرتے رہنا کہ بچے کا رشد معمول کے خلاف ہو بچے کی بھلائی کے لیے کافی نہیں ہے اور ان عوامل سے عفت کہ جو اس چیز کا باعث بنتے ہیں کہیں درد کس دوا نہیں بن سکتی۔ انسان کا رشد کس طریقے سے ہوتا ہے اور کس طریقے سے اس میں تبدیلیاں جنم لیتی ہیں اگر ماں اس سے واقف ہو تو وہ اپنی ذمہ داری ادا کر سکتی ہے بچے کی نشوونما کے لیے ولادت سے پہلے یا ولادت کے بعد اس کا ماحول کی ضمانت بھی ممکن نہیں البتہ قدر مسلم یہ ہے کہ تمام دارین یہ چاہتے ہیں کہ ایک سام اور صحت مند بچہ دنیا میں آئے یہ دارین اور گھر کے بڑے افراد کی ذمہ داری ہے کہ بچے کو صحیح و سالم دنیا لانے کی کوشش کریں۔ البتہ جہالت طبعی حوادث کو نہیں روک سکتی۔ اگر انسان کو یہ خبر نہ ہو کہ بچہ کس طرح نشوونما پاتا ہے تو یہ بے خبری آنے والوں کی بدبختی کا باعث بنتی ہے۔ دنیا میں بے نقص آتا ہے۔ انسان کا ہے (1)

جین کی سلامتی میں ماں کی غذا کا اثر

رم ماور میں بچہ ماں کے بدن کا کوئی باقائدہ حصہ نہیں ہوتا تاہم وہ ماں کے خون اور غذا سے ن پرورش پاتا ہے۔ ایک حاملہ خاتون کی غذا کا ہونی چاہیے جو ایک طرف تو خود اس کے بدن کی ضروریات پوری کر سکے تاکہ اس کی جسمانی طاقت اور تندرستی مین کسوئی کی توقع نہ ہو اور صحیح و سالم طریقے سے اپنی زندگی جاری رک سکے اور دوسری طرف اس کی غذا کو بچے کے جسم کس ضروریات کا بھی کفیہ ہونا چاہیے تاکہ وہ معصوم بچہ اچھے طریقے سے پرورش پا سکے اور اپنی اندرونی طاقتوں کو ظاہر کر سکے۔

بہذا ایک حاملہ عورت کا غذائی پروگرام سو چا سمجھا کسی حساب کے تحت اور مرتب ہونا چاہیے۔ کیونکہ ممکن ہے بعض وٹا مین یا غذائی مواد کی کمی سے ماں کی سلامتی خطرے میں چلے جائے یا بچے کی صحت و سلامتی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ جائے۔

اسلام کی نظر میں ماں کی غذا بہت اہمیت رکھتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ حاملہ عورت کہ جس کے اپنے لیے یا اس کے بچے کے لیے روزہ رکھنا باعث ضرر ہوا سے اجازت دی گئی ہے کہ ماہ رمضان کا واجب روزہ نہ رکھے! ر میں فضا کرے۔

ایک تحقیق کے مطاب دنیا کے اسی فیصد ناتواں نیت نیز کبریٰ اعصابی یا جسمانی ور پر کمزور بچوں کے نقص اور کمزوری کا سبب یہ ہے کہ رم ماور میں نہیں صحیح غذا نہیں ملی (1)

ڈاکٹر جزاڑی کہ جو ایک ماہر غذا ہیں لکھتے ہیں :

ماں اور جنین کی سلامتی اس غذا سے وابستہ ہے کہ جو ماں کے دوران میں کھاتی ہے (1)

مدتوں سے انسان کو اس بات کا علم ہے کہ جنین اور بچے کے رشد میں ولادت سے پہلے اور دودھ دینے کے دوران میں ماں کی غذا اثر رکھتی ہے۔ ماں کو چاہیے کہ تمام پروٹین 'وٹامن' 'کاربوہائیڈریٹس' 'رونیٹ اور دیگر در کا غذا کو اس زندہ سبب یعنی بچے کی نشوونما کے لیے فراہم کرے تجربات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ماں کے لیے ضروری ہے کہ وٹامنز کی وہ مخصوص مقدار جنین کے لیے مہیا کرے کہ جو زندہ غلیوں کے لیے ضروری ہے۔ اس طرح سے کہ جنین کے رشد کو یقینی بنا یا جاسکے کیونکہ مخفف دٹامنز کی کمی بچے پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہے کیونکہ وہ تو حالت رشد میں ہوتا ہے جب کہ ماں کی نشوونما تو مکمل ہو چکی ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ دورانِ ماں بالکل تندرست رہے جب کہ بچہ مخصوص وٹامنز کی کمی کا شکار ہو جائے اور اس کے نتیجے میں اس کے رشد کی حالت خلاف معمول ہو (2)

کرز کہتا ہے: بچے کے زیر طبعی ہونے کی وجہ سے بھی یہ ہوتی ہے کہ تخم تو لچھا ہوتا ہے لیکن اسے فضا اچھی میسر نہیں آتی اور بھس یہ ہوتا ہے 'تخم لچھا نہیں ہوتا جبکہ فضا اچھی میسر آجاتی ہے بہت سارے جسمانی نقائص مثلاً ہونٹوں کا پھٹنا، ہوا ہونا، آنکھیں چھوٹی اور رھنسی ہوئی ہونا اور پاؤں کے تلوے کا ہموار ہونا کہ جن میں پہلے موردِ ثی عواملی کا نتیجہ سمجھا جاتا تھا آجکا۔ اصولاً خصوصاً آکسیجن کی کمی جیسے عوامل

1_ اعجاز خورا، ص 220

2_ بیو گرافی پیش از تورس 182

کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے۔ ماحول اور فضا کو بہت سے پیداہشی نقائص اور بچوں کے اعضاء کے فالج ز وہ ہونے کی علت شمار کیا جاتا ہے۔ (1)

امام صادق علیہ السلام ایک حدیث میں فرماتے ہیں :

جو پ ماں کھاتی اور پیتی ہے بچے کی خوراک اسی سے بنتی ہے (2)

1_ روایتنامہ کورک ص 190

2_ بحار الانوار _ ج 60 _ ص 342

جبین کے اخلاق پر ماں کی غذا کا اثر

ایام^۱ میں ماں کی غذا کی کیفیت بچے کے اخلاق^۱ عقدا اور اسے راد تک پر بہت زیادہ اثر کرتی ہے کیونکہ بچے کے اعصاب اور اس کا مغز ماں کی غذا سے تیار ہوتا ہے اور ہر طرح کی غذا اپنا ایک خاص اثر رکھتی ہے۔ اسلام نے اس امر کی ہے کہ ماں کس غذا بچے کے اخلاق کی تعمیر میں نہایت موثر ہے۔ ہم نمونے کے ور پر چند احادیث پیش کرتے ہیں :

پیغمبر اکرم نے فرمایا: باؤں کو چاہیے کہ دوران^۲ کے آخری مہینوں میں کھجور رکھائیں تاکہ ان کے بچے خوش اخلاق اور سرد ہار رہوں (1)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حاء^۳ عورتوں کو تاکید کرو کہ بھی دانہ کھائیں تاکہ ان کے بچے خوش اخلاق ہوں (2)

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: بھی دانہ عقدا و دانائی کو بڑھاتا ہے (3)

1_ مستدرک ج 3 _ ص 113

2_ مستدرک ج 3 _ ص 116

3_ مکالم الاخلاق ج 1 _ ص 196

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے ارشاد فرمایا :

جو حاملہ عورت خربوزہ کھائے گی اس کا بچہ خوبصورت اور خوش اخلاق ہو گا۔ (1)

1_ مستدرک ج 2 _ ص 645

ماں کی غذا

یہاں ان مختلف قسم کی غذاؤں کے بارے میں تنقیر نہیں کر سکتے اور نہ ہی ان کے خواص اور آثار گنوا سکتے ہیں کیونکہ ایک دشوار اور مفہم بحث ہے۔ اور راقم اس میں ماہر بھی نہیں ہے خوش قسمتی سے اس سلسلے میں بہت سی مفید کتابیں لکھیں جا چکی ہیں۔ قارئین ان کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ برا نہیں ہے۔ مجموعی طور پر اس سلسلے میں بعض امور کی یاد دہانی کروادی جائے۔

اگرچہ حاملہ عورتوں کی غذائی ضروریات بڑھ جاتی ہیں لیکن یہ امر باعث افسوس ہے کہ ان میں کھانے کی طلب کم پڑ جاتی ہے۔ اور ان میں اکثر کی بیعت بوجہ یہ ہو جاتی ہے ایسی صورت میں انہیں کوئی کرنی چاہیے کہ ایسی کم حجم غذائیں کھائیں کہ جو غذائیت کے اعتبار سے کافی اور برپور ہوں۔ انسانی بدن کو جن غذاؤں کی ضرورت ہے وہ مختلف چیزوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ لہذا غذا میں تنوع رکھنے سے ایک عورت کے لیے بہترین غذائی پروگرام تشکیل دیا جاسکتا ہے۔ اس ضمن میں ایک ماہر لکھتے ہیں۔ "بدن کو صبح و شام رکھنے کے لیے نہ فقط کفایت غذا کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ چاہیے کہ غذا متنوع ہو اور مناسبت اور مرنیت اپنے آپ کو چاہیے کہ وہ صبح و شام کی غذا میں اضافی دامن اور مرنیت اپنے

ایک اور ماہر لکھتے ہیں:

ماں کو چاہیے کہ وہ صبح و شام کی غذا میں اضافی دامن اور مرنیت اپنے

جسم کو مہیا کرے تاکہ جنین اپنے سات مہینے کے رشد کے سفر میں اس سے استفادہ کر سکے اور اس سے نہ صرف دانت اور مسوڑھے بن سکیں بلکہ اس کی پیچیدہ ہڈیاں بھی نشو و نما پاسکیں۔⁽¹⁾

ڈاکٹر غیاث ارین جزائری لکھتے ہیں:

دن اور پتیر کا استعمال حالت^۲ میں عورت کو وٹامن اور خاص قسم کا خمیر مہیا کرتا ہے اور اسے اور اور کی دوسری چیزوں کے کھانے سے روکنے میں مفید ہوتا ہے۔ البتہ کھٹا دن استعمال کرنا حاملہ عورت کے لیے مفید نہیں ہے۔ باسی پتیر کا بھی کوئی مزہ نہیں ہے۔ ہر روز صبح ناشتہ کے ور پر ایک گلاس دودھ کا پینا حاملہ عورت کے لیے ضروری ہے۔ نیز آب جو کا خمیر اور دلیہ۔ بھی مفید ہے اور جوی، شیردان، دل کلیبی اور جگر میں وٹامن بی بہت زیادہ پایا جاتا ہے اور یہ مفید بھی ہیں۔⁽²⁾

بہت اچھا ہے کہ حاملہ عورتیں صحیح طریقے سے دودھ سے استفادہ کریں یہ غذا اس قدر مفید اور کا ہے کہ انبیاء کی باقاعدہ غذا رن ہے۔

حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: دودھ انبیاء کی غذا ہے۔⁽³⁾

ڈاکٹر غیاث ارین جزائری لکھتے ہیں: زیادہ تر عورتیں^۳ کے دوران کیشیم کی کن کی وجہ سے پاؤں میں درد، کمر درد، اور ناخنوں کے ٹوٹنے میں مبتلا ہوجاتی ہیں۔ لہذا حاملہ خواتین کو نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ ایسے پھل اور سبزیوں کھائیں کہ جن میں کیشیم زیادہ ہوتی ہے۔ اور اسی طرح

1_ بیوگرافی پیش از تور ص 80_

2_ اعجاز خورا یہا ص 223_

3_ بحار ج 66 ص 101_

مخنی اور آبلیمو کو فراموش نہ کریں (1)

عام لوگوں کے لیے اور خاص ور پر حاملہ خواتین کے لئے پی اور پکی سبزیاں اور مخنف پھ بہترین غذا ہیں۔ پسوے اور درخت غذائی مواد زمین، پانی، ہوا اور سورج کی روشنی سے حاصل کرتے ہیں اور ہمارے لئے غذا تیار کرتے ہیں۔ صحیح و سام غذا کے لئے تمام پھ مفید ہیں البتہ خاص ور پر مرکبات، سی، بھی دانہ، ناشپاتی، اور کھجور مفید ہیں لیکن ہر پھ میں تمام تر مواد غذائی نہیں ہوتا۔ ہر ایک کا اپنا خاص فائدہ اور تاثیر ہے۔ اسی طرح ہر سبزی کو اپنی خاصیت ہے۔ مخنف وٹامن اور مخنف قسم کا غذائی مواد مخنف پلوں، اناج اور سبزیوں میں پھیلا ہوا ہے۔ جو شخص اپنی صحت و تندرستی کا خواہش مند ہو اسے چاہیے کہ وہ مخنف پلوں اور سبزیوں سے اگر چہ بھی بھرا ہوا استفادہ کرے۔ خاص ور پر حاملہ عورتوں کے لئے ایسا کرنا مفید اور ضروری ہے۔ دین اسلام نے مہمانوں سے اور خاص ور پر حاملہ عورتوں کو تاکید کی ہے کہ وہ پلوں اور سبزیوں سے استفادہ کریں۔ نمونے کے ور پر چنر ایک روایت ذکر کی جاتی ہیں۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہر چیز کی کوئی نہ کوئی نہنت ہے اور سبزی دسترخوان کی نہنت ہے۔ (2)

ایک روز امام رضا علیہ السلام کھانے کے لیے بیٹھے دیکھا کہ سلاد موجود نہیں ہے خادم سے فرمایا: توجانتا ہے کہ میں سلاد کے بنیر کھانا نہیں کھانا مہربانی کر و اور سلاد بھی لے آؤ۔ اور جب سلاد آیا تو امام نے کھانا شروع کیا۔ (3)

پیغمبر اکرم (ص) نے فرمایا: بھی دانہ کھاؤ کیوں کہ بھی دانہ عقد کو بڑھاتا ہے، غم کو دور کرتا ہے اور بچے کو

1_ اعجاز خوراکیہا ص 224

2_ مصدرک _ جر 3_ ص 118

3_ مکلام الاخلاق _ جر 1_ ص 201

نیک کرتا ہے۔ (1)

پیغمبر اسلام (ص) نے فرمایا:

بہی دانہ کھاؤ اور اس اچھے پھ کو اپنے دوستوں کو ہدیہ کے ور پر دو۔ کیونکہ بہی دانہ آنکھوں کی بینائی کو زیادہ کرتا ہے اور دلوں کو مہربان کرتا ہے، حاملہ عورتیں بھی اس میوے سے خوب استفادہ کریں تاکہ ان کی اولاد نیک اور خوبصورت ہو۔ (2)

پیغمبر اکرم (ص) نے فرمایا:

حاملہ عورتیں آخری مہینوں میں کھجور کھائیں تاکہ ان کے بچے بردبار ہوں۔ (3)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: کھجور کھاؤ کیونکہ کھجور دردوں کی دوا ہے۔ (4)

اس طرح کی احادیث بہت سی ہیں۔ یہ چند حدیثیں نمونے کے ور پر ذکر کی گئی ہیں۔ آپ پ لوں اور سبزیوں کے خواص کتابوں میں پڑھیں اور اس کے مطا اپنے کھانے کا پروگرام تیار کریں۔ یا پ اس سے میں کسی غذا شناس ڈاکٹر سے مشورہ کریں۔

1_ مکلام الاخلاق، ج 1، ص 196

2_ مستدرک، ج 3، ص 116

3_ مستدرک، ج 3، ص 113

4_ مستدرک ج 3، ص 112

تمباکو نوشی

حاملہ عورتوں کو نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ سگریہ اور ہر طرح کی تمباکو نوشی سے بچیں۔ کیونکہ تمباکو نوشی نہ صرف ماں کی صحت کے لئے خطرناک ہے بلکہ اس کے برے اثرات ر م میں موجود بچے کے جسم اور اعصاب پر بھی پڑتے ہیں۔ اس ضمن میں ہم ایک نیر ملکی مے کے ایک مقالے کا خلاصہ نقل کرتے ہیں۔ اس کی طرف توجہ فرمائیے۔

ایک تحقیق جو سکلڈانیوین ممالک میں 6363 حاملہ عورتوں پر کی گئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو عورتیں سگریہ کی عادی ہیں ان کے بچوں کا اوسط وزن دوسرے بچوں کے اوسط وزن سے 170 گرام کم ہوتا ہے۔ وزن کی یہ کمی ان ماؤں کے 50 بچوں میں پائی گئی ہے۔ جب کہ دوسری طرف ان بچوں کا قد بھی دوسروں سے کم تر پایا گیا ہے۔ اسی طرح سے ان کے سر اور شانے بھی دوسرے بچوں سے چھوٹے ہوتے ہیں۔ ان بچوں کی موت بھی دوسرے بچوں کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ ان بچوں کے اعضا میں نقص بھی دوسرے بچوں کی نسبت کہ جن کی مائیں سگریہ کی عادی نہیں ہیں زیادہ ہوتا ہے۔ سگریہ کا استعمال ماں اور ر م میں بچے کے خون میں آکسیجن کی کمی اور کاربوکسی ہموگلوبین (1) کی زیادتی کا باعث بنتا ہے۔ سگریہ پینے والی ماں کے بچوں میں دل کی پیدائشی بیماری دوسری ماؤں کے

بچوں کی نسبت 0/0 50 زیادہ ہوتی ہے اعداد و شمار اس امر کا پتہ دیتے ہیں کہ تمباکو نوشی کرنے والی ماؤں کے بچے تعلیم میں اپنے ہم سن بچوں سے پیچھے ہوتے ہیں اور یہ عموماً مانگی دوران سگریٹ نوشی کی مہر کے مطابقت ہوتی ہے کیونکہ سگریٹ بچے کے مغز کے خلیوں کی کمی کا باعث بنتی ہے۔ یہ تو ان نقصانات کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے کہ جو سگریٹ نوشی سے ماؤں اور نوزاد بچوں کو پہنچتا ہے۔ شاید اس کے اور بھی بہت سے عوارض اور پہلو ہیں کہ جو ابھی نا شناختہ ہوں۔ لہذا وہ ماؤں جو اپنی اور اپنے بچوں

کی صحیح و سالم زندگی کی خواہش رکھتی ہیں انہیں نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ تمباکو نوشی سے اجتناب کریں (1)

ڈاکٹر جزائی لکھتے ہیں: تمباکو نوشی ماں کے لیے نقصان دہ ہے اور رملار میں موجود بچے کے لئے الکلی مشروبات بھی حاملہ عورتوں کے لیے نیر معمولی اور پر خطر ناک ہیں۔ اس بات سے صرف نظر کہ الکلی جو زہر پیدا کرتی ہے ان وٹامنز کو بھیس تباہ کر دیتی ہے کہ جو ماں اور اس کے بچے کی ضرورت ہوتے ہیں اور اولاد ناقص النقص اور عیبار دار ہو جاتی ہے تمباکو نوشی اور تیز

چائے بھی حاملہ عورتوں کے لیے نیر معمولی اور پر ضرر رساں ہیں (2)

ڈاکٹر جلالی لکھتے ہیں: الکلی، چرس اور دیگر تمام مہشیات انسان کے خون میں شامل ہو جاتی ہیں اور یہی خون جنین کے گروہو ہوتا ہے اور نتیجتاً اس کے رشد و نمو پر اثر کرتا ہے یہاں تک کہ بعض ماہرین کا نظریہ ہے کہ عورتوں کی تمباکو نوشی سے جنین کا دل متاثر ہوتا ہے اور دل کی دکن کو تیز کرتا ہے (3)

1_ مکت اسلام _ سال 15 _ شمارہ 6

2_ اعجاز خورا بہا ص 215

3_ روایتی کورک ص 222

اگر حاملہ خاتون بیمار ہو جائے

اگر حاملہ عورت بیمار ہو جائے اور اسے دوا کی ضرورت پڑ جائے تو دوا کے استعمال میں میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے کیوں کہ یہ دو زیادہ تر بڑی عمر والوں کے لیے تیار کی جاتی ہے اور جب عورت اس سے استفادہ کرتی ہے تو نشانیوں کہ وہ اس کے پیچھے میں جا کر بچے کے بدن ک جا پہنچتی ہے اور اس پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ کہا نہیں جا سکتا کہ بچے پر وہ کیا اثر ڈالے۔ بحر حال کوئی بھی دوا پیچھے میں موجود بچے کے لئے بے اثر نہیں ہوتی لہذا حاملہ خاتون کو نہیں چاہیے کہ بے سوچے سمجھے نتیجے کو ملحوظ رکھے! پیچھے دوا استعمال کرے اور جب تک ضرورت تقاضا نہ کرے دوا استعمال نہ کرے۔ ثانیاً اگر ناچار ہو جائے تو لازمی اور پر ڈاکٹر کو بتائے کہ میں حاملہ ہوں کیا یہ دوا میرے بچے کے لیے تو ضرر رساں نہیں لہذا کسی لاء ڈاکٹر کے مشورے سے ضروری مہر میں دوا کھائے۔

البتہ اگر بیماری کوئی اہم ہو تو چاہیے کہ اپنی سلاقی اور بچے کی حفاظت کے لئے ڈاکٹر کی طرف رجوع کرے کیونکہ وہ بیماری نہ صرف ماں کے لیے نقصان وہ ہو سکتی ہے بلکہ ممکن ہے بچے کی سلاقی کو بھی خطرے میں ڈال دے۔

ایک ماہر لکھتے ہیں :

ممکن ہے کہ بعض وائرس () اور مائیکروب () میاں بیوی سے گزر کر م ماں میں موجود اپنا دفاع نہ کر سکیں والے بچے پر حملہ آور ہو جائیں اور اسے بھی اسی بیماری میں مبتلا کر دیں (1)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :

ماں کی غذائی کیفیت میں تبدیلی اور جو دو اہل استعمال کرتی ہے نیز جن بیماریوں سے وہ دو چار ہوتی ہے یہ جنین پر اثر انداز ہوتی ہیں ابتدائی دنوں میں ر م مادر میں بچے میں پیدا ہونے والی چھوٹی سی خرابی بڑے ہوتے ہوئے بہت زیادہ اثرات مرتب کرتی ہے اس بنیاد پر دوران ⁷ اپنی صحت کی حفاظت کے سلسلے میں خواتین پر خاص ذمہ داری عائد ہوتی ہے یہاں تک کہ ان کے ⁷ ٹھہرنے کی للاحیت کے ضائع ہونے کا احتمال ہے (1)

وہ یہ بھی لکھتے ہیں :

بہت سے غیر غذائی مواد بھی ایسے ہیں کہ جو ماں باپ سے گزر کر بچے پر اس طرح سے اثر انداز ہو سکتے ہیں کہ اس کی نشو و نما پر منفی اثر ڈالیں۔ زیادہ تر دوائیاں جو عموماً استعمال کی جاتی ہیں وہ بالغ افراد کی تندرستی کے لیے مبنی ہوتی ہیں یعنی ان کا تجربہ پورے (کا) انسان پر کیا جاتا ہے۔ ڈائریس ، بیکٹیریا یا اور تمام جراثیم کہ جو ماں کے بدن میں ہوتے ہیں بعض اوقات بچے کو بھی اس بیماری میں مبتلا کر دیتے ہیں یا بعض اوقات بچے کی نشو و نما کو خراب کر دیتے ہیں اور بچہ غیر معمولی در پر بڑا ہونے لگتا ہے (2)

1_ بیو گرافی پیش از تور ص 48

2_ بیو گرافی پیش از تور ص 183

ماں کی نفسیات کا جین پر اثر

ماہرین کے درمیان یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ کیا ماں کی نفسیاتی کیفیت جینیت کی روح پر اثر انداز ہوتی ہیں یا کہ نہیں؟ بعض ماہرین کہتے ہیں کہ ماں اگر شدید خوف اور اضطراب سے دوچار ہو تو ر م ماں میں موجود بچے پر بھی اس کا اثر ہو گا اور ممکن ہے کہ وہ بھی ڈیپلوک بن جائے اور اسی طرح ماں کا حسد اور کینہ بھی جین کی روح پر اثر ڈالتا ہے اور ممکن ہے یہ دو صفتیں اس کی طرف منتقل ہو جائیں۔

اس کے برعکس خوش خلقی، انسان دوستی، ایمان، شجاعت اور مہر و محبت کہ جو ماں میں موجود ہو بچے کی ماں کا ایک حقیقی عضو ہوتا ہے لہذا جین کی نفسیاتی کیفیت اور انکار اسکے اپنے جسم پر اثر انداز ہوتے ہیں اسی بات کو رد کر دیا ہے اور اس امر کے غلط ہونے کو ثابت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ دورانِ ح کے انکار اور اس کی نفسیاتی کیفیت ممکن نہیں ہے کہ مستقیم بچے کے اعصاب اور نظریات پر اثر انداز ہو۔

ڈاکٹر جلالی لکھتے ہیں:

ماں اور جین کے درمیان مستقیم ربط نہیں ہے۔ ماں اور بچے کے درمیان رابطہ ناف کے ذریعے سے ہے اور اس ناف میں کوئی اعصاب نہیں ہیں کہ جو اس لہ اعصاب کو ہدایت کرے بلکہ بند ناف میں خون کی رگیں ہوتی ہیں لہذا

جیسا کہ گزشتہ لوگوں کو خیال رہا ہے کہ اعصاب اور ہیجانی کیفیت بچے پر اثر انداز ہوتی ہے ایسا نہیں ہو سکتا۔⁽¹⁾ البتہ اس دانشور کے ساتھ ہے اور یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ حاملہ عورت کے انکار اور نفسیاتی کیفیت بلا واسطہ بچے کی روح اور اعصاب پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ البتہ یہ بات بھی درست نہیں کہ کوئی یہ کہے کہ ماں کے انکار اور جذبات بچے پر بالکل اثر انداز نہیں ہوتے بلکہ اس پر بچے کے اخلاق اور نظریات پر انداز نہیں ہوتے۔ اس بات کی وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل تین نکات کی طرف توجہ فرمائیں۔

1۔ انسان کی روح اور جسم ایک دوسرے سے مربوط اور وابستہ ہے۔ انسانی جسم کی بیماری اور صحت، اور اعصاب اور جسمانی ترویج کی قوت اور کمزوری یہاں تک کہ بھوک اور سیری انسان کے طرز تفکر اور اس کے اخلاق پر اثر انداز ہوتی ہے انسان کی اخلاقی شخصیت اس کے خاص مزاج اور اس کے اعصاب اور مغزی کی تعمیر کے انداز سے کسی حد تک وابستہ ہے۔ روح سام بدن سام میں ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ غذا کی کمی یا فتران اعصاب اور مغز کو برے اخلاق اور ہیجانی کیفیت کے ظہور پر ابھارے۔

2۔ جنین اسی غذا سے استفادہ کرتا ہے کہ جو ماں کے اندرونی نظام میں تیار ہو کر اس تک پہنچتی ہے۔ بچہ جب تک رحم مادر میں زندگی گزارتا ہے غذا کے اتہار سے ماں کے تابع ہوتا ہے۔ ماں کی غذا کی کیفیت بچے کی جسمانی اور نفسیاتی پرورش پر بھی اثر انداز ہوتی ہے ڈاکٹر جلالی لکھتے ہیں: جو چیز بھی ماں کی سلاقی کے لیے مؤثر ہے وہ جنین کی سلاقی کے لیے مؤثر ہے اگر ماں کی غذا میں کیشیم کی کمی ہوگی تو بچے کی ہڈیوں اور دانتوں کی تعمیر پر اثر انداز ہوگی۔⁽²⁾

1۔ روان شناسی کودک ص 188۔

2۔ روان شناسی کودک ص 422۔

3- یہ بات یقینی اور پر ثابت ہو چکی ہے کہ انسان کا شدید اضطراب اور ہیجان اس کے سارے بدن بشمول اس کے نظام ہضم کے اثر انداز ہوتا ہے۔ رنج و غم کی زیادتی یا خوف کی شدت کھانے کی طلب کو کم کر دیتی ہے اور غذا صحیح اور پر ہضم نہیں ہوتی۔ نظام ہضم خراب ہو جاتا ہے، منظم اعصاب بگڑ جاتا ہے اور غدودوں کے معین اور طبعی نظام میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔

ان تین مہارت کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ماں کے انکار اور روحانی کیفیت اگر مستقیماً بچے کے اعصاب اور مغز کی طرف منتقل نہیں ہوتیں تاہم ان امور کا تعلق ماں کے نظام ہضم سے ہے اور بچے کی خوراک کا تعلق ماں کے نظام ہضم اور غذائی کیفیت سے ہے اور یہ کیفیت بچے کی روح اور مستقبل کی شخصیت پر انداز ہوتی ہے اس لحاظ سے یہ قطعی اور پر کہا جا سکتا ہے کہ ماں کی نفسیاتی کیفیات اور انکار بدون شک بچے کی روح نفسیات پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اس کی تعمیر شخصیت میں مؤثر ہیں۔

ماں کا شدید غصہ یا اضطراب یا شدید خوف اس کے عمومی مزاج اور نظام ہضم کو دگرگوں کر دیتا ہے اس کے اعصاب اس کے باعث خراب ہو جاتے ہیں۔ یہ غیر معمولی کیفیت صحت ماں کے جسم و جان کے لیے باعث ضرر ہے اسی طرح کے م میں موجود بچے کی غذائی کیفیت کے لیے خرابی کا سبب ہے۔

ممکن ہے اس صورت میں بچے کے اعصاب اور مغز ایک ایسی نفسیاتی بیماری میں مبتلا ہو جائیں کہ جو بار بار میں ظاہر ہو۔
ڈاکٹر جلال لکھتے ہیں:

ماں کو پیش آنے والے شدید ہیجانی کیفیات اور ناراحت کر دینے والے امور مہم ماں کے مزاج اور رشد کے لیے باعث ضرر ہیں۔ چونکہ اس طرح کی کیفیات نظام کو خراب کر دتی ہیں اور غیر بیجی غدود پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کے باعث نظام ہضم اپنا کام صحیح طور پر انجام نہیں دے سکتا۔ شاید یہی ایک وجہ ہو کہ بچہ جو اعصاب رکھتا ہے اور بہت سی نفسیاتی بیماریاں اس میں پیدا ہوسکتی ہیں انہیں

ہیجانی

کیفیت کی وجہ سے ممکن ہے ایام ۷ ن میں بچہ ضائع ہو جائے۔⁽¹⁾

ایک حاملہ خاتون کہ جو جسم اور روح کے اتباد سے بالک سکون میں ہو۔ خوش و خرم، با ایمان ہو، انسان دوت ہو، مہر و محبت سے بسر کرنے والی ہو، سام جسم اور پاک روح کی حا ہو تو اس کے رم میں زندگی گزارنے والا بچہ بھی جسم و جان کے اتباد سے پر سکون ہوگا۔ ایسا پر امن اور سام ماحول بچے کی پرورش، جسمانی نشو و نما اور روحانی شخصیت پر بہت زیادہ اثر انداز ہوگا، اس کے برعس ایک بے ایمان، حاسد، کینہ پرور، غصیلی، ڈرپوک، پریشان حال اور نفسیاتی مریض ماں بچے کے نظام غذا کو تباہ کر دے گی، اس کی روحانی آرام کو ختم کر دے گی، اس کے لیے برے اخلاق اور نفسیاتی بیماریوں کے لیے فضا سازگار بتلاے گی۔

اس ضمن میں

"ماہرین نفسیات نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ نفسیاتی امراض میں مہلا 66 فیصد بچے یہ بیماری ماں سے وراثت میں پاتے ہیں چنانچہ۔ اگر ایک ماں صحیح و سام ہو تو اس کا بچہ بھی ایک صحیح و سام نظام اعصاب کا حا ہوگا۔ اگر کوئی عورت چاہے کہ اس کا بچہ صحیح و سام، شاداب اور عقلی قوتوں کے اعباد سے بے نقص ہو تو اسے چاہیے کہ بچے کی ولادت سے پہلے اپنی سلاقی کے بارے میں فکر کرے۔"⁽²⁾

"ماحول کے عوا بچے کے جسمانی اور نفسیاتی رشد و تکا پر اثر انداز ہوتے ہیں۔"⁽³⁾

1_ روان شناسی کودک ص 223۔

2_ اللغات، شماره 10355، کودک ج 1 ص 119۔

3_ بیوگرافی پیش از تور ص 125

حاملہ خواتین کو ایک نصیحت

حاملہ خواتین کو نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ بھاری چیزوں کے اٹھانے، زیادہ سخت کام کرنے اور تھکاوٹ والے امور سے اجتناب کریں۔ کیوں کہ ماں کے لیے تھکاوٹ والے امور بچے کے امن و آرام کو بھی درہم برہم کر دیتے ہیں اور اس کے لئے بھیس ناراضی کا سامان بنتے ہیں یہاں تک کہ ممکن ہے ایسے کاموں کی وجہ سے ⁷ ساقط ہو جائے۔

⁷ کے آخری مہینوں میں عورت کے لیے سفر ضرور سہا ہوتا ہے۔ اگر اہم مسئلہ نہ ہو تو بہتر ہے کہ سفر ترک کر دیا جائے۔ البتہ بلکہ پالکے ازال اور چھوٹی موٹی ذالیت نہ صرف یہ کہ باعث ضرر نہیں ہے بلکہ ماں اور بچے ہر دو کی صحت و سلاقی کے لئے مفید ہے۔

ڈاکٹر جلالی لکھتے ہیں :

ماں کی زیادہ خستگی خون میں زہریلے مواد کا موجب بنتی ہے اور چونکہ یہی خون جنین کی غذا بھی بنتا ہے لہذا بچے کی نشو و نما پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ⁽¹⁾

صاف ستھری فضا

رم مادر میں نفو و عملانے والا بچہ آکسیجن کا احتیاج مند ہوتا ہے۔ البتہ جمین خود سانس نہیں لیتا اور بلا واسطہ ، کلمی ہواسے استفادہ نہیں کرتا بلکہ اس آکسیجن سے استفادہ کرتا ہے کہ جو ماں کے تنس کے ذریعے مہیا ہوتی ہے۔ ماں نہ صرف اپنے بسرن کس ضرورت کے مطا۔ آکسیجن فراہم کرتی ہے بلکہ جمین کی ضرورت کو بھی پورا کرتی ہے۔ اگر ماں صاف ستھری اور اچھی ہو تو سانس لے گی تو ہنی سلاقی کی بھی حفاظت کرے گی اور بچے کی بھی سلاقی اور پرورش کے لیے مددگار ثابت ہوگی۔

لیکن اگر وہ گندی اور زہریلی ہو تو سانس لے گی تو ہنی اور بچے دونوں کی صحت کو نقصان پہنچائے گی۔ لہذا حاملہ خواتین کو نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ کوشش کریں کہ صاف ستھری ہو ہے استفادہ کریں۔ صاف فضا میں چلیں اور گہرا سانس لیں۔ اس طرح تھکاوٹ والی شہ بیداری سے بھی سختی سے اجتناب کریں۔

انہیں یہ بھی چاہیے کہ تمباکو نوشی سے بچیں۔ اور مسموم فضا میں سانس لینے سے اجتناب کریں۔ سوتے ہوئے کمرے کی کسی کسی رکھیں تاکہ تازہ ہوا داخل ہو سکے کیونکہ آکسیجن کی کمی ممکن ہے بچے پر ناقص اثر ڈالے۔

ڈاکٹر جلالی کا وہ پیراہم پر آپ کی توجہ کے لیے نقل کرتے ہیں جو قبضہ ازیں آپ کی نظروں سے بھی گزر چکا ہے۔ جسم کے بہت سے نقائص مہلا ہونٹوں کی خرابی، پاؤں کے تلوے کا سیدھا ہونا یہاں تک کہ آنکھوں کا بہت چھوٹا ہونا کہ جنہیں پہلے موروثی سمجھا جاتا ہے آج ، ماحول بانصوب دوران آکسیجن کی کمی جیسے عوام کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے۔⁽¹⁾

اسقاط

اسلام کے فقہاء نے نظر سے عورت اور مرد کی باہمی رضامندی سے اسقاط کرنے کو روکنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اگر بیوی اور شوہر اولاد کی خواہش نہ رکھتے ہوں تو پر وہ ضرر گولیوں، ٹیکوں یا انزال و نیرہ کے ذریعہ اسقاط کرنے کو روک سکتے ہیں۔ البتہ بچے کی پیدائش سے پہلے اس کو روکنا اسلام کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ اسلام کی خواہش ہے کہ مہمانوں کی نجات جتنی بھی ہو سکے پھولے پالے۔ لیکن بہر حال ایسا کرنا حرام نہیں ہے لیکن جب زوار اور مادہ سیرت کی پاکر عورت کے رحم میں ٹھہر جائیں اور ایک زندہ موجود وجود ہو۔ مہمان آجائے تو وہ اسلام کی نظر میں محترم ہے اور زندگی کا رکھتا ہے۔ وہ نیا موجود اگرچہ بہت چھوٹا کیوں نہ ہو۔ صلاحیت کے اعتبار سے انسان ہے، وہ ایسا موجود زندہ ہے کہ بڑی تیزی کے ساتھ اور حتیٰ در پر نیر معمولی طریقے سے کمالات انسانی کسی طرف رواں دواں ہے۔ وہ ننھا منا سا موجود جو کہ اتنی نیر معمولی اسرار رکھتا ہے ہنسی مہربان ماں سے امید رکھتا ہے کہ وہ اس کے لیے پر امن ماحول فراہم کرے گی تاکہ وہ پرورش پاکر ایک کامل انسان بن سکے۔ اگر اس بالیقات اور باشراف وجود کو تو نے اسقاط کر دیا اور اسے قتل کر دیا تو تم قاتل قرار پاؤ گی اور اس برے عمل کے ارتکاب کی وجہ سے قیامت کے دن تہماری باز پرس کی جائے گی۔

دین مدرس اسلام کہ جو تمام لوگوں کے حقوق کا نگہبان ہے اس نے اسقاط اور اولاد کشی کو کلی طور پر حرام قرار دیا ہے۔ اسحاق بن عمار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت موسیٰ (ع) بن جعفر (ع) کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ عورت جو حاملہ ہونے سے ڈرتی ہے کیا آپ اسے اجازت دیتے ہیں کہ

رہ دراکے ذریعہ گراوے۔ آپ (ع) نے فرمایا:

نہیں میں ہرگز اس چیز کی اجازت نہیں دیتا۔

راوی نے پُر کہا: ابتداء دور کہ جب ابھی نطفہ ہوتا ہے، اس وقت کے لیے کیا حکم ہے؟

فرمایا: انسان کی خلقت کا آواز اسی نطفے سے ہوتا ہے۔⁽¹⁾

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: **و اذا الموءدة سئلت**۔ **بای ذنب قتلت**

یعنی۔ قیامت کے دن ماں باپ سے پوچھا جائے گا کہ تم نے کس جرم میں اپنے بے گناہ بچے کو مار ڈالا؟ (تکویر۔ 8،9)

اسقاط نہہمت برائے ہے کہ جس سے اسلام نے روکا ہے۔ علاوہ انہیں یہ کام ماں کے جسم و جاں کے لیے بھیس باءث ضرر

ہے۔ ڈاکٹر پاک نادر نے اسقاط کے بارے میں معترضہ ایک کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

... یہ ثابت ہوا ہے کہ اسقاط اوسط عمر میں کی کر دیتا ہے نیز سائنسی تقییر کے مطابقت اسقاط عورتوں کے نفسیاتی اعترال کو

تباہ کر دیتا ہے۔⁽²⁾

1951ء سے 1953ء تک کے نیویارک کے اعداد و شمار کے مطابقت 2601 عورتوں کی وفات اسقاط کی وجہ سے ہوئی دس

سال کے دوران میں اس تیرا میں 4 1261 کا اضافہ ہوا۔ چکی میں 1963ء کے ریکارڈ کے مطابقت 39 عورتوں کا اختفـال اسقاط

کی وجہ سے ہوا۔

1_ وساء الشیر، ج 19، ص 15

2_ مکتب اسلام سال 13، شمارہ 8

استقاط^۷ کا ایک بہانہ فقر و تنگ دستی بھی قرار دیا جاتا ہے۔ بعض نادان ماں باپ فقر و غربت کے بہانے سے اپنے بے گناہ بچوں کو ضائع کر دیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ فقر و تنگ دستی ایک بڑی مصیبت ہے اور بہت سارے خاندان اس میں مبتلا ہیں اور اس سے برداشت کرنا بہت مشکل کام ہے۔ لیکن اسلام اسے بچہ ضائع کرنے کا عذر قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ آخر بے گناہ بچے کا کیا

قصور ہے کہ ماں باپ اسے حیات سے محروم کر دیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے :

ولا تقتلوا اولادکم خشية اطلاق نحن نرزقہم و ایاکم ان قتلہم کان خطا کبیراً

ہنی اولاد کو مفحسی کے خوف سے قتل نہ کرو ہم ہیں کہ جو تمہیں اور انہیں روز دیتے ہیں۔ اولاد کو قتل کرنا یقیناً ایک بہت بڑا گناہ

ہے۔ بنی اسرائیل۔ آیہ 31

اب جب کہ ایک انسان کا نطفہ ٹرپکا ہے ماں باپ کو چاہیے کہ سختی کو برداشت کریں ممکن ہے یہی بچہ ایک مومن اور عظیم شخصیت بن جائے کہ ماں باپ اور مائثرہ جس کے وجود سے استفادہ کریں۔ ممکن ہے اچھے کے وجود کی برکت سے خاندان کسی اقتصادی حالت بھی بہتر ہو جائے یا اس کے ذریعے سے فقر و تنگ دستی سے نجات مل جائے۔

اس کے علاوہ بھی نئی بہانے پیش کئے جاتے ہیں۔ مثلاً گر سے باہر کی مشمولیات، دفتر کی مصروفیات یا بچوں کی کثرت و نیزہ لیکن یہ ایسے عذر نہیں ہیں کہ ان کی وجہ سے شریعت یا عقائد اس برے عہد کو جائز قرار دے دے۔

استقاط^۷ نہ یہ کہ اسلام کی نظر میں ایک برا اور حرام^۸ ہے بلکہ اس بڑے گناہ کے لیے کفارہ بھی مقرر کیا گیا ہے کہ جو جنائین کی عمر کے اختلاف کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں اگر ساقط شدہ بچہ نطفہ ہو تو اس کا خون بہسونے کے بیس دینا رہے، اگر علقہ اور لوت^۹ ہو تو سونے کے چالیس دینار، اگر مضہ^{۱۰} اور گوشت کی حد تک پہنچا ہو تو سونے کے ساٹھ دینار، اگر اس میں ہڈی بن گئی ہو تو سونے کی اس

دینار،

اگر وہ انسان کی صورت اختیار کر چکا ہو تو سونے کے سودینار اور اگر اس میں روح بھی پیدا ہو چکی ہو تو اس کی دیت ایک کا انسان کی دیت ہوگی۔ (1) خاتم افسر الملوک عالی نے اس بارے میں ایک خوبصورت نظم کہی ہے:

بختاب آمد مرا طفہ جینی-----بگو ماو رخطا از من چه دیدی
بگفتا مادرم را گر به بینی-----کہ به جرمم به خونم درکشیدی
درونت کودکی آرام بودم-----بخونم چنگ و دندان تیز کردی
جا محکوم برا عدم بودم؟-----نه خون دلمان خود، لبریز کردی

بدم تازه رسیده بیہمانت

نه آسہی رسید از من بجات

به مہمان بایدت مہمان نوازی

نه بیرحمانہ اش نابودسازی

تو نکر خرج و برزم را نمودی

ز جسم کو چکی جان در ربودی

مرا روزی بہمرہ بود مادر

ولی افسوس نمودی تو باور

تو گردش را به من ترجیح دای

اساس ظلم در عام نہادی

امید کودکان بر ما باشد----- امید بود و دینت را ببینم
چو مادر باشدش آرام باشد----- گلی از گلش حسنت بچینم
ولی بخوات پستانت زنت چنگ----- دم می خوات از شیرت بو شتم
غمت بیرون نماهم از دل تنگ----- صدای مادرم آید بگو شتم
امیدم بود بخندم بینی----- امیدم بدوستانم فرستی
کنار تختخوانم خوش نشینی----- دهی تعلیم ، درس پرستی

بیایم از در دوشادوت نماهم

سرود کودکان بهرت سرایم

امیدم بودگروم من جوانی

زمان بیبریت قدرم بدانی

زمان بیبریت غم خوار باشم

بهر کاری بر لبت یاد باشم

من لبتک روح پاکم در جنان ات

مکانم در جوار حوریان ات

کنون کن توبه ، استغفار ، شاید

خدای مهربان رحمت نماید

تمنا دارد و افسر از توانی

نظم کا ترجمہ :

چھوٹا سا سقط شدہ بچہ میرے خواب میں آیا اور بولا میری ماں کو دیکھو تو اس سے کہو
امی تو نے میری کیا خطا دیکھی تھی کہ بے جرم ن تو نے میرا خون بہلایا۔
میں تو بچپن میں آرام سے رہتا تھا میرے قتل کا حکم کب سرزد ہو گیا۔
میرے خون پر تو نے اپنے پنجے اور دانت تیز کئے۔ اور اپنے دامن کو میرے خون سے آلودہ کر لیا۔
میں ابھی تیرے پاس تازہ مہمان آیا تھا اور مجھ سے ابھی آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ چاہے کہ آنے والے مہمان کس مہمان
نوازی کی جائے نہ کے بے رحمی سے اس کا کام تمام کر دیا جائے۔
تجھے میرے بارے میں خرچ کی کر میں تھی لہذا تو نے میرے ننھے سے جسم سے جان نکال دی۔
ماں میں تو اپنی روزی سات لے کر آیا تھا لیکن افسوس کہ تجھے اس کا یقین نہ آیا۔
تو نے گھومنے پرنے کو مجھ پر ترجیح دی اور دنیا میں ظلم کی بنیاد ڈالی۔
بچوں کی امید تو ماں ن ہوتی ہے۔ اور جب ماں کے پاس ہو تو وہ سکا پھین سے ہوتے ہیں۔ مجھے تمنا تھی کہ میں تیرے چہرے کو
دیکھوں اور میں بھی تیرے گلشنِ حسن سے ایک پھول چنوں۔ میرا دل چاہتا تھا کہ میں تیرے پستان سے دودھ پیوں اور یوں تیرے دل کا
غم دور کروں۔ میری آرزو تھی کہ تیرا دودھ پیوں اور تیری آواز میرے کانوں میں پڑے۔ آرزو تھی کہ تو مجھے مدرِ پختی، مجھے
تعلیم دیتی اور پرستی کا درس پڑھاتی۔ میں گر آتا اور تجھے خوش کرتا اور بچوں والے گیت تجھے سنتا۔

خیال تھا کہ جب میں جوان ہو جاؤں گا تو پَر تجھے اپنے بڑھاپے میں میری قدر معلوم ہوتی۔ تیرے بڑھاپے میں میں تیرا غم خوار ہوتے اور ہر کام میں تیرا مددگار بنتا۔ میں کہ ایک پاک روح بن کر اب جنت میں ہوں اور میرا مقام یہاں حوروں کے جوار میں ہے اب تو توبہ اور استغفار کر کہ شاید خدائے مہربان اپنی رحمت کرے۔

اے افسر سیریؑ۔ سے یہ تمنا ہے کہ تو میرا یہ پیمانہ تمام ماؤں تک پہنچا دے۔

پیدائش کی مشکلات

بچہ عموماً 9 ماہ اور دس دن درہناتا ہے۔ ولادت سے۔ ولادت سے پہلے کی زندگی نہایت حساس اور پر خطر ہوتی ہے کیوں کہ بچہ کا مستقبل اسی سے وابستہ ہوتا ہے۔ بچہ اس عرصے میں ایسے محیط میں زندگی گزارتا ہے کہ جس کا نظم و نسق اس کے اپنے ہاتھ میں نہیں ہوتا اور وہ دسیوں قسم کے جسمانی اور روحانی خطروں میں گرا ہوتا ہے اور خود انہیں دور کرنے کسی اس میں طاقت نہیں ہوتی جب اس مرحلے سے جان سام لے کر آجائے اور نو ماہ کی نطفہ ناک مسافرت کو تمام کر بیٹھے تو اب ناچار ہے کہ ایک اور دشوار مرحلے کا آغاز کرے اور یہ مرحلہ پیدائش کا ہے۔ بچے کی پیدائش کا مرحلہ ایسا سادہ اور معمولی سا نہیں بلکہ نہایت دشوار اور حساس ہے۔

بچہ نو ماہ اتنا بڑا ہو جاتا ہے، خاص طور پر دیگر اعضاء کی نسبت اس کا سر بڑا ہو چکا ہوتا ہے کہ اس سے ناچار ایک نئے سخت مرحلے سے گزرنا ہوتا ہے۔ اس تنگ مقام تو ر سے باہر آنا انسان کی پوری زندگی میں انجام پانے والے کسی بھی سفر سے خطرناک تر ہے۔ ممکن ہے بچہ پس جائے یا اس کی کوئی ہڈی ٹوٹ جائے۔ ممکن ہے اس کی نازک اور ظریف ہڈیاں کہ جو ابھی پختہ نہیں ہوئی ہیں، ان پر دباؤ پڑ جائے جس سے بچے کے اعصاب اور مغز کو نقصان پہنچے۔

ایک ماہر لکھتے ہیں:

پیدائش کا مرحلہ ممکن ہے کہ بچے میں دائیں لیکن نیر مرئی قسم کے نفسیاتی نقائص پیدا ہونے کا باعث بنے۔ نفسیاتی بیماریوں کے ماحول کے نزدیک پیدائش کے عرصے کو انسان کی پوری زندگی میں ماہریت کے لیے ایک مؤثر عامل شمار ہوتا ہے ان ماہرین

کی نظر میں پیدائش ایک انقلابی تبدیلی کا نام ہے کہ جو بچے کے ماحول اور زندگی میں پیدا ہوتی ہے اور اچانک وہ خاص قسم کی آسودگی اور آرام جو جنین کی زندگی میں اسے حاصل ہوتا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ ان کی نظر میں پیدائش کے موقع پر خوف اور اضطراب انسان کی نفسیات کا حصہ بن جاتا ہے اور انسان کی آئندہ زندگی ہمیشہ نا معلوم یادوں کے آزار کے تحت گزرتی ہے۔ زندگی کا ایک پسر آرام دور جنین کا اور پسر مستحق زندگی کی طرف نہایت مشکل عام میں ورود (1)

جب بچہ دنیا میں آتا ہے تو عموماً چند گھنٹے وہ ایک دباؤ کے تحت رہتا ہے اور سے زیادہ مشکل سے اس کا سر دو چار ہوتا ہے کہ۔ جو اس کے بدن کے تمام تر اعضاء میں سے سے بڑا ہوتا ہے اگر پیدائش میں معمولی طریقے سے ہو تو دنیا میں آنے کے مرحلے اور بھی سخت تر ہو جاتے ہیں اور بچہ عام حالات کی مشکلات برداشت کرنے کے علاوہ میکاباتی آلات کی مصیبت بھی برداشت کرتا ہے اور زیادہ تر بچوں کا ضلع ہو جانا یا پیدائش کے تھوڑی مدت میں ان کا مرجانا ایسی مصیبتوں اور مشلوں کے باعث ہوتا ہے فاج اور دیوانگی و نیرہ جھٹ ہدنی اور ذہنی نقائص جو بچوں میں دکھائی دیتے ہیں عموماً ایسی مصیبتوں کا باعث ہوتے ہیں جو دنیا میں آتے وقت آن پر وارد ہوتی ہیں (2)

بنا برس پیدائش کا مرحلہ ایک معمولی اور نیر اہم مرحلہ نہیں بلکہ ایک دشوار اور قابل توجہ ہے کیونکہ زچہ اور بچہ کسی سلاقی اس سے البتہ ہوتی ہے۔ تھوڑی سے غفلات یا سہ انکاری ماں یا بچے کے لیے ناقابل تلافی نقصان کا باعث بن سکتی ہے۔ یہاں تک کہ ممکن ہے اس مرحلے میں ان کی جان چلی جائی لیکن آج کی حالت میں جب مراکز پیدائش، ڈاکٹر اور دوا زیادہ تر لوگوں کی

دسترس

1۔ بیوگرافی پیش از تور ص 160

2۔ روانشناسی کودک ص 193

میں ہے تو احتمالی خطرات سے بچا جا سکتا ہے۔ لہذا حاملہ خواتین کو نصیحت کی جاتی ہے کہ اگر وہ ڈاکٹر یا مرکز پیدا اُٹھے تک دسترس رکھتی ہیں تو وقت سے پہلے ان کی طرف رجوع کریں اور بچے کی پیدائش کے وقت کے بارے میں معلومات حاصل کریں اور جب ضروری ہو تو ذرا مرکز پیدائش کی طرف رجوع کریں چونکہ یہ مراکز گر سے ہر لحاظ سے بہتر ہوتے ہیں۔ کیونکہ اور لا تو وہاں ڈاکٹر ، دوا اور نرس موجود ہیں اور ضروری موقع پر وہ وچہ کی ذریعہ مار دکر سکتے ہیں اور اگر پیدائش میں کوئی نیر معمولی مسئلہ پیش آجائے تو ہر لحاظ سے وسائے موجود ہوتے ہیں اور جاری سے اس کی مدد کی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر وہ گر میں ہو اور پیدائش میں کوئی نیر معمولی مسئلہ پیش آجائے تو اسے ڈاکٹر یا مرکز پیدائش تک لے جانے میں ممکن ہے کہ زچہ اور بچہ کی جان خطرے میں پڑ جائے۔ دوسرا یہ کہ مرکز پیدائش کے کمرے صحت و سلامتی کے نقطہ نظر سے گر کے کمروں سے بہتر ہوتے ہیں اور عورت و ہاں زیادہ آرام کرسکتی ہے۔

تیسرا یہ کہ وہاں پر رشتے داروں اور ہمسایہ عورتوں کا پیدائشی ۶ میں دخ نہیں ہوتا اور نہ ان کی مخفف قسم کی آراء ہوتی ہیں جب کہ ان کی وکالت عموماً علم و آگہی کی بناء نہیں ہوتی لہذا ضرور رساں ہوسکتی ہے۔ مرد کی بھی اص ضمن میں بھاری ذمہ داری ہوتی ہے۔ شرعا اور عقلاً اس کافر ایضہ ہے کہ ان حساس اور خطرناک لمحات میں ہنس بیسوی کی مدد کرے اور احتمالی خطرات سے اسے اور بچے کو بچانے کی کوشش کرے۔ اگر اس کی غفلت یا سستی کی وجہ سے بیسوی یا بچہ تھف ہو جائے یا پر انہیں جسمانی یا روحانی لحاظ سے نقصان پہنچے تو ایسا بے انصاف شوہر شریعت اور ضمیر کی عدالت میں مجرم قرار پائے گا اور روز قیامت اس سے باز پرس کی جائے گی۔ علاوہ انہیں اس جہاں میں بھی وہ اپنے کام کا نتیجہ بکتے گا اور اگر آج سہہ انگاری یا نجوسی یا کسی اور بہانے سے بیچاری بیوی کی مدد نہیں کرے گا تو بر میں مجبور ہوگا کہ اس کے مقابلے میں سوگنا خرچ کرے لیکن پر بھی زندگی کا پہلا سکون وہیں نہیں لایا جاسکے البتہ اگر ڈاکٹر اور پیدائش گاہ تک رسائی نہ ہو تو پر گر میں سہہ کام ان دایوں کے ذریعہ انجام پانا چاہیے کہ جو اس کام میں مہارت رکھتی ہیں۔

اس ضمن میں مندرجہ ذیل ہدایات کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔

- 1۔ پیدائش کے کمرے کا درجہ حرارت متدل اور بیقی ہونا چاہیے اور سرد نہیں ہونا چاہیے کیونکہ زبردت دباؤ، درد اور سس گھنٹوں کی زحمت کی وجہ سے عورت کی بیہوشی عام حالات سے مختلف ہو جاتی ہے اسے پسینے آتے ہیں اور بچے کے لیے بھس ٹھنڈلنے اور بیماری کا خطرہ ہوتا ہے، جب بچے کی پیدائش کا دشوار گزار مرحلہ گزر جائے تو اگر کمرے کی ہوا کا درجہ حرارت سرد ہو تو احتمالاً قوی ہے کہ زچہ کو ٹھنڈ لگ جائے اور اس کی وجہ سے نئی بیماریاں پیدا ہو جائیں۔ علاوہ ازیں ٹھنڈی ہوا نومولود کے لیے بھی نہایت خطرناک ہے کیونکہ بچہ ر م مادر میں بیقی حرارت کے ماحول میں رہا ہوتا ہے کہ جس کا درجہ حرارت تقریباً 37.65 سینٹی گریڈ ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ دنیا میں آتا ہے تو کمرے کا درجہ حرارت عموماً اتنا نہیں ہوتا اس وجہ سے نومولود کو جو بہت ناتوان ہوتا ہے اور اس میں یہ طاقت نہیں ہوتی کہ اپنے بدن کے لیے درکار حرارت اور توانائی مہیا کر سکے، اسے ٹھنڈ لگ جانے کا اور بیماری میں مبتلا ہوجانے کا خطرہ ہوتا ہے اور ان نومولود گان کامر اجہ بھی نہایت مشکل ہوتا ہے۔ اس طرح بیمار ہونے والے زیادہ تر بچے مر جاتے ہیں۔
- 2۔ محتاط رہنے کی ضرورت ہے کہ کمرے کی ہوا ٹی کے تیل یا کوئلے کے جلنے کی وجہ سے دھوئیں سے مسموم اور آلودہ نہ ہو جائے کیونکہ ایسی مسموم ہوا میں سانس لینا زچہ اور بچہ ہر دو کے لئے ضرر رساں ہے۔
- 3۔ بہتر ہے کہ پیدائش کے کمرے میں حتی الامور خلوت ہو۔ نیر متعل عورتوں کو کمرے سے باہر کر دیں کیونکہ ایسی خواتین علاوہ اس کے کہ ان کی ضرورت نہیں ہوتی وہ زچہ کے لیے ناراضی اور شرمندگی کا باعث بنتی ہیں۔ کمرے کی ہوا کو کثیف کرتی ہیں علاوہ ازیں پیدائش کے وقت زچہ کی شرم گاہ کی طرف دیگر عورتوں کا دیکھنا حرام ہے اور وہ اس عام میں ہنی سترپوشی نہیں کر سکتی۔

امام سجاد علیہ السلام نے ایک موقع پر جب کہ ایک حاملہ عورت کا وضع ⁷ ہونے والا تھا تو فرمایا عورتوں کو باہر نکال دیں کہ۔ کہہیں زچہ کی شرم گاہ کی طرف نہ دیکھیں۔⁽¹⁾

حاملہ عورت اگر اپنی ذمہ داری پر ⁶ کرے تو اسے چاہیے کہ پوری احتیاط کے ساتھ اپنے ⁷ کے زمانے کو اختتام تک پہنچائے اور ایک سام اور بے عیب بچہ م اثرے کو سونپے اس نے ایک بہت ن قیمتی کام انجام دیا۔ ایک صحیح اور بے نقص انسان کو وجود بخشا ہے کہ جو ہمیشہ اپنی ماں کا مرہون رہے گا۔ اس کے علاوہ اس نے انسانی م اثرے کی بھی خدمت انجام دی ہے کہ اس سے ایک بے نقص اور قیمتی انسان عطا کیا ہے ممکن ہے اس کا وجود م اثرے کے لیے خیرات و برکات کا موجب قرار پالے اور یہ عظیم خدمت کے نزدیک بھی بے اجر نہیں رہے گی۔ ایک روز پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم جہاد کی فضیلت کے بارے میں گفتگو فرما رہے تھے۔ ایک عورت نے عرض کی یا رسول اللہ کیا عورتیں جہاد کی فضیلت سے محروم ہیں۔ پیغمبر (ص) نے فرمایا: نہیں عورت بھی جہاد کا ثواب حاصل کر سکتی ہے۔ جس وقت عورت حاملہ ہوتی ہے اور اس کے بارے میں اس کا وضع ⁷ ہوتا ہے اور جب بچے کو دودھ دیتی ہے یہاں تک کہ بچہ دودھ پینا چھوڑ دیتا ہے تو اس ساری مدت میں عورت اس مرد کس طرح ہے جو میسران کارزار میں جہاد کر رہا ہو۔ اگر اس عرصے میں عورت فوت ہو جائے تو بالک ایک شہید کے مقام پر ہے۔⁽²⁾

1_ وسأُ اثیر۔۔ ج 10 ص 119

2_ مکالم الاعلاق۔ ج 1، ص 268

ولادت کے بعد

بچہ پیدا ہوتا ہے تو ہوا اس کے پتھروں میں داخل ہو جاتی ہے۔ اس سے وہ سانس لینا شروع کرتا ہے۔ تنفس کے آغاز کے بعد سر وہ زندگی میں پہلی مرتبہ روتا ہے۔ بچے کا یہ رونا اس ہوا کے رد کے طور پر ہوتا ہے کہ جو اس کے پھیپھڑوں میں داخل ہوتی ہے۔ اگر وہ سانس نہ لے اور نہ روئے تو اسے پاؤں سے پکڑ کر اٹھا کر کے اس کے سر پر آہستہ آہستہ ہاتھ مارتے ہیں تاکہ وہ سانس لے۔ پھر اس کے بند ناف کو باندھ دیتے ہیں اور بچے کے بدن سے ابرہوں ناف کو جراثیم سے پاک کسی چیز سے کاٹ دیتے ہیں اور ناف کو بھی جراثیم سے پاک کرتے ہیں۔ اس کے بعد بچے کو صابن کے ساتھ نیم گرم پانی سے نہلا کر لباس پہنا دیتے ہیں۔ پندرہ تک بچے کو غذا کی ضرورت نہیں ہوتی۔ پھر نیم گرم پانی میں چھینی لاکر اس کے منہ میں قطرہ قطرہ ڈالتے ہیں۔ بچہ عموماً حالت خواب میں رہتا ہے۔ اسے استراحت کی بہت ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اس کی زندگی کی داخلگی و خارجی حالت بالکل تبدیل ہو چکی ہوتی ہے۔ پہلے وہ ماں کی غذا سے استفادہ کرتا تھا لیکن اب اس کا اپنا نظام ہضم کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔ پہلے بچہ اس آکسیجن سے استفادہ کرتا تھا جو ماں کے تنفس سے حاصل ہوتی تھی لیکن اب اس کا اپنا نظام تنفس کام کرنا شروع کر دیتا ہے اور اس کا اپنا نظام اس کے لیے آکسیجن حاصل کرتا ہے اور بدن کے لیے نقصان دہ ہوا خارج کرتا ہے۔ اس کی داخلی کیفیت میں بہت بڑی تبدیلی واقع ہو چکی ہوتی ہے۔ نیز اس کی خارجی حالت اور ماحول بھی بدل چکا ہوتا ہے۔

مکملے وہ ر م ماور میں تھا جہاں درجہ حرارت 3765 درجے سنٹی گریڈ تھا لیکن اب وہ اس ماحول میں ہوتا ہے کہ جس کا درجہ حرارت مستق نہیں ہے پیدائش کے وقت بھی اس کے جسم و روح پر محض قسم کا دباؤ پڑتا ہے جس کی تلافی کس ضرورت ہوتی ہے۔ اس عام میں بچہ ایک ایسا نیمہ کے مانند ہوتا ہے جو ع جراحی کے برابری ابھی آپریشن سے باہر آیا ہو جسے ہر چیز سے زیادہ استراحت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ سانچے میں ڈ کے نلی ہوئی نئی نئی ایسی مشینری ہے کہ جس کی دیکھا بھلا اور خصوصاً توجہ۔ ضروری ہے۔ اس لحاظ سے بچے کے لیے جو بہترین کام انجام دیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے لیے آرام و ماحول فراہم کیا جائے تاکہ وہ آرام کر سکے۔ جس سخت سے گزارا ہے اس کی تلافی کر سکے اور اپنی زندگی کو نئے حالات کے مطاب ڈھال سکے۔ ڈاکٹر جلالی لکھتے ہیں۔

بچے کو ہنسنا، اسے مستق چومتے رہنا اور ہر وقت اسے اٹھا کر دوسروں کو دکھانا اور اس کے کپے تبدیل کرتے رہنا تاکہ وہ خوبصورت دکھائی دے یہ ایسا نامطلوب کام نہیں کہ جن سے احتیاب کرنا چاہیے بچہ کھینچ کا سلمان نہیں ہے اسے پلنے پھولنے کے لیے آرام وہ ماحول کی ضرورت ہے۔ ایسا کام نہیں کرنا چاہیے کہ اس کے آرام کی داخلی حالت درہم برہم ہو جائے۔ اس کے سامنے اوپن آواز میں نہیں بولنا چاہیے۔ اسے بھی اونچا، بھی نیچا نہیں کرنا چاہیے۔ اسی طرح اسے چومنا چاٹنا، اس پہ دباؤ ڈالنا یہ۔ چیزیں اس کے منظم رشد اور آرام پر اثر انداز ہوتی ہیں۔⁽¹⁾

ان کو بھی استراحت اور تقویت کی شدید ضرورت ہوتی ہے دوران نوم ماہ کے عرصے میں اس نے بہت مہلات اٹھائی ہوتی ہیں وہ پاک صیف اور ناتوان ہو چکی ہوتی ہے۔ خاص طور پر وضع کے دوران وہ جس جائز مرحلے سے گزری ہوتی ہے اور جس طرح

سے اس کا خون بہا ہوتا ہے اس کا تن بدن خستہ حال ہو چکا ہوتا ہے۔ اس عام میں مہربان شوہر پر لازم ہے کہ۔ وہ اس کے لیے آرام کے اسباب فراہم کرے اور غذا کے ذریعے سے اس کی قوت بحال کرے۔ اگر ڈاکٹر اور دوا کی ضرورت ہو تو پوری طرح سے مہربان کرے تاکہ اس کی جسمانی ناتوانی دور ہو سکے اور صحت معمول پر آسکے اور بھلے کی سی سلاقی اور شادابی پلا سکے۔ تاکہ وہ اپنے سام جسم اور شاداب روح سے پر سے زندگی بسر کرنے لے اور اپنے بچوں اور شوہر کی خدمت کر سکے۔ اگر شوہر نے اس امر میں کوتاہی کی تو اس کی شریکہ حیات رنجور اور ناتوان رہ جائے گی اور اس کا نتیجہ بے رحم میں شوہر کو خود بگتتا پڑے گا۔

ماں کا دودھ بہترین غذا ہے

ماں کا دودھ بچے کے لیے بہترین ، کا ترین اور سام ترین غذا ہے اور نئی پہلوؤں سے ہر غذا پر ترجیح رکھتا ہے ۔ مظل

1_ غذائی مواد کی کمی اور کیفیت کے لحاظ سے ماں کا دودھ بچے کی مشینری سے بالک ہم آہنگ ہوتا ہے کیونکہ بچہ نو ماہ رسم اور میں رہا ہوتا ہے اور ماں کی داخلی مشینری سے تیار شدہ غذا سے استفادہ کرنا اس کی عادت ہو چکی ہوتی ہے ۔ اب و س مـواد دودھ کسی صورت میں بچے کی غذا بن کے آتا ہے ۔

2_ ماں کا دودھ چونکہ طبعی ور پر اور خام حالت میں استعمال ہوتا ہے اس لیے اپنی غذائیت برقرار رکھتا ہے ۔ جب کہ اس کے برخلاف گائے و نیرہ کے دودھ کو ابلا جاتا ہے اور پَر استعمال کیا جاتا ہے ۔ جس سے اس کے اندر موجود بعض غذائی مـواد ضـلـع ہو چکا ہوتا ہے ۔

3_ بچے کی صحت کے اتباد سے ماں کا دودھ زیادہ قابا اتباد ہے اور خارجی جراثیم سے آلودہ نہیں ہوتا کیونکہ ماں کے پستان سے سیدھا بچے کے منہ میں چلا جاتا ہے اس کے برخلاف دوسرے دودھ ممکن ہے مختلف برتنوں اور ہاتھوں کے جراثیم سے آلودہ ہو جائیں ۔

4_ ماں کا دودھ ہمیشہ تازہ بہ تازہ استعمال ہوتا ہے ۔ جب کہ کوئی دوسرا دودھ ممکن ہے

5_ ماں کے دودھ میں لاوٹ کی گنجائش نہیں ہوتی _ جب کہ دوسرے دودھ میں اس کا امکان موجود ہے _

6_ ماں کا دودھ بیماریوں کے حاملہ جراثیم سے آلودہ نہیں ہوتا اور بچے کی صحت و سلامتی کے لیے زیادہ محفوظ ہوتا ہے _ جب کہ کوئی دوسرا دودھ ممکن ہے بعض جراثیم سے آلودہ ہو جو بچے کو بھی مبتلا اور آلودہ کر دیں _

اسہل شیر ، مالت اور گلو جیسی بیماریوں دوسرے دودھ سے پیدا ہوتی ہیں _ ان اور دیگر وجوہات کی بنا پر ماں کا دودھ بچے کے لیے یقینی طور پر بہترین اور سالم ترین غذا ہے جو بچے ماں کا دودھ پی کر لیتے ہیں وہ دوسرے بچوں کی نسبت زیادہ تندرست ہوتے ہیں اور بیماریوں کے مقابلے کی زیادہ طاقت رکھتے ہیں اور بچوں میں شرح اموات بھی کمتر ہے _

ماں اگر بچے کو دودھ دے تو ایک فائدہ بھی ہے کہ حیض میں زیادہ تاخیر ہو جاتی ہے اور نتیجے کے طور پر دیر سے حاملہ ہوتی ہے

دین اسلام نے بھی ماں کے دودھ کو بچے کے لیے بہترین غذا قرار دیا ہے اور اسے بچے کا ایک فطری گردانا ہے _

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں :

ما من لبن رضع به الصبی اعظم برکتہ علیہ من لبن امہ

بچے کے لیے کوئی دودھ ماں کے دودھ سے بڑھ کر بہتر نہیں ہے _ (1)

ماں کا دودھ اسلام کی نظر میں اس قدر اہمیت رکھتا ہے کہ ماں کی تشوہ کے لئے اس کا بہت زیادہ ثواب مقرر کیا گیا ہے _

پیغمبر اسلام (ص) نے فرمایا: فاذا ارضعت کان لها بكل محتہ کعدل عتق محرّر من ولد

اسماعیل فاذا فرغت من رضاعه ضرب ملک کریم علی جنبها و قال : استفانی العلم فقد غفر لک

یعنی ہر عورت جو اپنے بچے کو دودھ پلائے گی بچہ جتنی مرتبہ بھی اس کے پستان سے دودھ پیے گا اللہ تعالیٰ ہر مرتبہ اس سے اولاد اسماعیل میں سے غلام آزاد کرنے کا ثواب عطا کرے گا جس وقت دودھ پلانے کی مدت ختم ہوگی تو ایک مقرر فرشتہ اس کے پہلو پر ہاتھ رکھے گا : زندگی کو نئے سرے سے شروع کر کیوں کہ اللہ نہ تیرے بچے کے گناہ بخش دیئے ہیں۔⁽¹⁾

میڈیکل کا ایک بین الاقوامی سمپوزیم کہ جو شیراز کی یونیورسٹی میں منعقد ہوا اس میں تمام تر ماہرین کی دستاویزی تقریریں جمع کرائی گئیں یہ تھی کہ کوئی غذا بھی اور وٹامن کا کوئی اور مواد بھی شیر مادر کی جگہ نہیں لے سکتا۔ ڈاکٹر سیمین واقفی کہتی ہیں:

باعث افسوس ہے کہ بہت سی جوان مائیں مغربی ماؤں کی تقلید میں کوشش کرتی ہیں کہ اپنے نو نہالوں کو خشک دودھ اور دیگر خاص طرح کی مصنوعی غذائیں دیں اور یہ بچپن میں بچے کی صحیح غذائی ضروریات کے باوجود مخالف ہے جو ان مائیں یہ جان لیں کہ کوئی مصنوعی دودھ بھی ماں کے دودھ کے برابر نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنے بچے کو اس بہترین غذا سے محروم نہ رکھیں جو بیحد ہی نادر اور پسر اس کے لئے تیار کی گئی ہے۔⁽²⁾

ایک اور ماہر لکھتے ہیں :

شیر مادر ایک ایسی بے مثال غذا ہے کہ جو فطرت نے بچے کے لئے بنائی ہے اور کوئی غذا بھی اس کا بدل نہیں ہو سکتی۔ لہذا حتیٰ الامکان کوشش کی جانی چاہیے کہ بچے کو ماں کا دودھ پلایا جائے اور اگر ماں کا دودھ نہ آتا ہو تو اسے کوشش

1_ دسواں ایڈیشن، ج 15 ص 175

2_ ہدایت جہن روائی کودک ص 63

کرنا چاہئے کہ اس بہت بڑے نقص کو مختف اور دودھ لانے والی غذائیں کھا کر دور کرے۔⁽¹⁾

ذمہ دار اور آگاہ خواتین کہ جو اپنے بچوں کی صحت و سلاقی سے دلچسپی رکھتی ہیں اپنے عزیز بچوں کی اپنے دودھ کے ذریعے سے پرورش کریں اور انہیں اس عظیم نعمت الہی سے محروم نہ رکھیں کہ جس کا نظام اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پہلے سے بنا رکھا ہے۔
سبجہ رار خواتین ماں کی عظیم ذمہ داری سے آشنا ہوتی ہیں اور بچے کے جسم و جان پر دودھ کے اثر کو سمجھتی ہیں۔ اسی وجہ سے وہ خوشی سے اپنے آپ کو بچے کی صحت و سلاقی کے لیے نثار کرتی ہیں اور انہیں شیر جان سے سیراب کرتی ہیں۔ اسی خواتین کو ماں کا نام دیا جا سکتا ہے نہ ان بیوقوف اور خود غرض ماؤں کو کہ جن کا دودھ اتنا ہو لیکن وہ طرح طرح کے بے جا بہانوں سے اپنے پستان کو خیک کر لیتی ہیں اور بے گناہ بچے کو خیک دودھ سے پالتے ہیں۔ یہ خود غرض عورتیں اتنا بھی جذبہ لٹار نہیں رکھتی ہیں کہ۔
عزیز بچوں کی صحت و سلاقی کی خاطر اپنے آپ کو دودھ پلانے کی زحمت دیں۔

علاوہ ازیں جو خواتین بئیر کسی عذر کے بچے کو دودھ نہیں پلاتیں ممکن ہے کہ وہ بعض جسمانی اور نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہو جائیں۔
سرطان پستان ان خواتین میں زیادہ دیکھا گیا ہے کہ جو اپنے بچے کو دودھ نہیں پلاتیں۔

اس مقام پر ضروری ہے کہ جو مائیں بچوں کو دودھ پلاتی ہیں انہیں متوجہ کیا جائے کہ ماں کی غذا کی کیفیت دودھ کی کیفیت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ دودھ ماں کی غذا سے تیار ہوتا ہے۔ لہذا دودھ پلانے والی ماں کی غذا کو متنوع اور مختف ہونا چاہیے اور اسے ہر طرح کی غذا سے استفادہ کرنا چاہیے۔ مختف پلوں، سبزیوں اور دانوں کا گاہے بگاہے استعمال کرنا چاہیے تاکہ وہ خود بھی تندرست رہیں اور ان کا دودھ بھی بھرپور اور کا رہے۔

مائع اور آبدار غذائیں مفید ہیں۔ ماں کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ صحیح اور اچھی غذا قیمتی ترین اور خوش مزہ ترین غذائیں ہیں بلکہ۔
کا غذا کے لیے ایک ایسا پروگرام بنایا جاسکتا ہے کہ جس میں غذا

متنوع ہو ، کم خرچ بھی ، برپور بھی اور حفظان صحت کے مطاب۔ بھی ہو۔ اس سلسلے میں غذا شناسی کی کتابوں سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ جن میں سے ایک کتاب میں لکھا ہے :

ماہرین غذا دودھ پلانے والی عورتوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ ہر طرح کی غذا سے پ نہ پ استفادہ کرے خصوصاً لوبیا، پنے ، دودھ تازہ مکھن ، نانہ ، ذہنون ، اخروٹ ، بادام ، میٹھے اور رسیلے پھ مینلا خربوزہ ، گرما ، سردا اور ناشپاتی و نیرہ (1) اسلام نے بھی اس امر کی طرف توجہ دی ہے کہ ماں کی غذا اس کے دودھ پر اثر انداز ہوتی ہے

اسی وجہ سے

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں :

اگر تم نے اپنے بچے کو دودھ پلانے کے لیے کسی یہودی یا یسائی عورت کا انتخاب کیا ہے تو انہیں شراب پینے اور سور کا گوشت کھانے سے روکو (2)

اگر ماں بیمار ہو جائے اور اسے دوا کی ضرورت پیش آجائے تو اسے چاہیے کہ اس امر کی طرف توجہ رکھے کہ اس کی دوائیں اس کے دورہ پر بھی اثر کریں گی اور ممکن ہے بچے کی صحت و سلامتی کو اس سے نقصان پہنچے ماں کو نہیں چاہیے کہ اپنے آپ یا نیر آگاہ افسراو کے کہنے سے کوئی دوا استعمال کرے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ ڈاکٹر کی طرف رجوع کرے اور اسے یہ بھی بتائے کہ میں بچے کو دودھ پلا رہی ہوں۔

1_ اعجاز خوراکیہا ص 251 تا ص 256

2_ مستدرک ج 2 ص 224

ماں کے دودھ کے ساتھ ساتھ

بچے کی اصلی غذا ماں کا دودھ ہے لیکن جب تک فقط غذا کا احصاء ماں کے دودھ پر ہو تو بہتر ہے کہ ہر روز پچھلے کھائے اور پچھلے اس، دیئے گئے تاکہ وٹامن اور مرنی مواد کے اتبا سے اس کی خوراک جامع تر ہو جائے اور بچہ بہتر رہے۔ کمرے۔ بچہ جو بڑا ہوتا جاتا ہے اس کی غذائی ضرورت بھی بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ مرحلہ آجاتا ہے کہ وہ ماں کے دودھ سے سیر نہیں ہوتا۔ اس صورت میں اسے کہ دوسری غذاؤں سے شیر مادر کی لک کے ور پر استفادہ کیا جائے۔ چار مہینوں کے بعد اور زیادہ سے زیادہ پچھلے کے بعد چاہے کہ بچے کو دوسری غذاؤں سے آشنا کیا جائے ضروری ہے کہ بچے کی غذا، سلاہ اور بلع کس صورت میں ہو۔ مختلف پلوں کا جوس بچے کے لیے مفید ہوتا ہے۔

سبزیوں کو اہل کا پانی بھی بچے کو دیا جاسکتا ہے۔ بخنی بچے کی نشوونما کے لیے مفید ہوتی ہے۔ جب بچے دانت کے لگنے آئیں تو نسبتاً سخت غذائی جاسکتی ہے۔ مثلاً کپکے ہوئے آلو، ابلے ہوئے انڈے بس، تازہ پتیر اور پ روٹی اور مکھن، چاول، پازہ پھل، ونیرہ۔ بچے کی غذا مختلف قسم کی ہونی چاہیے۔ لیکن دھیان رہے کہ اتنی مقررہ میں سے غذائی جائے جتنی سے ضرورت ہے نہ کہ۔ اس سے زیادہ۔

ماں کے دودھ کی ممانعت

چند مواقع ایسے ہیں کہ جہاں بچہ ماں کے دودھ سے محروم ہو جاتا ہے۔

1_ اس صورت میں کہ جب ماں کسی مہلک مرض میں مبتلا ہو مہلائی۔ بی و نیرہ

2_ جب ماں کسی خطرناک بیماری میں مبتلا ہو مہلا دل کی بیماری۔ اور ڈاکٹر اسے دودھ دینے سے منع کر دے۔

3_ جب ماں پاگ یا مرگی کے مرض میں مبتلا ہو۔

4_ جب ماں خون کی شدید کمی کا شکار ہو اور دودھ دینا اس کے لیے باعث ضرر ہو۔

5_ جب ماں شراب یا مشیت کی عادی ہو کیونکہ ان کا ہر دودھ مین داغ ہو جاتا ہے اور بچے کو بھی مسموم کر دیتا ہے۔

ایسے مواقع پر کہ جب دودھ دینا مانگے لئے باعث ضرر ہو یا بچے کو بیماری میں مبتلا کر دے یا اسے مسموم کر دے تو چاہیے کہ بچے کو

ماں کا دودھ نہ پلا یا جائے اور کسی دوسرے طریقے سے اس کو غذا فراہم کی جائے۔ اگر دودھ پلانے والی عورت جاہلہ ہو جائے تو وہ

بتدریج اپنے بچے کا دودھ روک سکتی ہے اور اسے کوئی اور خوراک دے سکتی ہے۔

دودھ پلانے کا پروگرام

ماہرین نے بچے کو دودھ پلانے کے لیے دو طریقے تجویز کیے ہیں

بعض کا یہ نظریہ ہے کہ بچے کو غذا یا خوراک دینے کے لیے چاہیے کہ منظم اور دقیقہ پرورگرام بنا یا جائے اور بچے کو اسی پروگرام کے تحت معین و قفوں میں دودھ پلا یا جائے۔ دو مرتبہ دودھ پلانے کے درمیان بعض نے تین گھنٹے کا وقفہ معین کیا ہے اور بعض نے چار گھنٹے کا یہ ماہرین کہتے ہیں کہ ہر تین یا چار گھنٹے! ر بچے کو دودھ دینا چاہیے اور اس دوران بچے کو دودھ دینے پر ہیہ-ز-کرہ-ا-چا-ا ہے۔

بعض دوسرے ماہرین نے اس روش کو پسند نہیں کیا اور انہوں نے آزاد پرورش یا طبعی تنظیم کو تجویز کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب بھی بچہ بھوکا ہو جاتا ہے اور وہ بھوک کا تقاضا کرتا ہے تو اسے دودھ دینا چاہیے۔

بعض کی نظر میں دوسری روش اس پہلی سے بہتر ہے کہ جس میں معین و قفوں کی پاندی کی جاتی ہے چاہے جب دودھ یا جائے بچہ۔ بھوک کا بھی نہ ہو ان کے نزدیک دوسری تجویز علاوہ برائے عملی حاظ سے آسان ہے ظاہر ا پسندیدہ اور معقول تر ہے کیونکہ پہلے مجوزہ پروگرام کا تقاضا اگر چہ یہ ہے کہ بچے کو بھوک کے وقت دودھ یا جائے نہ کہ معین اوقات میں لیکن اس کے باوجود یہ ہمت سے نقائص کا حاکم ہے بہر حال دوسری تجویز بھی نقائص سے خالی نہیں، ذہن کے چند نکات کی طرف توجہ دیجئے۔

1_ بچے میں بھوک اور پیاس کو یقینی در پر متنبض نہیں کیا جاسکتا کیونکہ بچہ بات تو نہیں کر

سکتا کہ اپنے داخلی محسوسات کو بیان کر سکے اگرچہ ابتدائی ور پر بچہ بھوک مٹانے کے لیے دودھ پیتا ہے لیکن آہستہ آہستہ وہ دودھ پینے کا عادی بن جاتا ہے اور پستان کو چوسنے سے لاف اٹھاتا ہے۔ اس صورت میں بھی بچے کے اندرونی احساسات اسے تحریک کرتے ہیں کہ وہ روئے تاکہ دوسروں کی محبت کو ہنسی طرف جذب کر سکے۔ ماں بھی اسے چکرانے کے لیے اپنا دودھ پیش کر دیتی ہے۔ بچہ بھوک کے زبیر بھی روتا ہے اور ماں اس خیال سے دودھ دیتی ہے کہ وہ بھوکا ہے۔ بھی بھوک کی وجہ سے دودھ پیتا ہے اور بھی زبیر بھوک کے بھی۔ البتہ ہے کہ نامنظم ور پر اور بھوک کے زبیر غذا کا استعمال جنت بڑوں کے لیے نقصان دہ ہے اسی طرح بچوں کے لیے بھی کہ جن کا نظام ہضم ابھی قوی نہیں ہوتا۔ نامنظم ور پر دودھ دینے سے ممکن ہے بچے کے نظام ہضم میں کوئی خلل پیدا ہو جائے اور بچہ کسی بیماری کے لیے تیار ہو جائے۔ اس بنا پر غذا دینے کس آزاد روش بچے کس صحت و سلامتی کے لیے بے ضرر نہیں ہوسکتی کیونکہ اس میں بھوک کے وقت کو متخص نہیں کیا جاسکتا۔ بچوں میں ہدست سس بیماریاں نامنظم اور زیادہ غذا کے باعث پیدا ہوتی ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: زیادہ کھانے اور کھانے کے زبیر کھانے سے احتیاب کرنا چاہیے کیونکہ زیادہ کھانے والا بیمار بھسی زیادہ ہوتا ہے (1)

2۔ جو بچہ شروع ن سے زبیر کسی نظم و حساب کے دودھ پیتا ہے وہ شروع سے بے نظن کا عادی ہو جاتا ہے اور ہنی آئندہ کی زندگی میں نظم و ضبط سے عادی ایک فرد ثابت ہو گا

3۔ جو بچہ جب بھی روتا ہے اور اس کے منہ میں پستان دے دیا جاتا ہے وہ اسی عمر سے گریہ وزاری کا عادی ہو جاتا ہے اور وہ آئندہ بھی رونے دھونے اور منت

سماجت کو ن مقصد تک پہنچنے کا بہترین وسیلہ سمجھنے لگتا ہے۔ کاموں میں بر اور حوصلہ سے کام نہیں لیتا۔ وہ چاہتا ہے کہ۔
 جتنی جری ہو سکے مقصد تک پہنچنے کے لیے رونا پڑے یا اٹھنا پڑے یا ذلت کا بو۔ اٹھنا پڑے۔
 4۔ ایب بچے کے ماں لاپ اور مریوں کو راحت و آرام نہیں ملتا کیونکہ وہ وقت بے وقت رونے ماتا ہے اور دودھ مانتا ہے۔
 انہیں نقائص کی وجہ سے میں پہلی روش کو دوسری روش پر ترجیح دیتا ہوں اور منظم طریقے سے غذا دینے کو بچے کی جسمانی اور روحانی
 نشو و نما کے لیے بہتر سمجھتا ہوں۔

ڈاکٹر جلالی اس بارے میں لکھتے ہیں: اگر کسی ماہر ڈاکٹر کے کہنے کے مطا۔ بچے کے لیے دودھ پلانے کا منظم پروگرام بنا یا جائے تو
 اس میں اسی کے مطا۔ علالت پیدا ہو جائے گی اور علالت خود اس بات کا سبب بنے گی کہ اس علالت سے مربوط طرز اور رد۔
 سے مائیں بچے کی سیری اور! وک کی حالت سے آگاہ ہو سیں۔

تایا انسان کے بہت سارے کام ہر روز چونکہ علالت کے مطا۔ انجام پانے چاہئیں لہذا دودھ دینے کا یہی منظم پروگرام اس کی! سر کس
 علالتوں کے لئے اچھی بنیاد بن جائے گا (1)

آج ہر ماں بچے کی پرورش کے سادہ سے حقاً جانتی ہے اور اس کی تربیت کرتی ہے مثلاً وہ جانتی ہے کہ بچے کو منا۔ وقفوں
 سے غذا دینا کتنا ضروری ہے نہ کہ جب وہ رو رہا ہو اسے علم ہے کہ ایسی پابندی اس لیے رکھی جاتی ہے ہ یہ غذا کے ہضم ہونے ہیں
 بہت فائدہ مند ہے۔۔۔۔۔ علاوہ ازیں تربیت اخلاق کے حوالے سے بھی مطلوب ہے کیونکہ شیر خوار بچے

اس سے زیادہ حیلہ ساز اور کمر باز ہوتے ہیں کہ جتنا بڑے ان کے بارے میں تصور کرتے ہیں۔ بچے جب دیکھتے ہیں کہ۔ رونے دھونے سے ان کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے تو وہ پر اسی روش کو اختیار کرتے ہیں اور بار جب کہ وہ دیکھتے ہیں کہ۔ شکوہ اور آہ و زاری کی عادت بجائے اس کے کہ نوازش کا باعث بنے نفرت کا سبب بنتی ہے تو تعجب کرتے ہیں اور ان کو بہت دپ-کا پہنچتا ہے اور دنیا ان کے آنکھوں میں سرد، خشک اور بے روح ہو جاتی ہے۔

لیکن چند نکات کی طرف توجہ ضروری ہے۔

1۔ بچوں کے لیے اور دودھ پینے کے تمام عرصے کے لیے غذا کا ایک جیسا پروگرام معین نہیں کیا جا سکتا کیونکہ۔ نظام ہضم اور بچے کی غذائی ضرورت تمام مدت میں یک جیسی نہیں رہتی۔ نو زائدہ بچے کا مہرہ اور نظام ہضم آغاز تو ر سے چالیس چھ ماہ روز تک بہت چھوٹا ہوتا ہے کہ جو تھوڑے سے دودھ سے بڑھتا ہے۔ نو زائدہ بچے تھوڑے سے دودھ سے سیر ہو جاتا ہے لیکن تھوڑی سی مدت بار پر بھوکا ہو جاتا ہے اس مدت میں چاہے کہ دودھ پلانے کے درمیان فاصلہ کم ہو مثلاً 21 سے 2 گھنٹے تک لیکن اس کے بار بچے کے بڑے ہونے کے اتنا سے وقفوں میں زیادہ اتنا کیا جا سکتا ہے مثلاً تین گھنٹے یا چار گھنٹے یہاں تک کہ بعض اوقات اس سے بھی زیادہ کا۔

2۔ بچے جسمانی ساخت اور نظام ہضم کے اتنا سے ایک جیسے نہیں ہوتے بعض کو جاری بھوک لگ جاتی ہے اور بعض کو دیر سے ہذا ان کے لئے ایک جیسا پروگرام تجویز نہیں کیا جا سکتا۔ سمجھ ر اور ہوش مند مائیں ہنی ذمہ داری کا احساس کرتی ہیں اور اپنے بچوں کی صحت و سلامتی کی خواہاں ہوتی ہیں۔ وہ بذات خود ہنی بچے کے لیے خاص شرائط و حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے غذا کا پروگرام منظم کرتی ہیں اور ضروری ہو تو وہ ڈاکٹر کی طرف رجوع کر کے مشورہ بھی کرتی ہیں۔

3_ جب بھی بچے کو دودھ دیا جائے تو اسے پوری طرح سیر کرنا چاہیے البتہ خوابیں کو اس امر کی طرف متوجہ رہنا چاہیے کہ۔ بچے با نصوص نوزاد بچہ جاری سو جانا ہے اور معمولاً دودھ پیتے پیتے سو جانا ہے جب کہ ابھی وہ سیر نہیں ہوا ہوتا اس صورت میں ماں بچے کس پشت پر آہستہ آہستہ ہاتھ ماسٹی ہے تاکہ وہ بیدار رہے اور پوری طرح سے سیر ہو جائے۔

4_ جب بچے کو دودھ دینے کا منظم پروگرام ترتیب پا جائے تو اس پر صبح طرح سے درآمد کی طرف توجہ رکھنا چاہیے اور مقرر اوقات کے درمیان میں اسے ہرگز دودھ نہیں دینا چاہیے اگرچہ وہ گریہ و زاری کرے۔ اس کام میں بر و استقامت کا مظاہرہ کرنا چاہیے تاکہ بچہ آہستہ آہستہ اس غذائی پروگرام کا عادی ہو جائے۔ اس کے بارے وہ خود بخود معین اوقات میں بیدار ہونے لگے گا اور دودھ کا تقاضا کرنے لگے گا۔ اسی صورت میں ایک صابر، بردبار اور منظم بچہ بھی پروان چڑھے گا اور آپ بھی آرام و راحت میں رہیں۔

5_ بچے کے غذائی پروگرام کو اس طریقے سے مرتب کرنا چاہیے کہ آدھی رات کے بارے سے صبح تک اسے غذا نہ دی جائے تاکہ وہ اس طرز کا عادی ہو جائے۔ اس صورت میں بچہ بھی آرام و راحت سے سو جائے گا اور ماں بھی چند گھنٹے سکون اور پھین سے آرام کر سکے گی۔

6_ ہر مرتبہ بچے کو دودھ دینے کے بارے پستان کو تھوڑی سی روٹی سے صاف کرنا چاہیے۔ یہ کام بچے کی صحت و سلامتی کے لیے بھی مفید ہے اور پستان کو زخمی ہونے سے بھی بچاتا ہے۔

7_ جب بچہ دودھ پیتا ہے تو عموماً پھو اس کے مرے میں داغ ہو جاتی ہے۔ اور اس کے لیے ناراحتی کا سبب بنتی ہے اور اس کے پیے میں ہوا آ جاتی ہے۔ دودھ دینے کے بارے آپ اسے بلند کر سکتے ہیں اور آہستہ آہستہ اس کی پشت پر ہاتھ ماسکتے ہیں تاکہ کہ ہوا نکالنے اور بچہ دل کی تالیف میں مبتلا نہ ہو۔

8_ بچے کو دونوں پستانوں سے دودھ دیں تاکہ آپ کا دودھ خشک نہ ہو اور آپ پستان کے درد میں مبتلا نہ ہوں _ ایک خاتون کہتی ہے :

حضرت امام صدق علیہ السلام نے . سے فرمایا اپنے بچے کو ایک پستان سے دودھ نہ دے بلکہ دونوں پستانوں سے دودھ دے تاکہ اسے کا غذا * سکے (1) _

9_ دودھ پلانے والی ماؤں کو چاہیے کہ وہ زیادہ تھکاوٹ والے کام اور شدید غصہ سے بچیں کیونکہ ماں کی ناراضگی اور شدید غصے کے اثرات دودھ پر مرتب ہوتے ہیں کہ جو بچے کے لیے نقصان دہ ہیں _

ماں کا دودھ نہ ہو تو؟

اگر ماں کا دودھ بچے کی ضرورت پوری نہ کرتا ہو تو ماں کو نہیں پہنچتا کہ وہ اسے اپنے دودھ سے بالکل محروم کر دے بلکہ اس کا جتنا بھی دودھ ہے وہ بچے کو پلائے اور کئی دوسرے دودھ اور غذا سے پورا کرے۔ لیکن اگر ماں کو دودھ بالکل نہ ہو (البتہ ایسا بہت نادر ہے) یا وہ دودھ دینے سے موزور ہو تو پُرگائے کے دودھ سے استفادہ کیا جاسکتا ہے کہ جو کسی حد تک شیر مادر سے ملتا جلتا یا پُرختیک دودھ سے۔ اگر گائے کے دودھ سے استفادہ کیا جائے تو چاہیے کہ مندرجہ ذیل نکات کی طرف توجہ رکھی جائے۔

1۔ گائے کا دودھ عموماً ماں کے دودھ سے زیادہ گاڑھا اور زیادہ بھاری ہوتا ہے۔ اس حاظ سے چاہیے کہ اس میں پالا ہوا پلنی لادیا جائے، اس حد تک کہ وہ ماں کے دودھ جیسا ہو جائے اس میں تھوڑی سی چینی بھی لالینی چاہیے۔

2۔ دودھ کو پندرہ منٹ تک کے لیے ابال لینا چاہیے تاکہ اگر اس میں جراثیم ہوں تو وہ ختم ہو جائیں۔

3۔ بچے کو جو دودھ پلایا جائے نہ زیادہ گرم ہو اور نہ زیادہ سرد بالکل۔ ماں کے دودھ جیسی اس کی حرارت ہو۔

4۔ ہر مرتبہ بچے کو دودھ پلاتے وقت فیڈر (دودھ والی بوتل) کو دھولینا چاہیے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دودھ خراب ہو جائے اور بچہ بیمار ہو جائے۔

5۔ کوشش کرنی چاہیے کہ حتی الامکان تازہ اور صحیح دودھ سے استفادہ کیا جائے۔

اگر آپ بچے کی غذا کے لیے خشک دودھ سے استفادہ کرنا چاہیں ، تو ضروری ہے کہ اس بارے میں ڈاکٹر سے مشورہ کریں کیونکہ خشک دودھ مختلف قسم کا ہوتا ہے اور ہر قسم کا دودھ ہر بچے اور ہر عمر کے لیے مفید اور مناسف نہیں ہوتا۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر فیصلہ کر کے آپ کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ اگر ڈاکٹر کوئی دودھ آپ کے بچے کے لئے تجویز کرے اور وہ آپ کے بچے کے مزاج سے ہم آہنگ نہ ہو تو آپ پر ڈاکٹر کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

دودھ پڑانا

بچے کو پورے دو سال دودھ پلانا چاہیے۔ دو سال دودھ پینا ہر بچے کا فطری ہے کہ جو خداوند بزرگ نے اس کے لیے مقرر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ **والوالدات یرضعن اولادھنّ حولین کاملین**۔

مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ بقرہ آیہ 233

اگر ماں چاہے تو دو سال سے جاری بھی بچے کو دودھ پڑانے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ کم از کم اکسین مہینے اسے دودھ پلا چکی ہو۔

حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ الرضاع واحد و عشرون شهراً انما نقص فهو جور علی الصبی دودھ پلانے کی مدت کم از کم اکسین ماہ ہے۔ اگر کسی نے اس مدت سے کم پلایا تو یہ بچے پر ظلم ہے۔ (1)

ان دو سالوں میں بچہ آہستہ آہستہ دوسری غذاؤں سے آشنا ہو جاتا ہے۔ ماں رفتہ رفتہ بچے کا دودھ کم کر دیتی ہے اور اس کے بجائے اسے دوسری غذا دیتی ہے۔ دودھ پلانے کی مدت پوری ہونے کے بعد بچے کو دودھ پڑانا چھوڑ دیا جاسکتا ہے اور صرف دوسری غذاؤں سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ سبج رار اور ماملہ ہم مائیں خود بہتر جانتی ہیں کہ بچے کے لیے کس طرح

کی غذا انتخاب کرنی چاہیے کہ جو بچے کے مزاج سے بھی ہم آہنگ ہو اور غذائیت کے اعتبار سے بھی کا۔

البتہ بچے کو دودھ چڑھانا کوئی ایسا آسان کام بھی نہیں۔ یقیناً وہ چند روز گریہ و زاری و فریاد کرے گا لیکن برواستقامت سے کام لیں تا کہ وہ بالک دودھ چھوڑ دے۔ مال شرعی حد تک دودھ کو برا کر سکتی ہے، اپنے پستان کو سیاہ اور خراب کر سکتی ہے۔ پستان کے سرخ کو کڑوا کر سکتی ہے تاکہ بچہ دودھ پینے سے رک جائے۔

لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے کسی خیالی یا دوسری چیز سے دڑایا جائے۔ اس امر سے غافل نہ رہیے کہ بچے کو دڑانا کوئی لچھا کام نہیں ہے اس سے اس کے جسم اور روح پر برے اثرات پڑتے ہیں جو بر میں ظاہر ہوتے ہیں۔

بیٹی یا بیٹا

جو نہی عورت حاملہ ہوتی ہے وہ اس مسئلہ میں مضطرب رہتی ہے کہ بیٹا ہو گیا یا بیٹی ، دعا کرتی ہے عذر مانتی ہے نیاز دیتی ہے کہ۔ بیٹا ہو۔ جب اس کے عزیز رشتے دار ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تمہارے چہرے کے رنگ سے لتا ہے کہ بیٹا پیدا ہوگا۔ جب کہ اس کے برخلاف اس کے دشمن کہتے ہیں کہ تمہاری آنکھوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیٹی پیدا ہوگی۔ شوہر بھی بیٹم سے تیجھے نہیں ہوتا اس کے بھی دل میں بیٹے کی خواہش چٹکیں لیتی رہتی ہے۔ موقع بے موقع وہ اس بارے میں بات کرتا ہے اور اور اور کے وعدے کرتا رہتا ہے۔ پیدائش کے وقت حاضرین کی توجہ اس لئے کی طرف رہتی ہے کہ بیٹا ہے یا بیٹی۔ اگر بیٹی ہو تو ایک دفعہ کہہ پیدائش میں سر تا پا سکوت ہو جاتا ہے اور چہرے اتر جاتے ہیں لیکن اگر بیٹا ہو تو خوشی کا شوروشین بلند ہو جاتا ہے۔ ماشاء اللہ۔ سے آواز گونج اُتی ہے۔ جب بچے کی پیدائش کی خبر باپ تک پہنچتی ہے تو اگر بیٹا ہو تو خوش ہو جاتا ہے ، اور اور اور دوڑتا ہے ، ٹھائیاں اور پھل لٹا ہے ، ڈاکٹر اور دوا کا بندوبست کرتا ہے۔ کہتا پرتا ہے بچے کا دھیان رکھنا اسے کہیں ٹھنڈ نہ لگ جائے۔ بیٹم کے بارے میں احتیاط کرنا کہ کہیں لے چلے نہ۔ دائیہ اور نرسوں کو اذام دینا ہے۔ لیکن اگر بیٹی جنم لے تو اس کا چہرہ ن اتر جاتا ہے۔ کون میں جا بیٹھتا ہے ہنی بد بختی پر روتا ہے اور ہنی زندگی کو تلخ بنا لیتا ہے۔ ہیملا بیوی کی طرف اتنا نہیں کرتا اس کس احوال پر سس اور عیادت نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ بعض اوقات اسے ایسا غصہ آتا ہے کہ لاق کی دھمکی دینے لتا ہے۔ ہمارے اٹھ لٹ پتھر اور بے تربیت م اشرفے کی اکثریت میں اب ن غلط انکار اور بری عادت موجود ہے۔ البتہ۔ اب نہیں ہیں۔ روشنفکر

لوگ بھی موجود ہیں کہ جن کی نظر میں بیٹا اور بیٹی برابر ہے لیکن وہ اقلیت میں ہیں۔

دار عزیز اور وارہ گرامی

بیٹا ہو یا بیٹی ان میں کیا فرق ہے۔ کیا بیٹی میں انسانیت کم ہوتی ہے؟ کیا اس میں ترقی اور پیش رفت کی لاجیت نہیں ہوتی؟ کیا وہ ایک مفید اور قیمتی انسان نہیں بن سکتی؟ کیا بیٹی ہماری اولاد نہیں ہے؟ آخر بیٹوں کا ماں باپ کے لیے کون سا ایسا فائدہ ہے جو بیٹی کا نہیں؟ اگر بیٹی کی کوئی اہمیت نہ ہوتی تو اللہ اپنے رسول (ص) کی 'کو فاطمہ (ع) کے ذریعے کتب برقرار رکھتا۔ اگر بیٹی کی آپ اچھی پرورش کریں تو وہ بیٹے سے نتیجے نہیں رہے گی تاریخ کے اوراق پل کر دیکھیں آپ کو ایسی خواہین نظر آئیں گی جن میں سے ایک ایک ہزاروں مردوں پر بھاری ہے۔ یہ کیسی غلط انکار کے خلاف جہاد بجئے بیٹے اور بیٹی میں غلط قسم کے فرق کو اپنے ذن سے نکال دیجئے۔ ذمہ دار اور مفید انسانوں کی تعمیر کے بارے میں سوچیے۔ سو مند اور قیمتی انسان بیٹی بھی ہوسکتی اور بیٹا بھی۔ جس وقت ہمیں بچے کی پیدائش کی خبر ملے اگر وہ صحیح و سالم ہو تو خدا کا شکر کرو کہ وہ پروردگار عام کا ہے۔ یہ ہے اور تہہ۔ وجود کی یادگاری ہے کہ جو زندگی کے حساس اور خطرناک مرحلے سے صحیح و سالم گزر آیا ہے اور اس نے زمین پر قدم رکھا ہے۔

پیغمبر اکرم اور اہل اطہار علیہم السلام کی یہی روش تھی۔ جس وقت امام سجاد علیہ السلام کو نو مولود کی خبر دی جاتی تو بیٹی کے بارے میں ہرگز سوال نہ کرتے۔ لیکن جب ان کو بتایا جاتا کہ صحیح و سالم ہے تو خدا کا شکر ادا کرتے۔⁽¹⁾

رسول اکرم (ص) اپنے دوستوں کے ساتھ محو گفتگو تھے اسی اثنا میں ایک شخص 'معد' میں داخل ہوا اور حضور کو خبری دی کہ اللہ نے آپ کو بیٹی علا کی ہے۔ رسول اللہ اس خبر پر خوش ہوئے اور اللہ کا شکر ادا کیا آپ (ص) نے جب اپنے اصحاب کی طرف نظر کی تو ان کے چہروں پر ناداحتی کے آثار ہویدا تھے۔ آپ (ص) نے برا مانتے ہوئے فرمایا:

مالکم؟ ریحانۃ اشتمھا و رزقھا علی اللہ عزوجل

کیا ہو گیا تھیں؟ اللہ نے مجھے پھول عطا کیا ہے جس کی مک میں سوٹھتا ہوں اول اللہ نے اس کا رزق دیا ہے۔ (1)

اللہ تالی نے اس بری عادت کی مذمت کی ہے اور قرآن میں فرمایا ہے۔

و اذا بشر احدھم بالانثی ظلّ وجھه مسودًا و هو كظیم۔ یتواری من القوم من سوء ما بشر به۔

(سورہ نوح ، آیہ 58_59)

جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی بشارت دی جاتی ہے تو شرم کے مارے اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے ، غصہ۔ اس پر چھاجاتا ہے۔ اس

بری خبر کے باعث وہ لوگوں سے منہ چھپائے پرتا ہے۔

بچے کا نام

ماں باپ کی حساس اور اہم ذمہ داریوں میں سے ایک بچے کا نام کا انتخاب ہے۔ نام رکھنے کو چھوٹی سی اور نیر اہم چیز نہیں سمجھنا چاہیے۔ لوگ ناموں اور خاندانوں سے اندازہ لگاتے ہیں اور ان کی خوبی اور خوبصورتی کو شخصیت کی پہچان شمار کرتے ہیں۔ جس کسب کا بھی اپنا اور خاندانی نام خوبصورت ہوگا وہ ہمیشہ ہر جہ سے بلند ہوگا اور جس کسی کا نام بھی برا ہوگا شرمندہ ہوگا۔ برے نام کو لینا عیب سمجھے گا اور احساس کمتری میں مبتلا رہے گا۔ بعض اوقات بے ادب لوگ اس کا مذاق بھی اڑائیں۔ اور یہ احساس کمتری وہ چاہے نہ چاہے اس کی روح پر برے آثار مرتب کرے گا۔ اس وجہ سے اسلام اچھے نام کا انتخاب ماں باپ کی ذمہ داری قرار دیتا ہے اور اسے ان کی اولین نیکی شمار کرتا ہے۔

پیغمبر اسلام (ص) نے فرمایا:

ہر باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کے لیے خوبصورت نام انتخاب کرے۔⁽¹⁾

پیغمبر اکرم (ص) نے فرمایا:

اولاد کے باپ پر تین ہیں۔ پہلا یہ کہ اس کا نام لچھلکھے۔ دوسرا کہ اسے پڑھنا لکھنا سکھائے تیسرا یہ کہ اس کے لیے شریک حیات ڈھنڈے۔⁽²⁾

1_ مستدرک ج 2 ص 618

2_ بحار الانوار ج 104 ص 92

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا:

اَوَّلُ مَا يَبْرُؤُ الرَّجُلَ وَلَدُهُ اِنْ يَسْمِيهِ بِاسْمِ حَسَنِ —

باپ کی پہلی نیکی اولاد کے ساتھ یہ ہے کہ اس کے لیے پیارا سلنام انتخاب کرے۔⁽¹⁾

دوسری طرف نام کا انتخاب بہت زیادہ مثری اثر بھی رکھتا ہے۔ نام ہے کہ جو ماں باپ کے مقاصد، انکار اور آرزوؤں کا ترجمان ہوتا ہے اور انکی اولاد کو باقاعدہ مختلف گروہوں اور اہداف میں سے کسی کے ساتھ وابستہ اور مل کر کرتا ہے۔ نام ن سے سمجھ رار ماں باپ سے انکار اور ارمانوں کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ ماں باپ کو اگر کسی خاص شاعر تعلق خاطر ہوگا تو وہ اپنے بچے کے لیے اسی کا نام انتخاب کریں۔ اگر وہ علم دوست ہوں۔ تو علماء میں سے کسی کے نام سے استفادہ کریں۔ اگر دیندار ہوں۔ تو انبیاء ائمہ اور بزرگان دین کے ناموں میں سے کوئی نام چنیں۔ اگر وہ لٹرار دین کے راستے میں جاہازی اور ستمکاروں کے خلاف جہاد کو پسند کرتے ہوں۔ تو محمد، علی، حسن (ع)، حسین (ع)، ابوالفضل (ع)، عباس، حمزہ، جعفر، ابوذر، عماد اور سید جنت سے ناموں میں سے کوئی نام انتخاب کریں۔ اگر وہ کسی کھیا کو پسند کرتے ہوں کے تو معرف کھلاڑیوں میں سے کسی نام رکھیں۔ اگر انھیں کوئی گلوکار چھا لیتا ہوگا تو اپنے بچے کا نام اسی کے نام پر رکھیں۔

اگر وہ ظلم و ستم سے خوش ہوں۔ تو سکندر، تیمور، چنگیز جیسے ناموں میں سے کسی کا انتخاب کریں۔ ہر ماں باپ نام کے انتخاب سے اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو کسی خاص گروہ سے وابستہ کر لیتے ہیں۔ ناموں کہ یہ وابستگی عمومی انکار پر اثر انداز ہونے کے علاوہ زیادہ تر صاحب نام پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ رسول اسلام (ص) نے فرمایا:

استحسنوا اسمائکم فانکم تدعون بها یوم القیامة قم یا فلان بن فلان الی نورک وقم یا فلان بن فلان لا نورک

اچھا نام رکھو کیونکہ قیامت کے روز تمہیں انہی ناموں سے پکارا جائے گا اور کہا جائے گا اسے نلان ابن نلان اٹھ کر۔ عے ہو اور اپنے نور سے وابستہ ہو جاؤ اور اے نلان بن نلان اٹھ کر عے ہو کہ تمہارے لیے کوئی روشنی نہیں جو تمہاری راہنمائی کرے۔⁽¹⁾

ایک شخص نے حضرت امام صادق علیہ السلام سے عرض کیا: ہم لوگ آپ کے اور آپ کے اجداد کے نام اپنے لیے انتخاب کرتے ہیں۔ کیا اس کام کا کوئی فائدہ ہے۔ آپ نے فرمایا:

ہاں اللہ کی قسم کیا دین اچھوں سے محبت اور بروں سے نفرت کے سوا بھی پ ہے۔⁽²⁾

دنیا میں لوگ اپنے مقاصد کی ترویج کے لئے اور شخصیتوں کو نمایاں کرنے کے لئے ہر موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ۔ شہروں، سڑکوں اور چوراہوں کے نام رکھنے تک سے استفادہ کرتے ہیں۔ ایک ذمہ دار اور آگاہ ملمان بھی دین کی ترویج کے لیے کسی موقع پر یہاں تک کہ نام رکھنے کے موقع پر غفلت نہیں کرتا۔

ہاں حسن، حسین، ابوالفضل، علی اکبر، حر، قاسم، حمزہ، جعفر، ابوذر اور عماد جیسے ناموں کے انتخاب سے اور ان کی ترویج سے اسلام کے مروان مجاہد کی جانبازی اور فداکاری کودلوں میں زندہ رکھا جا سکتا ہے فداکاری اور ظالموں کے خلاف جہاد کی روح ملت میں پھونکی جا سکتی ہے۔ اللہ کے عظیم رسولوں مہلا ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ، اور محمد (ص) کا نام انتخاب کر کے خیرا پرستوں اور توائین الہس کے حامیوں کے ساتھ ہنی وابستگی کا اعلان کیا جا سکتا ہے۔ فداکار اور مجاہد شیر مہلا ابوذر، میثم، عماد اور ایب سسٹیکڑوں دوسرے حقیقی شیع کے مصادیہ کے ناموں کے حیاء اور ترویج سے ملت کو شخصیت کا حقیقی مفہوم سکھایا جا سکتا ہے۔ اسلام کے عظیم

1_ وسأُ اثیر ج 15 ص 123

2_ مستدرک ج 2 ص 218

علماء کے ناموں کا انتخاب کر کے ان کے علم و دانش کی قدردانی اور ترویج کی جاسکتی ہے۔ ایک سمجھ دار مہمان اس امر پر تیار نہیں ہو سکتا کہ وہ ظالموں یا اسلام دشمنوں میں سے کسی کا نام اپنے بچے کے انتخاب کرے۔ وہ جانتا ہے کہ خود یہ نام رکھنا بھی ایک طرح سے ظلم کی ترویج ہے۔ امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

لقد احتظرت من الشيطان احتظار شديدًا انّ الشيطان اذا سمع نادياً ينادى يا محمد و يا على ذاب كما يذوب الرصاص ، حتى اذا سمع مناديا ينادى باسم عد و من اعدائنا اهتروا ختال۔

شیطان سے بچو اور اس سے بہت خبردار ہو، کہ جب شیطان سنتا ہے کہ کسی کو محمد اور علی کے پکارا جا رہا ہے تو وہ یسوں پھٹ جاتا ہے جیسے سید پھٹ جاتا ہو اور جب وہ سنتا ہے کہ کسی کو ہمدے دشمنوں میں سے کسی کے نام سے پکارا جاتا ہے تو خوشی سے پھولا نہیں سماتا۔⁽¹⁾

پیغمبر اسلام (ع) نے فرمایا: من ولد له اربقه اولاد کم بسم احدہم باسمی فقد جفانی

جس کسی کے بھی چاہیے ہوں اور اس نے کسی ایک کا نام بھی میرے نام پر نہیں رکھا اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔⁽²⁾

امام باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: خیر ہا اسماء الانبیاء

بہترین نام نبیوں کے نام ہیں۔⁽³⁾

1_ وسائل الشریعہ ج 1 ص 127

2_ وسائل الشریعہ ج 1 ص 127

3_ وسائل الشریعہ ج 1 ص 124

پیغمبر اسلام (ص) نام کے مسئلے پر اس قدر اہتمام کرتے تھے کہ اگر ان کے اصحاب یا شہروں کے ناموں میں سے کسی کا لچھا نہ لیتا تو ذرا بدل دیتے۔ عبدالشس کو عبدالوہاب میں تبدل کر دیا۔ عبد العزی (عزی بت کا بندہ) کو آپ نے عبداللہ میں بدل دیا۔ عبداحاث (شیر کا بندہ) کو عبدالرحمن میں اور عبدالہ کو عبداللہ میں بدل دیا۔

حت و غائی

بچے کا لباس سال کے مختلف موسموں اور آب دہوا کے اتباد سے ایسا تیار کرنا چاہیے کہ نہ اسے ٹھنڈے اور نہ گرمی کی شہرت سے اس کا پسہ بہتا رہے اور اسے تالیف محسوس ہو۔ نرم اور سادہ سوتی کپڑے بچے کی صحت اور آرام کے لیے بہتر ہیں۔ تنگ اور چمکے ہوئے لباس بچے کی آزادی کو سلا کر لیتے ہیں اور ایسا ہونا اچھا نہیں ہے۔ ان کو تبدیل کرتے وقت بھی ماں اور بچے دونوں کو زحمت ہوتی ہے۔ اکثر لوگوں میں رواج ہے کہ بچے کو سخت کپڑوں میں پیک کر دیتے ہیں اور اس کے ہاتھ پاؤں مضبوطی سے باندھ دیتے ہیں۔ ظاہراً ایسا کرنا اچھا نہیں ہے اور بچے کے جسم اور روح کے لیے ضرر رساں ہے۔ اس نیر انسانی سے اس ننھی سی کمزور جان کی آزادی سلا کر لی جاتی ہے۔ اسے اجازت نہیں دی جاتی کہ وہ آزادی سے اپنے ہاتھ پاؤں مارے اور حرمت دے سکے اس طرح سے اس کی فطری نشو و نما اور حرمت میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔

ایک مغربی مصنف لکھتا ہے :

جو ننھی بچہ کے پیروں سے نالتا ہے اور آزادی سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہے اور اپنے ہاتھ پاؤں کو حرمت دیتا ہے تو ذرا اس کے ہاتھ پاؤں کو ایک نئی قید و بند میں جکڑ دیا جاتا ہے۔ پکڑے تو اسے پیک کر دیتے ہیں۔ اس کے ہاتھ پاؤں کو دراز کر کے زمین پر سلا دیتے ہیں اور پھر اس کے جسم پر اتنے کپڑے اور لباس چڑھاتے ہیں اور کمر بند باندھتے ہیں کہ وہ حرمت تک نہیں

کر سکتا... اس طرح سے بچے کی داخلی نشو و نما کہ جو وقت کے ساتھ ساتھ زیادہ ہوتی ہے اس خارجی رکاوٹ کی وجہ سے رک جاتی ہے کیونکہ بچہ نشو و نما اور پرورش کے لیے اپنے بدن کے اعضاء کو اچھی طرح سے حر ت نہیں دے پاتا... جن ممالک میں اس طرح کی وحشیانہ دیکھا بھال کا معمول نہیں ہے اس علات کے لوگ طاقت دریاوی ، بلند قامت اور متنا اعضاء کے حال ہوتے ہیں۔ اس کے برعس جن علاقوں میں بچوں کو کس باندھ دیا جاتا ہے وہاں پر بہت سے لوگ لولے لنگڑے ، ٹیے میھے، پست قامت اور عجی و غریب ہوتے ہیں... کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس طرح کی پرورش اور ایب وحشیانہ ع اس کے اخلاق اور مزاج کی کیفیت پر نامطلوب اثر نہیں ڈالیں۔ سے پہلا احساس اس میں درد اور قید و بند کا ہوتا ہے کیونکہ وہ ذرا بھی حر ت کرنا چاہتا ہے تو اسے رکاوٹ کے علاوہ پ نظر نہیں آتا اس کی حالت تو اس قیدی سے بھی بری ہوتی ہے جو قید بامستت . ت رہا ہوتا ہے۔ ای بچے ن کو ش کرتے رہتے ہیں ، پرا نہیں غصہ آتا ہے۔ پرا چیتنے چلاتے ہیں... اگر آپ کے بھی ہاتہ پواؤں بادسره د جائیں تو آپ اس بھی زیادہ او ر بلند تر چیتنیں چلائیں۔

بچہ بھی ایک انسان ہے اس میں بھی احساس اور شور ہے وہ بھی آزادی اور راحت کا طلا گلر ہے۔ اسے بھی اگر کس باندھ دیا جائے اور اس کی آزادی سل کر لی جائے تو اسے تالیف ہوتی ہے۔ لیکن وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتا اس کا ایک ن رد ہے گریہ و زاری اور داود فریاد اور اس کے سوا اس کا کوئی چارہ ن نہیں۔ یہ دباؤ، بے آرامی اور تالیف حدربجا بچے کے اعصاب اور ذن پر اثر انداز ہوتی ہے اور اسے ایک تند مزاج اور چڑچڑا شخص بنا دیتی ہے بچے کے لباس کو صاف سترا اور پاکیزہ رکھیں جب بھی وہ پیشاب کرے تو اس کا لباس تبد کریں

اس کے پاؤں کو دھوئیں اور زہنوں کے تیر سے اس کی ماش کریں تاکہ وہ خنکی اور سوزن کا شکار نہ ہو۔ چند مرتبہ پیشاب کے بسر بچے کو ہلائیں اور اسے پاک کریں اس طرح بچے کی صحت و سلاقی میں آپ اس کی مدد کر سکتے ہیں اور اسے بچنے کس نئی بیماریوں سے بچا سکتے ہیں۔ علاوہ انہیں بچہ نفیس و پاکیزہ ہوگا، آنکھوں کو بھلا گا اور اس سے پیدا کریں۔

پیغمبر اکرم (ص) نے فرمایا:

"اسلام دین پاکیزگی ہے۔ آپ بھی پاکیزہ رہیں کیونکہ فقط پاکیزہ لوگ بہشت میں داخل ہوں گے۔" (1)

پیغمبر اکرم (ص) نے فرمایا: "بچوں کو چلانا اور میا چیر سے پاک کریں کیونکہ شیطان انہیں سوٹھتا ہے پر بچہ خواب میں دڑتے ہے اور بے چین ہوتا ہے اور فرشتہ ناراحت ہوتے ہیں۔" (2)

بہنوں کا ختنہ کرنا ایک اسلامی رواج ہے اور واجب ہے۔ ختنہ بچے کی صحت و سلاقی کے لیے بھی مفید ہے ختنہ کر کے بچے کو میا چیر اور آلہ تنہا اور اضافی گوشت کے درمیان پیدا ہونے والے موزی جراثیم سے بچایا جا سکتا ہے۔ ختنے کو زمانہ بلوغ تک مؤخر کیا جا سکتا ہے لیکن بہتر ہے کہ پیدائش کے کھلے کھلے دنوں میں ہی یہ انجام پاجائے۔ اسلام حکم دیتا ہے کہ ساتویں دن نو مولود کا ختنہ کر دیا جائے۔ حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "اخذتوا اولادکم لسبعة ایام، فانہ اطهر و اسرع لنبات اللحم، و ان الارض لتکره بول الاعلف"

"ساتویں دن اپنے بچوں کا ختنہ کریں۔ یہ ان کے لیے بہتر بھی ہے اور پاکیزہ تر"

1_ مجمع الزوائد ج 5 ص 132

2_ بحار الانوار ج 104 ص 95

بھی نیز ان کی سرلیج تر نشو و نما اور پرورش کے لیے بھی مفید ہے اور یقیناً زمین اس انسان کے پیشاب سے کرات کرتی ہے کہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو" (1)۔

پیغمبر اسلام (ص) فرماتے ہیں: "اخذنوا اولادکم یوم السابیع فانہ اطہر و اسرع لنبات اللحم"

"نومور کا ساتویں دن ختنہ کریں تاکہ وہ پاک ہو جائے اور بہتر رشد و نمو کرے" (2)۔

عقیدہ کرنا بھی مستحبت مؤکد میں سے ہے۔ اسلام نے اس امر پر زور دیا ہے کہ ساتویں دن بچے کے بال کٹوائے جائیں اور اس کے بالوں کے وزن کے برابر سونے یا چاندی صدقہ دیا جائے اور اسی روز عقیدہ کے ور پر ذنبہ ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت فقیرا میں تقسیم کیا جائے۔

یا انہیں دعوت کر کے کھلایا جائے۔ عقیدہ کرنا ایک اچھا صدقہ ہے اور بچہ کی جان کی سلامتی اور دین بلا کے لئے مفید ہے۔

نومولود نہایت نازک اور ناتوان ہوتا ہے۔ اسے ماں باپ کی توجہ اور نگرانی کی بہت احتیاج ہوتی ہے۔ صحت و سلامتی پر رنج و بیماری کی بچپن میں انسان میں بنیاد پڑ جاتی ہے اور اس کی ذمہ داری ماں باپ پر عائد ہوتی ہے جو ماں باپ اس کے وجود میں آنے کا باعث بنے ہیں ان کا فریضہ ہے کہ اس کی حفاظت اور نہایت کے لیے کوشش کریں اور ایک سرسام اور تندرت انسان پروران چڑھائیں۔ اگر ماں باپ کی سہ انگاری اور غفلت کی وجہ سے بچے کے جسم و روح کو کوئی نقصان پہنچا تو وہ مسئلہ ہیں اور ان سے مؤاخذہ کیا جائے گا۔ بچہ دسیوں بیماریوں میں گر اہوتا ہے، جن میں سے بہت سی بیماریوں کو لا ہونے سے روکا جا سکتا ہے مسئلہ بچوں کا فاج، جسم پر چھالوں کا پیدا ہونا، خسرہ چپچک، خنق، تشنج

1_ وسأُ اثیر . ج 15 ص 161

2_ وسأُ اثیر . ج 15 ص 165

اور کلی کھانسی و نیرہ جیسی بیماریوں سے متعلقہ ٹکے لگوا کر (دیکسیشن کے ذریعے) بچے جا سکتا ہے خوش قسمتی سے شفا خانوں اور بس مراکز میں اس قسم کی بیماریوں کی روک تھام کا انتظام موجود ہے۔ اور رجوع کرنے والوں کو اس مقصد کے لیے منٹ ٹیکہ لگایا جاتا ہے۔ ماں باپ کے پاس اس بارے میں کوئی عذر موجود نہیں ہے۔ اگر وہ کوتاہی کریں اور ان کا عزیز بچہ فالج زدہ ہو جائے اور مختلف بیماریوں میں مبتلا ہو جائے یا آخر عمر تک ناقص اور بیمار رہ جائے تو وہ خدا اور اپنے ضمیر کے سامنے جواب دہ ہوں۔ بہر حال۔ ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ اپنی اولاد کی صحت و سلامتی کی حفاظت کے لیے کوشش کریں اور توانا اور صحیح و سالم انسان پروان چڑھائیں۔

بچے کی عیند اور آزادی

چند ابتدائی ہفتے نو مولود زیادہ وقت سویا رہتا ہے۔ شاید رات دن وہ عیند گھنٹے سوتا ہے لیکن رفتہ رفتہ اس کی عیند کی مدت کمتر ہوتی جاتی ہے۔ نو مولود کو عیند اور مکمل آرام کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ شور و شین اور مزاحمت سے وہ بیزار اور متنفر ہوتا ہے۔ وہ پر سکون ماحول کو پسند کرتا ہے تاکہ آرام سے سوسکے اور اس میں اسے کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ زیادہ چوما چٹائی اور ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں گردش اور دوسروں کو دکھاتے رہنے سے بچے کا آرام و استراحت تباہ ہو جاتا ہے۔ زیادہ غپاڑا اور ریٹیلو اور ٹیلیس وین کی سمع خراش آوازیں بچے کے نازک اعصاب کو متاثر کرتی ہیں۔ بچے کی مزے کی عیند کو بے مقصد خراب نہیں کرتا چاہیے اور اسے خواہ مخواہ اور ادراک نہیں لے جانا چاہیے۔ ایسی حرکتیں بچے کے آرام کو برباد کر دیتی ہیں اور اس کے اعصاب کو متاثر کرتی ہیں۔ اگر یہ سلسلہ جاری رہے تو ممکن ہے بچے میں تند مزاجی، رج خلتی، چڑچڑاہٹ اور اضطراب پیدا ہو جائے۔

زیادہ شور و سے اور ادراک لے جائے جانے سے نو مولود نفرت کرتا ہے۔ البتہ وہ ملنے جلنے کا مخالف نہیں ہے۔ اسے لچھا لکتا ہے کہ ماں کی گود میں یا گہوارے میں اسے حریت دی جائے۔ ملنے جلنے وہ سکون محسوس کرتا ہے اور اس کا دل خوش ہوتا ہے۔ کیونکہ حریت اس امر کی علامت ہے کہ کوئی اس کے قریب موجود ہے اور اس کی دیکھا بھال کر رہا ہے۔ جب کہ خاموشی اور بے حریتی تنہائی کی نشانی ہے علاوہ انہی عام چیزیں میں بچہ ماں کے گہوارے شکم میں حریت کرتا رہا ہے اسی وجہ سے اے مرحلے میں بھس

چاہتا ہے کہ ویسی ن کیفیت جاری رہے۔ بچہ ماں کی پیاری اور میٹھی لوریوں سے بھی احساس راحت کرتا ہے۔

بچے کی زندگی کا پہلا سال اس کے پٹھوں اور اعضاء کی مشق کا سال ہے۔ بچہ پسند کرتا ہے کہ آزادانہ حر ت کسے اور اپنے ہاتھ پاؤں مارے نومولود کا لباس نرم اور کھلا ہونا چاہیے۔ بچے کو تہ درتہ کہ روں میں کس باندھ دینے سے اس کی آزادی حر ت جاتی رہتی ہے اور اس سے اس کے اعصاب پر اثر پڑتا ہے۔ جس بچے کی آزادی چھین لی جائے اس کے پاس رونے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا

لہذا وہ داؤد فریاد کرتا رہتا ہے۔ اور اعصاب کی یہی بے آرامی ممکن ہے تند مزاجی اور شدید غصیلے پن کا مترمہ بن جائے۔

نو ولود اور اخلاق تربیت

جب بچہ دنیا میں آتا ہے تو بہت کمزور ہوتا ہے۔ عقلاً بالقوت رکھتا ہے مگر یہ چیز سمجھتا نہیں، نکر اور سوچ بچہ نہیں کرتا، آہل سے دیکھتا ہے لیکن کسی چیز کو پہچانتا نہیں۔ رنگوں اور شہلوں کو متشخص نہیں کر پاتا، دوری اور نزدیکی، بزرگی اور بچپن کو نہیں سمجھتا، آوازیں سنتا ہے لیکن ان کے مدانی اور خصوصیات اس کی سمجھ میں نہیں آتے اور یہی حالت اس کے تمام حواس کی ہے مگر وہ سمجھنے اور کمال تک پہنچنے کی وقت و اسرار رکھتا ہے تدریجاً تجربوں سے گزرتا ہے اور چیزوں کو سمجھنے لگتا ہے۔ اللہ قرآن میں فرماتا ہے :

واللہ اخرجکم من بطون امہاتکم لا تعلمون شیئاً و جعل لکم السمع و الابصار و الافئدة لعلکم تشکرون
اللہ نہ تمہیں ہماری ماؤں کے پیٹوں سے اس عام میں نکالا کہ تم نہ جانتے تھے اور تمہیں کان، آنکھیں اور دل عطا کیا شاید کہ تم شکر گزار ہو جاؤ۔

سورہ نوحہ 78

بچے کی زیادہ تر مصروفیات یہ ہیں کہ وہ کھاتا ہے، سوتا ہے۔ ہاتھ پاؤں مارتا ہے روتا ہے اور پیشاب کرتا ہے۔ چند ہفتوں تک وہ ان کاموں کے علاوہ نہیں کر سکتا۔ نومولود کے ابتدائی کام اگرچہ بہت سادہ سے اور چند ایک ہیں لیکن انہیں کسے ذریعے سے بچہ دوسرے لوگوں سے ارتباط پیدا کرتا ہے، تجربے کرتا ہے، عادتیں بناتا ہے اور علم حاصل

کرتا ہے۔ یہی راب اور حجر بے ہیں کہ جن سے بچے کی آئندہ کی اخلاق اور معاشرتی شخصیت کی بنیاد پڑتی ہے اور وہ تشکیک پاتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

الا یام تو ضح السرا ترا لکا منہ

جوں جوں دن گزرتے ہیں بھید کلتے ہیں (1) بچہ ایک کمزور معاشرتی فرد ہے کہ جو دوسروں کی مدد کے بغیر نہ زسرہ رہ سکتا ہے

اور نہ زندگی، بسر کر سکتا ہے اگر دوسرے اس کی مدد کو نہ لیں اور اس کی احتیاجات کو پوانے کریں تو وہ مر جائے گا۔ نو مولود کس

جسمانی صحت اور پرورش جن کے ذمے ہوتی ہے اس کی اخلاق، اجتماعی یہاں تک کہ دینی تربیت اور رشد بھی انہیں سے وابستہ ہے

سبج رار اور احساس دمہ داری کرنے والے ماں باپ اپنے صحیح اور سوچے سمجھے طرز سے نو مولود کی ضروریات کو پورا کر سکتے ہیں اور

اس کے جسم و روح کی پرورش کے لیے بہترین ماحول فراہم کر سکتے ہیں اور اس کی حساس اور بے آلائش روح میں پاکیزہ اخلاق اور

نیک عادات پیدا کر سکتے ہیں۔ اسی طرح ایک نادان تربیت کرنے والا اپنے غلط طرز اور اشتباہ سے ایک نو مولود کے پاک اور بے

آلائش نس میں برے اخلاق اور ناپسندیدہ عادات پیدا کر سکتا ہے۔

نو مولود کو بھوک لگتی ہے اور اسے غذا کی ضرورت ہوتی ہے وہ اپنی ضرورت کا احساس کرتا ہے اور وہ ایک بڑی قوت کی طرف توجہ

کرتا ہے کہ جو اس کی ضروریات کو بر طرف کر سکتی ہو اسی لیے وہ روتا ہے، شور مچاتا ہے کہ اس کی فریاد کو پہنچا جائے اور اس کس

ضرورتوں کو پورا کیا جائے اگر بچے کی داخلی خواہشات کی طرف پوری توجہ کی جائے اور ایک صحیح پروگرام تربیت و یا جائے اسے معین

مواع پر و ضروری مہرا میں دودھ یا جائے تو وہ آرام محسوس کرتا ہے مطمئن ہو کے سوتا ہے اور معین اوقات پر جب اسے بھوک لگتی

ہے

تو بیدار ہوتا ہے پُر دودھ پیتا ہے اور پُر سو جاتا ہے ایسے بچے کے اعصاب آرام و راحت سے رہتے ہیں۔ اس سے اضطراب اور بے چینی نہیں ہوتی، اسے زندگی میں اچھے اخلاق، بر اور نظم و ضبط کی عادت پڑ جاتی ہے اس کی حساس روح میں دوسروں پر اطمینان اور حسن نیت کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ نومولود زندگی کے اس مرحلے میں کہ جب وہ کسی کو نہیں پہچانتا فطری طور پر دو امور کی طرف توجہ رکھتا ہے۔ ایک ہنسی ناتوانی اور نیاز مندی کا اسے پورا احساس ہوتا ہے اور دوسری طرف ایک بڑی اور مطلق توجہ کی طرف توجہ۔ رکھتا ہے کہ جو تمام احتیاجات کے لئے ملجا پناہ گاہ ہے اسی سب سے رونا ہے اور اس بر توجہ کو مدد کے لیے پکارتا ہے کہ جسے وہ پہچانتا نہیں اور وہ نبی توجہ اہل جہان کو پیدا کرنے والی ہے بچہ اپنے ضعف و ناتوانی کی وجہ سے اپنے آپ کو ایک بے نیاز طاقت سے وابستہ اور متعلق سمجھتا ہے۔ اگر یہ احساس تغل آرام کے ساتھ بخوبی بندھا رہے تو بچے کے دل میں ایمان اور روحانی سکون کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

((رونے پر بچوں کو نہ مارنا بلکہ ان کی ضروریات کو پورا کرنا کیوں کہ چار ماہ تک بچے کا رونا پروردگار عام کے وجود اور اس کس وحدانیت پر گواہ ہوتا ہے (1)

چار ماہ پورے ہونے سے پہلے نومولود ابھی ایک مائتھی وجود نہیں بنا ہوتا۔ کسی کو نہیں پہچانتا۔ جتنی ہنسی ماں اور دوسروں میں فرق نہیں کر پاتا اور ماؤں کے بقول وہ دوری نہیں کرتا یہی چار ماہ ہیں کہ بچہ اس ایک ذات کی طرف متوجہ ہوتا ہے لیکن جو بچہ۔ ماں کی غفلت اور سستی کی وجہ سے صحیح اور معظّم توجہ اور غذا سے محروم ہو جاتا ہے ناچار گاہ بگاہ روتا ہے اور شور کرتا ہے تاکہ۔ کوئی اس کی مدد کو پہنچے۔ ایسے بچے کے

اعصاب اور ذہن ہمیشہ مضطرب اور دگرگوں رہتے ہیں اور اسے آرام نہیں ملتا۔ آہستہ آہستہ وہ چڑچڑ اور تندر خو ہو جاتا ہے۔ اس کے اندر بے اتمندی اور پریشانی کی حس پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ایک نامعظم اور ڈھیر و جود بن جاتا ہے۔

نو ولود اور دنی تربیت

یہ صحیح ہے کہ نو مولود الفاظ اور جملے نہیں سمجھتا۔ مناظر اور شلوں کی خصوصیات کو پہچان نہیں سکتا۔ لیکن آوازوں کو سہتا ہے اور اس کے اعصاب اور ذن اس سے متاثر ہوتے ہیں اسی طرح سے مناظر اور شلوں کو دیکھتا ہے اور اس کے اعصاب اس سے بھس متاثر ہوتے ہیں۔ لہذا اس بنیہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دیکھی جانے والی اور سنی جانے والی چیزیں نو مولود پر اثر نہیں کرتیں اور وہ ان کے بارے میں بالک لائق ہوتا ہے۔ نو مولود اگر چہ جملوں کے مانی نہیں سمجھتا لیکن یہ جملے اسکی حساس اور ظریف روح پر نش پیدا کرتے ہیں۔ بچہ رفتہ رفتہ ان جملوں سے آشنا ہو جاتا ہے اور یہی آشنائی ممکن ہے اس کے آئندہ کے لیے مؤثر ہو۔ جس لفظ سے ہم زیادہ متاثر ہوتے ہیں اس کے معنی کو بہتر سمجھتے ہیں۔ نا آشنا افراد کی نسبت آشنا افراد کو ہم زیادہ پسند کرتے ہیں ایک بچہ ہے کہ جو دینی ماحول میں پرورش پاتا ہے، سینکڑوں مرتبہ اس نے تلاوت قرآن کی دلربا آواز سنی ہے، اللہ کا خوبصورت لفظ اس کے کالوں سے ٹکرایا ہے اور اس نے اپنی آنکھوں سے بارہا ماں باپ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ دوسری طرف ایک نو مولود ہے کہ اس نے برے اور بے دین، ماحول میں پرورش پائی ہے، اس کے کانوں نے غلیظ اور گندے سنے ہیں اور اس کس آنکھیں نش مناظر دیکھنے کی عادی ہو گئی ہیں یہ دونوں بچے ایک جت نہیں ہیں۔

سبج رار اور ذمہ دار ماں باپ اپنے بچوں کو تربیت کے لیے کسی موقع کو ضائع نہیں کرتے یہاں تک کہ اچھی آوازیں اور اچھے مناظر سے انہیں مانوس کرنے سے بھی غفلت

نہیں کرتے۔

رسول اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے بھی اس حساس تربیتی نکتے کو نظر انداز نہیں کیا اور اپنے پیروکاروں کو حکم دیا ہے کہ "جو نہی بچہ دنیا میں آئے اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہیں"۔

حضرت علی علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے روایت کی ہے کہ آپ (ص) نے فرمایا:

جس کے ہاں بھی بچہ ہوا سے چاہیے کہ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہے تاکہ وہ شر شیطان سے محفوظ رہے۔ آپ نے امام حسن (ع) اور امام حسین (ع) کے بارے میں بھی اسی حکم پر ۶ کرنے کے لیے کہا۔ علاوہ انہیں حکم دیا کہ ان کے کانوں میں سورہ حمد، آیۃ الکرسی، سورہ حشر کی آخری آیت، سورہ اخلاق، سورہ والناس اور سورہ الفلق پڑھی جائیں۔^(۱)

بعض احادیث میں آیا ہے :

خود رسول اللہ نے امام حسن (ع) اور امام حسین (ع) کے کان میں اذان و اقامت کہی۔

ہاں

رسول اسلام جانتے تھے کہ نو مولود اذان، اقامت اور قرآنی الفاظ کے مانی نہیں سمجھتا لیکن یہی الفاظ بچے کے ظریف اور لطف پر اعصاب پر جو اثر مرتب کرتے ہیں آپ (ص) نے اسے نظر انداز نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کس اس نکتے کس طرف توجہ تھی کہ یہ جملے بچے کی روح اور نفسیات پر نش مرتب کرتے ہیں اور اسے ان سے مانوس کرتے ہیں۔ اور الفاظ سے پیر۔ مانوسیت بے اثر نہیں رہے گی۔ علاوہ انہیں ممکن ہے کہ اس تاکید حکم کے لیے رسول (ع) کے پیش نظر کوئی اور بہت ہو۔ شاید وہ چاہتے ہوں کہ ماں باپ کو متوجہ کریں کہ بچے کی تعلیم و

تربیت کے بارے میں سہہ انگاری درت نہیں ہے اور اس مقصد کے لیے ہر ذریعہ اور ہر موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے جب ایک بہتر شہر و مریٰ نومولود کے کان میں اذان اور اقامت کہتا ہے تو گویا اس کے مستقبہ کے لئے واخ و ر پر اعلان کرتا ہے اور اپنے پیارے بچے کو خدپرستوں کے گروہ سے مل کر دیتا ہے۔

بچے پر ہونے والے اثر کا تعلق صرف سماعت سے متعلق نہیں ہے بلکہ مجموعی و ر پر کہا جاسکتا ہے کہ جو چیز بھی بچے کے حواس، ذن اور اعصاب پر اثر انداز ہوتی ہے اس کی آئندہ کی زندگی سے لاتعلق نہیں ہوتی معلاً جو نومولود کوئی بے حیائی کا کام دیکھتا ہے اگرچہ اسے سبب نہیں پاتا۔ لیکن اس کی روح اور نفسیات پر اس برے کام کا اثر ہوتا ہے اور یہاں ایک چھوٹا کام ممکن ہے اس کے انحراف کی بنیاد بن جائے۔ اسی لیے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا ہے:

"گہورہ میں موجود بچہ اگر دیکھا رہا ہو تو مرد کو نہیں چاہیے کہ ہنی بیوی سے مباشرت کرے" (1)

اساس و استغنی

نومولود بہت کمزور سا وجود ہے جو دوسروں کی مدد کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے نہ پرورش پا سکتا ہے نو مولود ایسا محتاج وجود ہے جس کو ضروریات دوسرے پوری کرتے ہیں۔ جب وہ ر م مادر میں تھا تو اسے نرم و گرم جہ میسر تھی۔ وہاں اس کی غذا اور حرارت کیاحتیاج ماں کے ذریعہ پوری ہونے لگی تھی۔ وہ ہمیں سے ایک گوشے میں پڑا تھا اور اپنی ضروریات کے لیے بالکل بے فکر تھا۔ اب جب کہ وہ دنیا میں آیا ہے تو احساس نیاز کرتا ہے۔ بچے کا پہلا پہلا احساس شدید سردی کے بارے میں ہوتا ہے اور اس کے سر بھوک کے بارے میں۔ اسے پہلی بار احساس ہوتا ہے کہ حرارت اور غذا کے لیے وہ دوسرے کا محتاج ہے۔ اس مرحلے میں وہ کسی کو نہیں پہچانتا۔ اپنی ضروریات کو فطرتاً سمجھتا ہے اور ایک انجینی قدرت مطلقہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اپنے تئیں اس قدرت مطلقہ سے منکک سمجھتا ہے۔ اسے انتظار ہوتا ہے وہ قدرت اس کی ضروریات پورا کرے گی۔ بچہ زندگی کی ابتدا میں کسی سے وابستگی کا احساس کرتا ہے اور یہ احساس زندگی کے تمام مراحل میں اس کے ساتھ رہتا ہے۔ بھوک یا پیاس۔ تو دوسروں کو متوجہ کرنے کے لیے روتا ہے۔ ماں کے سینے سے چمکانا ہے اور اس کی محبتوں اور لوریوں سے سکون محسوس کرتا ہے۔ اگر اسے کوئی تالیف ہو یا کسی خطرے کا احساس کرے تو ماں کے دامن میں پناہ لیتا ہے۔

یہی وابستگی اور احساس ضرورت ہے جو ہر دوسرے لوگوں کی تقلید کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ ایک نفسیاتی وابستگی ہے۔ بچہ اپنے اخلاق اور طرز کو اپنے

ارد گردوالوں کے اخلاق اور طرز ع کے مطا. ڈھالتا ہے۔ یہی احساس تغل ہے جو بار ازاں کھیلوں اور دوسرے سے * ج۔ کسر کام کرنے اور دوت بنانے میں ظاہر ہوتا ہے۔ بیوی بچوں سے انت و محبت کا سرچشہ. بھی یہی احساس ہے اجتماعی زندگی کی طرف میلان، باہن تاون اور * ج کر کام کرنے کا مزاج بھی اسی احساس سے تکلیک پاتا ہے۔ احساس وابستگی کو کوئی معمولی سی چیز نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ یہ بچے کی اخلاقی اور سماجی تربیت اور اس کی تکمیلی شخصیت کا لیک اہم ذریعہ ہے۔ اگر اس احساس وابستگی و تغل کی صحیح ور پر راہنمائی کی جائے تو بچہ آرام و سکون محسوس کرتا ہے۔ وہ پر اتملا اور خوش مزاج ہو جاتا ہے۔ اچھی امیدوار تو کس کیفیت اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسروں کے بارے میں اس میں حسن ن پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح م اثرتی زندگی کی طرف قہرم بڑھاتا ہے۔ دوسروں کو اچھا سمجھتا ہے اور ان سے تاون کی امید رکھتا ہے۔ جب م اثرے کے بارے میں اس کے رائے اچھیں ہوگی تو اس سے تاون بھی کرے گا اور اس کے لیے اپنا بھی کرے گا۔ م اثرے کے لوگ بھی جب اسے اپنا خیر خواہ اور خسرمت گزار سمجھیں۔ تو وہ بھی اس سے اظہار محبت کریں۔

اس کے برعس اگر یہ گراں ہما احساس پلا جائے اور اس سے صحیح ور پر استفادہ نہ کیا جائے تو خدا نے جو صحیح راستہ بچے کے لیے مقرر کیا ہے اس کی اجتماعی زندگی اس سے بھٹک جائے گی۔ ماہرین نفسیات کا نظریہ ہے کہ بہت سے مواتح پر خوف، اضطراب، بے اتملائی، بدگمانی، شرمندگی، گوشہ نشینی، افسردگی اور پریشانی یہاں تک کہ خودکشی اور جراثیم کی بنیاد بچپن میں پیش آنے والے واقعات ہوتے ہیں

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بچے کے احساس وابستگی کو صحیح طرح سے مطمئن کریں تو ہمیشہ اس کے مددگار ہیں۔ جب اسے بھوک سے تو غذا دیں اور اس کے لیے آرام و راحت کا سامن فراہم کریں۔ اگر اسے درد ہو یا کوئی اور تالیف پیش آئے تو ذرا اس کی داوری کریں۔ اس کی میند اور خوراک کو منظم رکھیں۔ اس طرح سے کہ اسے بالک پریشانی نہ ہو اور وہ آرام کا احساس کرے۔

نو مولود کو ماہیہ نہ کریں۔ نو مولود پ نہیں پہچانتا۔ اسے صرف اپنی ضرورت کا احساس

ہوتا ہے اور ایک اجنبی قدرت پر رُوسہ کرتا ہے۔ وہ رنے کی زبان سے اس کی پناہ حاصل کرتا ہے اور ہنی احتیاج کا اظہار کرتا ہے۔
 ماریہ کے ذریعے اسے ملبوس اور بدن نہ کر دیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا:

"بچوں کو رونے پر مارنا نہ چلیے، لکن چار ماہ تک اپنے اس رونے کے ذریعے وہ اللہ اور اس کی توحید کی گواہی دیتے ہیں" (1)۔

ہر حال میں بچے کے مددگار رہیں اگر وہ کوئی انجام دینا چاہتا ہے اور آپ اس کی مدد نہیں کر سکتے تو بھی اس سے نوازش و محبت سے پیش آئیں۔ اگر بچہ پریشان ہو اور وہ ناراحتی محسوس کرتا ہو تو اس پریشانی کے اسباب ختم کریں اور اس کو مطمئن کریں اس سے ہرگز ڈانٹ نہ کریں اور یہ نہ کہیں کہ میں تمہیں چھوڑ کر جاؤں ہوں۔ کیونکہ یہی ڈانٹ ڈپے ممکن ہے اس کی روح پر برا اثر کرے اور اسے پریشان کر دے۔ بچہ چاہتا ہے کہ وہ ماں باپ اور دوسروں کو محبوب ہو۔ اگر ماں باپ اس سے محبت نہ کریں تو وہ اس پر سخت پریشان ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ کو شکر کرتا ہے کہ ان کا پیارا اور محبت ہمیشہ باقی رہے۔ بعض ماں باپ بچے کے اس جذبے سے استفادہ کرتے ہیں اور بچے کو ڈانٹتے ہیں کہ اگر تو نے یہ کام نہ کیا تو ہم تم سے پیدا نہیں کریں۔ لیکن آپ کو چاہیے کہ اس حربے کو استعمال نہ کریں۔ کیونکہ اس طرح کی ڈانٹ ممکن ہے تدریجاً بچے کی روح پر برے اثرات مرتب کرے اور اس سے اس کا ختم اور آرام جانا رہے اور یہ بچے کے ضعیف اعصاب اور داخلی اضطراب کا سبب بن جائے۔ اگر وہ رورہا ہو یا شور کر رہا ہو تو وہ یہ نہیں چاہ رہا ہوتا کہ آپ کو بے آرام کرے بلکہ وہ آپ کی توجہ مبذول کرنا چاہ رہا ہوتا ہے تاکہ آپ اس کی بہت سہیں۔ آپ بر اور سبج راری کے ساتھ اس کی بے آرامی کی وجوہ سمجھیں اور اس بے آرامی کو دور کریں۔ تاکہ اس سے آرام ملے۔ اگر آپ اسے رونے پر ڈانٹیں۔ یا ماریں۔ تو ممکن ہے وہ خاموش ہو جائے۔ لیکن کیسے خاموش؟ ایک اضطراب آمیز

ملیوسانہ خاموشی کہ جو بہت خطرناک ہے جو ممکن ہے اس کے مستقبل کو دگرگوں کر دے۔ ماں باپ کی موجودگی سے بچہ ہمیشہ خوش رہتا ہے اور ان کی جدائی سے وحشت کھاتا ہے۔ آپ بھی اپنی موت کے بارے میں سے بات نہ کریں کیونکہ یہ اس کس پریشانی اور وحشت کا سبب ہوگی۔ اگر آپ بیمار ہو جائیں تو موت کا ذکر نہ کریں۔ بلکہ اپنے بچوں کو پر امید رکھیں اور ان کا حوصلہ بڑھائیں اگر آپ ایک عرصے کے لیے بچوں سے دور ہونے پر مجبور ہوں تو پہلے انہیں اس پر آمادہ کریں۔ ان کا دل بڑھائیں پھر سفر اختیار کریں اور اس کے بارے میں ہمیشہ ان سے براہِ برقرار رکھیں اور نامہ و پیام کے ذریعے سے ان کی دھارس بندھاتے رہیں۔

اگر آپ کا بچہ بیمار ہو جائے تو دوا کھلانے کے لیے اسے موت سے اور اچھا نہ ہونے سے نہ ڈرائیں۔ بلکہ ایسے مواقع پر تشویش کس راہ اختیار کریں اور اسے صحیح ہو جانے کی امید دلائیں۔ یہاں تک کہ اسے اگر کوئی خطرناک بیماری ہو تو ہنی پریشانی اور اضطراب کو اس سے چھپائے رکھیں۔ مختصر یہ کہ پوری عمر اپنے بچوں سے ایسا سلوک رکھیں کہ وہ آپ کو اپنا بہترین غمناک اور غمخوار سمجھیں۔

البتہ اس بات کا خیال رہے کہ بچے سے اظہارِ محبت ضروری حد تک اور ضروری مقامات پر ہونا چاہیے۔ اس طرح سے کہ وہ لا ڈیڈ سے بگڑ نہ جائے اور خود اتمداری سے محروم نہ ہو جائے۔ جہاں بچہ واقعی کوئی کام نہ کر سکتا ہو اس کی مدد کرنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ ایک کام خود کر سکتا ہے اور اسے مدد کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ دوسروں پر رعبہ جمانے کے لیے شور کر رہا ہو تو اس کس طرف اتنا نہیں کرنا چاہیے۔

ر لکھتا ہے :

اگر بچہ کسی وجہ اور واضح علت کے بغیر روئے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے اور وہ جتنا چلانیے دیں۔ ایسے مواقع پر اگر کوئی اور روش اپنائی گئی تو وہ جاری نہ ایک جاہر حاکم کی صورت اختیار کر لے گا

ایہ مواقع کہ جہاں ضرورت ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے وہاں بھی افراط سے کام نہیں لینا چاہیے بلکہ - حس - ضرورت طرز
لینا ناچاہیے اور زیادہ ن اظہار محبت نہیں کرنا چاہیے (1)۔

1_ در تربیت ، ص 79

نہ بار کی دنیا کو دینے لتا ہے

بچہ ایک چھوٹا سا انسان ہوتا ہے اور انسان مدنی بالبع ہے۔ مدد اور تاون کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ زور سگزا سکتا ہے دوسروں کی طرف توجہ رکھتا ہے ان سے استفادہ کرتا ہے اور انہیں فائدہ پہنچاتا ہے۔ لیکن نومولود اپنی زندگی کے ابتدائی مہینوں میں کسی کو نہیں پہچانتا اور دوسروں کی طرف توجہ نہیں کرتا یعنی اجتماعی مزاج ابھی اس میں ظاہر نہیں ہوا ہوتا جب تقریباً چار ماہ کا ہو جاتا ہے تو آہستہ آہستہ مدنی بالبع ہونے کے آثار اس میں ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اس وقت وہ اپنے سے خارجی دنیا اور اپنے ارد گرد کے موجودات کی طرف توجہ کرتا ہے وہ ماں کی حرکت و سکنت کو دیکھتا رہتا ہے۔ ماں کی حرکت پر اپنا رویہ ظاہر کرتا ہے مکرر کے جواب میں مکرر ہے اور اس کی را بردوں کے جواب میں اپنے اردوں کو حر ت دیتا ہے بچوں کے کھینے کو حیرت سے دیکھتا ہے، اٹکیلیاں کرتا ہے اور مکرر ہے دوسروں کے جذبات کو محسوس کرتا ہے، غصے پر اپنے تپیل پیچھے کھینے لیتا ہے۔ خوش دخرم چرے اور محبت آمیز آواز ہو تو ہک ہک کر قریب آتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اسے مٹھا دیا جائے تاکہ دنیا کو اپنے سامنے دیکھے۔

جب بچہ اس مرحلے میں پہنچ جائے تو ماں باپ کو توجہ رکھنا چاہیے کہ بچے میں اجتماعی احساسات پیدا ہو چکے ہیں اور وہ اب خانہ ران کا ایک باقاعدہ حصہ بن گیا ہے۔ دوسروں کی طرف توجہ رکھتا ہے اور ان کے جذبات کو کسی حد تک محسوس کرتا ہے۔ اب نہیں چائے کہ اسے بے شور

اور لا تعلد سمجھا جائے اور اس سے لا تعلد ہا جائے۔ ان چارہ کی مدت میں اس نے تجربے کیے ہیں اور چیزوں کو یاد کیا ہے وہ اب خارجی دنیا کو دیکھنے والا اور اجتماعی وجود رکھنے والا انسان ہے۔ یہ احساس اگرچہ بہت سلاہ اور بل یک ساہے۔ لیکن یہ اس کس آئسہہ کی مفہ اجتماعی زندگی کا ا ہے۔ اگر ماں باپ اپنے بچے کے اس نئے احساس کو پہچانیں اور سوچ سب کر عقلی بنیادوں پر اس کس تکمیل کی کوشش کریں تو وہ ایک اجتماعی شہور رکھنے والا مفید انسان پروان چڑھا سکتے ہیں لیکن خارجی دنیا کا یہ احساس آہستہ آہستہ دب جاتا ہے اور بچہ داخلی دنیا کی ہولناک وادی کی طرف لوٹ جاتا ہے اور یہ بذات خود نقصان وہ صفات میں سے ہے۔ اسی صفت کس وجہ سے انسان گوشہ نشینی پسند کرنے لتا ہے اور خود بین ہو جاتا ہے۔ م اثرے اور م اثرتی کاموں سے گریزاں ہو جاتا ہے دوسروں کے بارے میں بدگمال ہو جاتا ہے اور احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے۔ تاوں اور ہمکاری سے ڈرتا ہے اور خوف کھاتا ہے۔

اس موقع پر ماں باپ کے سر پر نئی ذمہ داریاں آجاتی ہیں۔ انہیں چاہیے کہ بچے کو باشہور سمجھیں کہ جو ان کے جذبات کو محسوس کرتا ہے اور ان کے کردار سے اثر قبول کرتا ہے۔ بچے کو بھول نہیں جانا چاہیے اور ہمیشہ اس کی طرف توجہ رکھنا چاہیے اس سے م کراتے برتنوں اور اور خوش و

و خرم چہرے سے لاقات کرنا چاہیے۔ اس سے محبت آمیز انداز سے بات کرنا چاہیے۔ پیلہ برے انداز سے بوسہ لے کر اس سے اظہار محبت کرنا چاہیے۔ ایک مہربان ماں اپنے سر اور گردن کی حر سے، اپنے چشم و آبرو کے اشارے سے، ہنس میٹھس م کرا سے اور ہنس محبت آمیز گنا سے بچے کی حس اجتماعی کو تقویت پہنچا سکتی ہے اور اسے خارجی دنیا کس طرف متوجہ کر سکتی ہے کھیلنے کی اچھی اچھی اور منا چیزوں کے ذریعے اسے خارجی دنیا کی طرف متوجہ کیا جاسکتا ہے۔

بچے کی اندرونی خواہشات اگر ٹھیک طریقے سے پوری کردی جائیں تو وہ آرام اور سکون محسوس کرتا ہے۔ دوسروں کے بارے میں خوش بین ہو جاتا ہے۔ لوگوں کو خیر خواہ، مہربان اور ہمدرد سمجھتا ہے۔ جب م اثرہ اس سے لچھا سلوک کرتا ہے اور اس کی اندرونی خواہشات کا مثبت جواب دیتا ہے تو بچہ بھی اس سے خوش بین اور مانوس ہو جاتا ہے۔ اس طرح کا

طرز کر بچے کی روح اور جسم پر اچھے اثرات مرتب کرتا ہے اور اس کی آئندہ زندگی کے لیے اچھی بنیاد بنتا ہے اچھے ماں اور باپ بچے کو مارتے نہیں ، ترش روٹی سے پیش نہیں آتے اور اس کی زندگی کو تلخ نہیں بناتے کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ۔ اس طرح کا احمقانہ رویہ بچے پر روحانی اور نفسیاتی اتہاد سے برے اثرات مرتب کرتا ہے اور اس کے جذبات اور پاک احساسات کو مجروح کر دیتا ہے اور اس کی شکستگی کا باعث بنتا ہے ۔ اسی نیر عالمانہ طرز کا نتیجہ ہوتا ہے کہ بچہ ڈر پوک ، احساس کمتری کا شکار ، گوشہ نشین ، بد بین اور دل گرفتہ ہو جاتا ہے ۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

ہنی اولاد کا احترام کرو اور ان کی اچھی تربیت کرو تا کہ اللہ تمہیں بخش دے (1)

محبت

انسان محبت کا پیا سا ہے محبت دلوں کو زندگی بخشتی ہے۔ جو اپنے آپ کو پسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ دوسرے اس سے محبت کریں، محبوبیت کا یہ احساس اس کے دل کو شاد کر دیتا ہے۔ جب یہ معلوم ہو کہ اسے کوئی بھی پسند نہیں کرتا وہ اس پر آشوب زندگی میں اپنے آپ کو تنہا اور بے کس سمجھتا ہے۔ اس وجہ سے وہ ہمیشہ افسردہ اور پر مدہ رہتا ہے۔ بچہ بھی ایک چھوٹا سا انسان ہے اور اسے بڑوں کی نسبت محبت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ بچہ یہ نہیں سمجھتا کہ محبت میں زندگی گزار رہا ہے یا جھونپڑی میں۔ البتہ یہ خوب سمجھتا ہے کہ دوسرے اس سے محبت کرتے ہیں یا نہیں۔ اس احساس محبت سے وہ آرام و سکون کے ساتھ ہنس نشوونما کے راستے پر گامزن ہو سکتا ہے اور انسانیت کی بلند صفات حاصل کر سکتا ہے۔ اچھے اخلاق کا سرچشمہ محبت ہے۔ محبت کے سر تو میں بچے کے جذبات اور احساسات کو اچھے طریقے سے پروان چڑھا یا جا سکتا ہے اور اسے ایک اچھا انسان بنا یا جا سکتا ہے جس بچے کو برپور محبت ملی ہو اس کی روح شاد اور دل پر نشاط ہوتا ہے۔ وہ احساس محرومی کا شکار ہو کر بڑا درد ظاہر نہیں کرتا۔ خوش بین، خوش مزاج اور پر اتملا ہوتا ہے۔ اس فطری نشوونما کی وجہ سے وہ نفسیاتی مہلت کا شکار نہیں ہوتا۔ خیر خواہ اور انسان دوست بن جاتا ہے۔ کیونکہ وہ محبت کے میٹھے چشمنے سے سیراب ہوا ہوتا ہے لہذا چاہتا ہے کہ دوسروں کو بھی اس سے سیراب کرے۔ وہ لوگوں سے ایسا سلوک کرتا ہے جیسا اس سے کیا جاتا ہے۔

جو بچہ پیدا محبت کے ماحول میں پرورش پاتا ہے وہ دورانِ بلوغت پیش آنے والی مشکلات اور جسمانی و نفسیاتی تباہیوں کا بہتر سرور پر مقابلہ کر سکتا ہے۔ جس لڑکی کو ماں باپ سے محبت ملی ہو اور اس کا گریلو حول محبت سے معمور ہو وہ جوانی میں بے کسی اور محرومی کا احساس نہیں کرتی۔ وہ کسی خود غرض لڑکے کے چند محبت آمیز جملے سن کر اپنے متین اس کے سپرد کر کے اپنا مستقبل تباہ نہیں کر دیتی۔ جس نوجوان نے پیدا اور محبت کے ماحول میں پرورش پائی ہو وہ احساسِ محرومی کا شکار نہیں ہوتا کہ اسے برائیوں، مشائیت اور شراب کے مراکز پناہ کی ضرورت پڑے۔

نفسیاتی نکتہ نظر سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ وہ بچے جنہیں خوب محبت ملی ہو ان بچوں کے مقابلے میں زیادہ ہوشمند اور صحیح و سراسر ہوتے ہیں جو پرورش گاہوں میں پلے ہوں۔ اگرچہ پرورش گاہوں میں بلنے والے بچے غذا اور حفظانِ صحت کے اتہا سے اچھے ہوں، مگر جس نے جذبات سے عاری سرد ماحول میں پرورش پائی ہو اور ماں باپ کی مہر و محبت نہ دیکھی ہو اس شخص کی کیفیت اطمینان بخش اور فطری نہیں ہوگی۔ جس شخص نے محبت کا ذائقہ نہ چکھا ہو وہ اسے دوسروں پر کیسے نظر کر سکتا ہے۔ ایب محروم انسان سے انسان دوستی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

جو بچہ ماں باپ کی محبت سے محروم رہا ہو یا صحیح طریقے سے اس سے بہرہ مند نہ ہوا ہو وہ اپنے اندر احساسِ محرومی و کمتری کرتا ہے اور اس میں ہر طرح کے انحراف کی گنجائش ہوتی ہے، تند خوئی، غصہ، ڈھنائی، بدبینی، جھوٹ، حساسیت، ناامیدی، افسردگی، گوشہ نشینی، نام آہنگی کی زیادہ تر وجہ محبت سے محرومی ہوتی ہے۔

جو محبت سے محروم رہا ہو، ہو سکتا ہے، وہ چوری اور قتل میں ملوث ہو جائے تاکہ وہ اس م اثرے سے انتقام لے جو اسے پسند نہیں کرتا یہاں تک ممکن ہے وہ خود کشی کر لے تاکہ وہ وحشت اور تنہائی سے نجات حاصل کرے۔ ہدیت سے چور اور مجسوم ایسی محرومیت کا شکار اور دلگرفنہ ہوتے ہیں۔ آپ اخبارات اور رسا کو دیکھ سکتے ہیں اور ایب لوگوں کا حال پڑھ سکتے ہیں اور اس سے برت حاصل کر سکتے ہیں۔

انجمن ملی حمایت بچگان کے شعبہ نفسیات کے سربراہ ڈاکٹر حسن احدی نے پانچ سو مجرموں پر ایک تقریر کی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایب افراد نے پہلا جرم 12 سے 13 سال کی عمر کے دوران کیا ہے اور اس کی وجہ خاندان میں محبت کی کمی سے مربوط ہے۔۔۔ انجمن ملی حمایت بچگان کے نفسیاتی دیکھ بھال کے شعبے کے سربراہ اور معروف ماہر نفسیات و عمرانیات کہتے ہیں :

"بہت سارے نفسیاتی مسائل کو بنیاد بچپن میں پڑی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ سمجھ رار ترین بچے کو جو مسئلہ پریشان کرتا ہے وہ اس کے جذبات کی تین کا ماملہ ہے" (1)۔۔۔
... اپنے نقطہ میں لکھتا ہے :

ایک چھوٹے سے قصبے میں، ایک غریب سے گرانے میں میں نے آٹا کھولی۔ میرے ماں باپ کے لیے میری اور میری دو بہنوں کو پرورش مہکا تھی۔ میری دادی مجھے اپنے گولے گئی۔ ان کی حالت ہم سے بہتر تھی۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتی تھیں۔ میرے لیے اچھے اچھے کپے اور دیگر ضروری چیزیں مہیا کرتی تھی۔ لیکن یہ رنگارنگ دنیا میری اس تشنگی کو دور نہ کر سکی جو ماں باپ سے دوری کی وجہ سے محسوس ہوتی تھی مجھے یوں لگتا جیسے مجھ سے پکھو گیا ہو۔ بھی بھی دوسروں کی نظروں سے اوجھل۔ میں پہروں روتا رہتا۔ میں تیسری جماعت میں پڑھتا تھا۔ ایک مرتبہ میرا باپ مجھے ملنے آیا۔ اس نے مجھے اپنے گرانے کے لیے کہا۔ میں خوش ہو کر چلنے کو تیار ہو گیا۔ مجھے یوں لگا جیسے میرا ساہا سال کا غم پورا میں ختم ہو گیا ہے۔ میں ہر ماں باپ کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ حالات پکھو بھی ہوں اپنے بچوں کو اپنے آپ سے جدا نہ کریں۔ انہیں اس امر کی طرف متوجہ رہنا چاہیے کہ۔۔۔
ماں باپ سے دوری اور ان کی محبت سے

محرومی بچوں کے لیے نہایت سنگین اور تالیف وہ ہے اس کی جا، کوئی چیز بھی پر نہیں کر سکتی۔
... اپنے ایک خط میں لکھتا ہے۔

میں ماں باپ کے پیار سے محروم تھا۔ اس لیے میں ایک دل گرفتہ اور حاسد انسان ہوں۔ ڈرپوک بھی ہوں اور غصیلا بھیس۔ بچپن میں اسکول سے بھاگ جایا کرتا تھا۔ چٹی جماعت مشکا سے پڑھ پایا ہوں۔

دین مدرس اسلام کہ جس کی تربیتی مسأہ کی جانب پوری توجہ ہے، اس نے محبت کے بارے میں بہت تاکید کی ہے۔ قرآن اور حدیث میں اس ضمن میں بہت پر موجود ہے۔ نمونے کے در پر چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

انسان کو اپنی اولاد سے جو شدید محبت ہوتی ہے اس کے باعث اللہ اپنے اس بندے کو مشمول رحمت قرار دے گا۔⁽¹⁾

بچوں سے محبت بہترین ہے کیونکہ ان کی خلت کی بنیاد خلد سستی اور توحید ہے۔ اگر وہ بچپن میں نوجائیں تو بہشت میں داخل ہوں۔⁽²⁾ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا: بچوں سے پیار کرو اور ان پر مہربانی کرو۔⁽³⁾

رسول اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا: اپنے بچوں کو خوب چومو کیونکہ ہر بوسے کے بارے میں اللہ جنت میں تہارا ایک درجہ بڑھائے گا۔⁽⁴⁾

1_ وسأ، ج 15، ص 98

2_ مصدرک، ج 2، ص 615

3_ بحار، ج 104، ص 92

4_ بحار، ج 104، ص 92

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے کہا :

میں نے آج تک کسی بچے کا بوسہ نہیں لیا۔

جب وہ شخص چلا گیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

میری نظر میں یہ شخص دوزخی ہے۔⁽¹⁾

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا:

جو بچوں پر شفقت نہ کرے اور بڑوں کا احترام نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔⁽²⁾

حضرت علی علیہ السلام نے وصیت کرتے وقت فرمایا:

بچوں پر مہربانی کرو اور بڑوں کا احترام کرو۔⁽³⁾

1_ بحار، ج 104، ص 99

2_ بحار، ج 75، ص 137

3_ بحار، ج 175، ص 136

اظہارِ محبت

اولاد کی محبت ایک فطری امر ہے۔ شاید بہت کم ماں باپ ایسے ملیں جو اپنی اولاد کو دل سے عزیز رکھتے ہوں۔ البتہ نری یہ دلی محبت بچے کی خواہشات کی تکمیل کے لیے کافی نہیں ہے۔ بچہ اس محبت کا ضرورت مند ہے جو ماں باپ کے طرزِ عمل سے ظاہر ہو۔ بچے سے پیار کیا جائے۔ اس کا بوسہ لیا جائے، اسے گود میں اٹھایا جائے، اس سے مکر کر پیش آیا جائے، یہاں تک کہ ماں باپ چب سے پیار باری لوریاں سناتے ہیں تو وہ احساسِ محبت کرتا ہے۔ بچے کا دل چاہتا ہے کہ بھی ماں باپ سے کھیلے اور اٹکیلیاں کرے۔ اسے وہ محبت کی ایک علامت سمجھتا ہے۔ ان کے غصے، گڑے اور سختی کو بے مہری کی دلی سمجھتا ہے۔ جب ماں باپ بچے کی طرف دیکھتے ہیں اور اس سے بات کرتے ہیں تو وہ اندازہ لگالیتا ہے کہ اس سے پیار کرتے ہیں یا نہیں۔ بعض ماں باپ ایسے بھی ہیں کہ بچہ چھوٹا ہو تو اس سے اظہارِ محبت کرتے ہیں۔ لیکن جب بڑا ہو جائے تو اظہارِ محبت تدریجاً کم کر دیتے ہیں اور جب وہ نوجوان اور جوان ہو جاتا ہے تو اسے بالکل ترک کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں اب بڑا ہو گیا ہے اور اظہارِ محبت سے بگڑ جائے گا اور وہ بھی بڑا ہو کر کسی محبت اور نوازش کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ بیٹا تمام عمر محبت کا محتاج رہتا ہے۔ ماں باپ کی محبت سے خوش ہوتا ہے اور ان کی بے مہری پر افسردہ ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر نوجوانی اور جوانی کی عمر کہ جو نفسیاتی اعتبار سے ایک ہیجانی دور ہوتا ہے اس میں اسے ہر زمانے سے زیادہ ماں باپ کی ہمدردی مہربانی

اور دجوتی کی احتیاج ہوتی ہے۔ یہ بے مہربانیوں کا نتیجہ ہے کہ بہت سے جوان خودکشی کر لیتے ہیں۔ یا اپنے گھر، شہر اور ملک سے بھاگ جاتے ہیں۔ اس مقام پر نیر منا نہ ہوگا کہ ایک سولہ سالہ لڑکی کی ڈائری سے چند یادداشتیں آپ کی توجہ کے لیے پیش کی جائیں۔ لڑکی کا نام نارمین ہے لکھتی ہے۔

واقاً جب میں ہنی امی اور ابو کے بارے سوچتی ہوں تو ہنستی ہوں اگرچہ ان کی کیفیت نہ صرف کہ ہنسنے کے لاء نہیں بلکہ بہت سی غم انگیز ہے۔ ماں تو ہنی دن دنیا میں اور ہنی زبان چلانے میں اور نہ جانے اپنے دن کاموں میں سرگرم رہتی۔ اس کی خواہش یہی ہے کہ خالہ و رزی جان اور حمیدہ بیٹم کے ساتھ بیٹھی رہے اور گھنٹوں باتیں کرتی رہے جب وہ ان سے باتیں کر رہی ہو تو اگر میں یہ میرے بھائی بہنوں کو اس سے کوئی کام پڑ جائے تو گویا اس کی گایاں بہت تلخ ہو جاتی ہیں۔ اسے معلوم نہیں کہ جب وہ عورتوں کے ساتھ بیٹھی دوسروں کی نسبت کر رہی ہوتی ہے۔ بھی کسی کے جوتے کی بات ہے اور بھی کسی کی پگڑی کی۔ اس وقت میرے دل کی حالت ایک ایسے بے آشتیاں پرندے کی سی ہوتی ہے کہ جو سرگرداں اور رنالاں ہو اور درودیوار سے ٹکرا رہا ہوتا ہے۔ اسے بھیس بہت کرنے کے لیے کوئی ساتھی نہ جائے۔ اس سے اپنا درد بیان کرے اور پتلی پائے۔ کوئی ایسا ساتھی ہو کہ جو غلیبوں اور کوتاہیوں پر بھی برا بھلا نہ کہے اور بے عزتی نہ کرے۔ امی اور ابو تو آپس میں تو تکرار کرتے رہتے ہیں یا اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں۔ یا پراگرم میں نہیں ہوتے۔ میں بھی صبح سے شام تک مدد سے میں ہوں اور بہت دن گزر گئے کہ میں نے ابو کو نہیں دیکھا کہ انہیں سلام کروں۔ میری اوبیات کی استاد ایک ماہر نفسیات ہے آج اس نے لام میں بیٹی کی زندگی پر باپ کے اثر پر بات کی۔ اس کے بائیں کندے میرے دل میں بیٹھ گئیں۔ ہم کے دل میں بیٹھ گئیں۔ اس نے کہا آج جب کہ میں لڑکیوں کی نظروں میں بڑی ہو گئی ہوں ہر زمانے سے زیادہ احساس کرتی ہوں کہ مجھے اپنے باپ کی راہنمائی کی ضرورت ہے

ایک ہمیدہ اور مہربان شخص کی توانائی کی احتیاج ہے۔

میں کہتی ہوں :

مجھے اپنے باپ کی عمدہ نوازشات کی چند سال پہلے کی نسبت زیادہ ضرورت ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ بھیس وہ مجھے اپنے زانو پر اٹھالے اور مجھے کہانی سنائے۔ مجھے اجازت دے کہ میں ہر چیز کے بارے میں اس سے سوال کروں۔ مجھے اجازت دے کہ میرے دل کی گہرائیوں میں اس کے بارے میں جو احساس ہے اور ارادہ ہے اس کا اظہار کروں لیکن ہائے افسوس کہ وہ کس قدر سرد اور ترش رد انسان ہے۔ الا اسے اس کا خیال بھی نہیں آتا کہ میں اس کی سولہ سالہ بیٹی پر سال کسی عمر سے زیادہ اس کس دلگرم اور خوبصورت مہربانیوں کی احتیاج مند ہوں۔ میرے دل میں کتنی باتیں ہیں جو میں اس سے کہنا چاہتی ہوں۔ میرے لیے غم نہیں کہ ایک دانا شخص بہتر سمجھ سکتا ہے لیکن وہ مجھ سے اور ہم سے یوں دور ہے جیسے ہم اس کی زندگی میں پہنچنے بھی نہیں سکتے۔ اگر کوئی مہمان نہ ہو تو پھر وہ کتاب پڑھتا ہے۔ اخبار کا مطالعہ کرتا ہے یا سردرد اور دل درد لے کر بیٹھ جاتا ہے اور پیدل محبت کس کوئی بات نہیں کرتا۔ یہ باپ ایسا کیوں سمجھتے ہیں کہ جب وہ خاندان کے لیے نان و نفقہ فراہم کر دیں تو اس کے باپ کوئی ذمہ داری نہیں۔ یہ کیوں نہیں سمجھنا چاہتے کہ بیٹی اور بیٹا جب بڑے ہو جاتے ہیں تو بالکل اسی طرح جیسے انہیں غنا کس زیادہ ضرورت ہوتی ہے انہیں زیادہ معقول اور بیشتر محبت اور توجہ کی بھی نیاز ہوتی ہے۔ ماں باپ کیوں یہ سمجھتے ہیں کہ اگر انہوں نے اپنی 16 سالہ بیٹی سے بھی محبت کا اظہار کیا یا کوئی پیار برکھ دیا اس سے چند نصیحت کے بغیر کوئی دوستانہ بات کر دی تو ماں باپ کی شخصیت اور حیثیت مجروح ہوگی۔ میرے دل میں بہت غصہ ہے۔ میں بہت کئی کا احساس کرتی ہوں۔ اگرچہ میرے خوبصورت گھر میں میرے لیے لچھا کمرہ ہے اپنے اسکول میں جاتی ہوں۔ میری وضع قح اور لباس لچھا ہے ان چیزوں کے لیے میرے ابو نے بھی دینے میں اور آرام ہے خرچ بھی کرنے میں۔ زحمت بھی اٹھاتے

ہیں۔ لیکن وہ کام جس پر پ خرچ نہیں ہوتا اور بہت کم زحمت اٹھانا پڑتی ہے وہ نہیں کرتے۔ وہ ہماری طرف توجہ نہ نہیں کرتے۔⁽¹⁾

بچے کی تربیت کے لیے بہترین جا، با نصوص زندگی کے ابتدائی دور میں گر کا ماحول ہوتا ہے۔ اس میں بچہ اپنے ماں باپ کی پوری توجہ، نوازش اور محبت سے بہرہ مند ہوتا ہے۔ ماں باپ کو یہ نصیحت کی جاتی ہے کہ حتیٰ الامکان اپنے بچوں کو مراکز پرورش کسے سپرد نہ کریں کیونکہ ہوسکتا ہے پرورش گاہ غذا اور حفظان صحت کا اتہاد سے گر کی نسبت بہتر ہو لیکن بچے کے لیے ایک سرد اور بے مہر ماحول ہے۔ پرورش گاہ اس بچے کے لیے زندان اور صحت افزا مقام پر جلا و نی کے مانند ہے کہ جو ماں باپ کی توجہ اور محبت کا ضرورت مند ہے۔ اچھی آب و ہوا اور اچھی غذا روحانی مسرت اور مہر و محبت کی جا، نہیں لے سکتی۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا:

جب تم کسی کو پسند کرتے ہو تو اپنے محبت کا اظہار بھی کرو اظہار محبت سے صلح و صفائی وجود میں آتی ہے وہ تمہیں ایک دوسرے کے نزدیک کر دیتی ہے۔⁽²⁾

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم صبح سویرے اپنی اولاد اور نواسوں سے پیاد کیا کرتے تھے۔⁽³⁾

1_ روزنامہ الامت، شمارہ 14113، خرداد ماہ ص 1358

2_ مستدرک، ج 2، ص 67

3_ بحار، ج 104، ص 99

محبت _ کام نکلنے کا ذریعہ نہیں

چونکہ بچے کو ماں باپ کی محبت اور پیار کی ضرورت ہے ، بعض ماں باپ بچے کے اس احساس سے استفادہ کرتے ہیں اور اس سے کام نکلنے کا ذریعہ بناتے ہیں _ اس سے کہتے ہیں یہ کام کرو تا کہ امی بے سے پیار کرے اور اگر تم نے اس کام کیا تو اسو تم سے پیار نہیں کریں _ البتہ شک نہیں ہے کہ اس طریقے سے بچے پر اثر انداز ہوا جاسکتا ہے اور اس سے کاموں کو ایک حد تک کنٹرول کیا جاسکتا ہے _ لیکن اسی راستے کو اختیار کئے رہنا بے ضرر نہیں ہے کیونکہ اس ذریعہ سے آہستہ آہستہ بچہ میں عادت پورا ہو جائے گی کہ وہ ماں اور باپ اور دوسرے لوگوں کی محبت حاصل کرنے کے لیے کام کرے نہ اس لئے کہ وہ کام واقعی اسکے اور م اثر سے کے مفاد میں ہے وہ کاموں کی اچھائی اور برائی کام یار انفرادی اور اجتماعی مفاد اور بھلائی اور رضائے الہی کا حصول ہونے کے۔ لوگوں خواہش اور ایسا نہیں ہے کہ ماں باپ بچے اور م اثر کے حقیقی مفادات کو بخوبی پہچان سکیں ایسے ماں باپ بھی ہیں کہ اپنے مفادات اور آرام کو حقیقی فائدے پر ترجیح دیتے ہیں _ اس ذریعہ سے یہ بھی ممکن ہے کہ بچہ چالوس ، منان اور فریب کار بن جائے کیونکہ اس کا مقصد دوسروں کی خوشنودی اور توجہ حاصل کرنا بن جائے گا اگرچہ وہ منافقت اور فریب کاری کے ذریعے کیوں نہ ہو _ لہذا ایک سمجھ دار مرنی محبت کو مطلقاً نکلنے اور بچے پر اثر انداز ہونے کا وسیلہ قرار نہیں دیتا _

محبت _ جو تربیت میں حائز ہو

بعض ماں باپ اپنی اولاد سے حد سے زیادہ محبت رکھتے ہیں اس لیے اس کے لئے جو چیزیں ضرر رساں ہیں قسطاً نہیں سمجھتے اور اگر بھی وہ اس میں عیب دیکھیں یا کوئی دوسرا اس کی طرف متوجہ کرے تو چونکہ یہ نہیں چاہتے کہ بچے کو نسلراض کسریں لہذا وہ اس عیب کو ان دیکھا کر دیتے ہیں اور اس کی اصلاح کی کوشش نہیں کرتے ہیں آپ ایسے بے ادب بچوں کو دیکھتے ہوں۔ جو دوسرے بچوں کو اذیت دیتے ہیں، لوگوں کو تنگ کرتے ہیں، لوں کی در و دیوار کو خراب کر دیتے ہیں، شیشے توڑ دیتے ہیں، گالیاں دیتے ہیں، لوگوں کے مال کو نقصان پہنچاتے ہیں اور اسی طرح کی دوسری حرکتیں کرتے ہیں لیکن ان کے نادان ماں باپ نہ قنط یہ کہ ان کو تنبیہ نہیں کرتے بلکہ ایک احمقانہ، ہنسی سے ان کا بے جا دفاع کرتے ہیں اور اس طرح سے ایسے کاموں میں ان کس تشویر کا باعث بنتے ہیں یہ بے وقوف ماں باپ اپنی بے جا محبت سے دوستی کے لباس میں اپنے بچوں کے ساتھ بہت بڑی خیانت کے مرتب ہوتی ہیں اور یہ ظلم عظیم اللہ کے نزدیک بے مواخذہ نہیں ہو گا۔ بچوں سے محبت کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی تربیت سے غائب ہو جائیں اور انہیں ہر کام کرنے کی کئی چٹائی دے دیں۔ اظہار محبت تربیت۔

کا وسیلہ ہے اسے تربیت میں رکاوٹ نہیں بننا چاہتے۔ بہترین ماں باپ وہ ہیں جو بچے کی محبت کو اور تربیت کے مسئلہ کو الگ الگ کر کے دیکھیں، اپنے بچوں سے خوب محبت کریں لیکن حقیرت بین نظروں سے ان کی خوبیوں اور خامیوں پر نظر رکھیں اور ذمہ داری سے ان کی اصلاح کی کوشش کریں بچے کو بھی یہ بات سمجھنی چاہئے کہ وہ برے کام کرنے

میں آزاد نہیں اور اس پر اس کی باز پرس کی جائے گی اور اس کو ہمیشہ خوف اور امید کے عام میں زندگی گزارنی چلیےاں باپ کی محبت سے اس کو دلگرم اور پر امید ہونا چلیےاور بے کاموں پر ان کی ناراضی اور غصے کا اسے خوف ہو ناچاہیےان ماں باپ کو اپنے بچے سے محبت ہے ان کو یہ جاننا چاہیے ہمیشہ یہ بچہ ان نہیں رہیگا اور نہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہیگا بلکہ وہ بڑا ہو جائے گا اور ناچار م اثرے میں زندگی گزارے گا لوگوں سے م اثرت کرے گا اگر اسے زندگی اور م اثرت کے آداب نہ آنے اور اس نے دوسروں کے حقوق کا احترام کرنا نہ سیکھا تو لوگ اس سے نفرت کریں۔ اور اس طرح سے وہ لوگوں توجہ اور محبت حاصل نہیں کر سکتے گا۔ جو زندگی کی خوشی اور راحت کے لیے ضروری ہے لوگ ماں باپ کی طرح نہیں ہوتے کہ اولاد کے عیوب کو نظر انداز کر دیں۔

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں :

سے برا باپ وہ ہے کہ جو اولاد سے محبت اور احسان کرنے میں حد سے تجاوز کرے (1)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: جبے اب سکھا دیا گیا اس کی برائیاں کم ہو گئیں (2)

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: میرے ابا جان نے ایک شخص کو دکھا کہ جو اپنے بیٹے کے ساتھ جا رہا تھا۔ وہ بے اب بیٹا اپنے باپ کے ہاتھ کا سہارا لیے ہوئے تھا۔ میرے وار زین اب دین اس بے اب بیٹے پر اتنے ناراض ہوئے کہ ساری عمر اس سے بات

نہ کی (3)

1_ تاریخ یعقوبی ، ج 2 ، ص 320

2_ غرر اکرم ج 2 ، ص 645

3_ بحار ج 74 ص 64

بگڑا ہو ۱۔

یہ صحیح ہے کہ بچے کو محبت و نوازش کی ضرورت ہوتی ہے لیکن محبت میں افراط صحیح نہیں ہے۔ محبت غزا کے مانوس ہے اگر ضروری مہر میں اپنے مقام پر صرف ہو تو مفید ہے لیکن ضروری مہر سے زیادہ نیر منا مقام پر صرف ہو تو نہ صرف یہ کہ سود مند نہیں ہے بلکہ نئی ایک نقصانات کی حامل بھی ہے۔ زیادہ لا ڈیڈا نہ صرف بچے کے لیے مفید نہیں ہے بلکہ ہے نہ ماں باپ کے دل بہلانے کا ذریعہ ہے وہ ایک چھوٹا سا انسان ہے کہ جس کی خود اس کے لیے اور اگے مستقبل کے لیے تعمیر و تربیت کی جاتی ہے اور یہ بہت بڑی ذمہ داری ماں باپ کے کندھے پر رکھی گئی ہے۔ بچہ ہمیشہ چھوٹا نہیں رہتا بلکہ بڑا بھی ہو جاتا ہے اس سے م اثر سے میں زندگی بسر کرنا ہے اور زندگی بسر کرنا کوئی آسان کام نہیں بلکہ اس میں اوشنیہ، کامیابی و ناکامی، عروج و زوال راحت و مصیبت اور خوشی اور غم موجود ہوتا ہے۔ ایک سمجھدار مرئی صحیح اور علائقہ طرز فکر کے ساتھ زندگی کے حوادث کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے بچے کی اس طرح سے تربیت کرتا ہے کہ وہ زندگی کے نشیہ و فراز سے گزرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ ماں باپ کو یہ بات معلوم ہونا چاہیے کہ جسے بچے کی تربیت کے لیے اصولی در پر محبت ضرور ہے اسی وہ بگڑ جاتے ہیں اور ان کے ناز و خنجرے بہت بڑھ جاتے ہیں۔ اس بری صفت کا نتیجہ خطرناک ہوتا ہے مثلاً :

1_ جب بچہ یہ محسوس کرے گا کہ اس کے ماں باپ اسے بے انتہا چاہتے ہیں، پرستش کی حد تک اس سے محبت کرتے ہیں اور اس کی مرضی کے مطاباً اسے سلوک کرتے ہیں تو اسے اس کی خواہشات کا دائرہ بہت وسیع ہو جائے گا۔ وہ چاہے گا کہ فقط فرمان صادر کرے اور ماں باپ بلا چون و چرا اس پر عمل کریں کہ کہیں وہ ناراض نہ ہو جائے۔ ایسے بچے میں دن بھر اسے تبادلاً اور قدرت طلبی بڑھتی جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ ایک آمر حکمران کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ایسا شخص جب مامورے میں آتا ہے تو لوگوں سے بھی یہ توقع رکھتا ہے کہ اس سے اس کے ماں باپ کی طرح محبت کریں، اور اس کی خواہشات پر اسے طرح طرح سے پیراموں جتنے اس کے ماں باپ ہوتے ہیں لیکن لوگ خود غرض شخص سے محبت کرتے ہیں اور نہ اس کی خواہشات کسی طرح توجہ کرتے ہیں۔ اس بناء پر مامورے سے اس کا دل اچٹ ہو جاتا ہے۔ وہ شکست و رنجت کا شکار ہو جاتا ہے۔ احساس کمتری کے باعث تنہائی پسند اور گوشہ نشین ہو جاتا ہے۔ وہ مجبور ہو جاتا ہے کہ شکست و ناکامی کے ساتھ زندگی گزارے یا پر خودکشی کر کے اپنے آپ کو اس سے نجات دے لے۔ بگڑے ہوئے اور ناز پرور لوگ ازدواجی زندگی میں بھی عموماً کامیاب نہیں ہوتے۔ ایسا شخص ہمیشہ بیوی سے بھی یہ توقع رکھے گا کہ اس کی ماں سے بھی بڑھ کر اس سے اظہار محبت کرے، اس کے فرامین کی پوری طرح اطاعت کرے اور بلا چون و چرا ان پر عمل کرے۔ لیکن افسوس کی عملی زندگی میں صورت حال مخفف ہے بہت سی بیویاں اپنے شوہر کے ساتھ تبادلاً اور حکم کے سامنے تسلیم محض کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس لیے گریلو لڑائی شروع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایک بگڑی ہوئی بیٹی بھی جب اپنے سرال میں جاتی ہے تو اس کی بھی اپنے شوہر سے یہی توقع ہوتی ہے کہ وہ اس سے اس کے ماں باپ سے زیادہ محبت کرے اور اس کی ہر خواہش کو بلا حیا و حجت قبول کرے۔ عموماً مرد بھی ایک بلند پرواز اور ایسی بگڑی ہوئی عورت کو تمام خواہشات پوری نہیں کر سکتے، لہذا اگر میں لڑائی شروع ہو جاتا ہے۔ ایسے مرد اور عورتیں دیکھنے میں آجاتے ہیں جو اپنے بڑھاپے میں بھی اس بات پر تیار نہیں ہیں کہ اس بگڑے پن اور بیگانہ عادت سے دست بردار ہو کر بڑے ہو جائیں۔ ایسے لوگ گویا اس پر مصر ہیں کہ ہمیشہ بچے بن رہیں۔

2_ ناز و نم میں بدلنے والے بچے عموماً ضعیف و ناتوان روح اور رنجیدہ نفسیات کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ دوسروں کا سہارا ڈھونڈتے ہیں اور خود اعتمادی سے عاری ہوتے ہیں۔ لہذا جب مشکلات پیش آتی ہیں تو راہ فرار ڈھونڈتے ہیں۔ ان میں یہ جرات نہیں ہوتی کہ بڑے کاموں میں ہات ڈالیں۔ زندگی کے مسائل حل کرنے کے لیے وہ اللہ پر اور اپنی ذات پر اعتماد کرنے کے بجائے دوسروں کی مدد کی طرف دیکھا رہتے ہیں۔

3_ لائپیلر سے بگڑے ہوئے اور ناز پروردہ افراد عموماً خود پسند اور اپنے آپ میں مان ہوتے ہیں۔ چونکہ ان کی حد سے زیادہ تعریف کسی جاتی ہے اس لیے وہ اپنے تئیں ایک بہت بڑی شخصیت سمجھنے لگتے ہیں جب کہ حقیقت یوں نہیں ہوتی۔ وہ اپنی برائیاں نہیں دیکھتے بلکہ عیب کو کمال سمجھتے ہیں اور غرور بھی ایک بہت بڑا اخلاقی عیب اور ایک خطرناک نفسیاتی بیماری ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: خود پسندی بدترین چیز ہے۔ (1) امام علی علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا: جو شخص بھی خود پسند ہو اور اس اپنے میں مان ہو اس کے عیب اور برائیاں اس پر واضح ہو جائیں گی۔ (2)

ایسا شخص لوگوں سے یہ توقع رکھتا ہے کہ اس کی جھوٹی شخصیت کی تعریف کریں۔ اس وجہ سے کاسہ لیس اور چاپلوس قسم کے لوگ اس کے گرد جمع ہو جائیں۔ لیکن گو اور تنقید کرنے والوں کی اس کے ہاں کوئی جگہ نہ ہوگی۔ خود پسند لوگ نہ صرف یہ کہ دوسروں کی محبت اور دوستی کو جذب نہیں کر سکتے بلکہ ہمیشہ دوسروں کے نزدیک قابل نفرت قرار پاتے ہیں۔

1_ غررا کم، ص 446

2_ غررا کم، ص 685

حضرت امام علی علیہ السلام نے فرمایا:

جو شخص بھی خود پسند ہوگا اور بس اپنی ذات میں من ہوگا وہ بہت زیادہ مشالوں میں پھنس جائے گا۔⁽¹⁾

4۔ جن بچوں سے حد سے بڑھ کر محبت اور نوازش کی جاتی ہے اور ماں باپ ان کی ہر بات ماننے چلے جاتے ہیں وہ رفتہ رفتہ رفتہ۔ ماں باپ بالکامط ہو جاتے ہیں۔ جب بڑے ہو جاتے ہیں تو بھی اقتدار طلبی سے باز نہیں آتے اور ماں باپ سے بہت زیادہ توقعات رکھتے ہیں۔ اگر ماں باپ ان کی خواہش کے مقابلے میں آئیں تو وہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے بہت زیادہ غصہ، جگڑا، اور نازخرا کرتے ہیں اور عادتیں بگاڑنے والے ماں باپ سے ہر جانہ وصول کرتے ہیں۔ چونکہ اپنے لاڈلے پن کا احساس ہوتا ہے اس لیے آخر عمر تک ماں باپ سے جھوٹ بولتے ہیں اور ہر جانہ وصول کرتے ہیں۔

5۔ محبت میں افراط بعض اوقات اس مقام پر جا پہنچتی ہے کہ اسے خوش رکھنے کے لیے حقیقی مصلحتوں اور تعلیم و تربیت پر اس کی رضامندی کو ترجیح دینا پڑتی ہے۔ اس کے بیوں کو نہیں دیکھا جانا یا نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور اس کی اصلاح کی کوشش نہیں کی جاتی۔ اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کسی بھی کام سے دریغ نہیں کیا جاتا اگرچہ وہ غیر شرعی کیوں نہ ہو اور اس طرح سے ماں باپ اپنے عزیز بچے کے ساتھ عظیم ترین خیانتوں کے مرتب ہوتے ہیں۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: بدترین باپ وہ ہے کہ جو اپنے بچے سے احسان اور مہر و محبت میں افراط اور حد سے تجاوز کرے۔

(2) بچے کو ہمیشہ خوف و رجا کی کیفیت میں زندگی بسر کرنا چاہیے۔ اسے یہ اطمینان ہونا

1۔ غرر الحکم، ص 659

2۔ تاریخ یعقوبی، ج 2، ص 320

چاہیے کہ وہ واقعاً ماں باپ کا محبوب ہے اور جہاں بھی ضروری ہو وہ اس کی مدد کو دوڑیں۔ اور دوسری طرف سے معلوم ہونا چاہیے کہ جہاں بھی اس نے کوئی غلط کام انجام دیا ماں باپ اس کا مؤاخذہ کریں۔

ڈاکٹر جلالی لکھتے ہیں

بچے سے بپا ایک ضروری چیز ہے۔ لیکن بچے کا یہ چاہنا صحیح نہیں ہے کہ ماں باپ سارا وقت اسی کو دے دیں اور ہمیشہ اس کے چاؤ چوٹیلے کرتے۔⁽¹⁾

ڈاکٹر جلالی لکھتے ہیں :

اگر بچہ اپنی ماحول میں زندگی گزارتا ہو کہ جہاں سے بہت لاڈ سے رکھا جاتا ہو۔ ہمیشہ دوسرے اس کی حمایت کرتے ہوں۔ اس کے برے اور ناپسندیدہ کاموں کو ماف کر دیا جاتا ہو اور مثبت طلب دنیا میں رہنے کے لیے اسے تیار نہ کیا جاتا ہو وہ ماضی میں ہمیشہ بہت ساری مشکلات اور رکاوٹوں کا سامنا کرے گا۔ بچے کو آغاز تو اسے یہ سکھایا جانا چاہیے کہ زندگی گزارنے والا وہ ایک۔ یا نہیں ہے بلکہ وہ ایک ماضی کا حصہ ہے اور اس کی خواہش کو دوسروں کی خواہشات سے ہم آہنگ ہونا چاہیے۔⁽²⁾

اگر بچہ بے مقصد نروے یا غصہ کرے یا سر کو دیوار سے مارے اور اس طرح سے ماں باپ پر کامیابی حاصل کرنا چاہے اور ہنس غلطی سبب خواہشات کو منوانا چاہے تو اس کی طرف اتنا نہیں کرنا چاہیے۔ اسے چھوڑ دیں تاکہ وہ سمجھ لے کہ اس کے رونے دھونے سے دنیا کا پتہ نہیں بگڑ سکتا۔ پتہ بر کریں وہ خود نٹھیک ہو

1_ روانشناسی کودک ص 461

2_ روانشناسی کودک ص 353

جائے گا۔

اگر آپ کا بچہ زمین پر گر جائے تو ضروری نہیں کہ اسے اٹھائیں اور اسے تلی دیں یا زمین کو برا بھلا کہیں۔ رہنے دیں تاکہ وہ خود اٹھے پھر اسے نصیحت کریں کہ محتاط رہے زمین پر نہ گرے۔ اگر اس کا سر دیوار سے ٹکرا جائے تو چومنا اور پیار کرنا ضروری نہیں ہے۔ یہ ایسے امور کی پرواہ نہ کریں۔ پھر ذرا ٹھیک ہو جائے تو پھر اسے نصیحت کریں۔ جب آپ کا بچہ بیمار ہو جائے تو اس کے علاج کی کوشش کریں۔ اس کے لیے دوا اور غذا مہیا کریں۔ اس کی دیکھ بھال میں دریغ نہ کریں اس کی بیماری کو ایک معمولی واقعہ قرار دیں اور اپنے روزمرہ کے کام انجام دیتے رہیں۔ آپ کی عیند، کھانا اور کام معمول کے مطابق انجام پلانا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ اپنے کام اور معمولات زندگی کو چھوڑ بیٹھیں اور غم و اندوہ کے ساتھ روتی آنکھوں کے ساتھ اس کے بستر کے کنارے بیٹھ جائیں اور وقت بے وقت اس کے بخار میں تپتے ہوئے چہرے کو چومتے رہیں۔ یہ کام بچے کے مارجے پر کوئی اثر نہیں ڈالتے البتہ اس سے بگاڑ ضرور دیتے ہیں کیوں کہ وہ خوب احساس کرتا ہے کہ اس کی بیماری ایک غیر معمولی واقعہ ہے جس نے ماں باپ کی زندگی کو مفلوج کر کے رک دیا ہے۔

اپنے لکڑی میں لکڑی ہے :

دو بیٹیوں کے! میرے ماں باپ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا مجھے اپنی ماں کا شور شرابہ اور جشن و سرور بھولنا نہیں، میرے ماں باپ نے اس قدر اسے لاپیلا کیا کہ دو سال کی عمر میں وہ مجھے اور میری بہن کو خوب ملاتا اور کھاتا تھا اور ہمیں جرات نہ تھیں کہ اپنا دفاع کریں۔ جو پھر چاہتا بلا چون و چرا مہیا کر دیا جاتا۔ بچوں کو اذیت کرتا۔ اس کے مدرسہ جانے کے لیے اس پر بہت زیادہ عنایت کی جاتی تھی۔ لیکن وہ کوئی کام کرنے پر آمادہ نہ ہوتا۔ استاد کی بات پر کان نہ دیتا لہذا وہ سب لہ تعلیم جاری نہ رکھا اور ترقی نہ کر سکا۔ اب جب کہ بڑا ہو گیا ہے بالکل ان پڑھ

ہے۔ تنہائی پسند، کم گو اور اپنے آپ میں کھویا رہتا ہے۔ کسی کام کے کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ بے مقصد اور اور غصہ کرتا اور
گرتا رہتا ہے۔ ہنی بہنوں سے اسے کوئی محبت نہیں۔ اس کا انجام کار معلوم نہیں ہے۔
ہاں ہمرا پیدا بھائی ماں باپ کی غلط تربیت اور حد سے زیادہ محبت میں افراط کی بھینچ چڑھ گیا ہے۔

انگوٹھا چوسنا

بچے کی ایک عام عادت انگوٹھا چوسنا ہے۔ عموماً بچے اپنے پیدائش سے تین ماہ 1 ر انگوٹھا چوسنے لگتے ہیں اور یہ عرصہ یہ سہ ماہہ جاری رکھتے ہیں۔ اس کام کے فطری عام اور اصلی بنیاد کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ بچہ اپنی عمر کے ابتدائی ایام میں دودھ کے ذریعے سیراب ہوتا ہے اور دودھ چوس کر پیتا ہے۔ اسے جب بھی بھوک لگتی ہے اور یہ ناراحتی دور کرتا ہے۔ اس مدت میں اسے اس کے تکرار سے یہ تجربہ ہوتا ہے کہ چوسنے کے ذریعے ناراحتی دور ہوتی ہے اور آرام سا ملتا ہے۔ تدریجاً وہ چوسنے کا عادی ہو جاتا ہے اور اس سے یہ کیفیت حاصل کرتا ہے۔ ان ایام میں جب کہ بچے کے ماضیاتی احساسات کسی حد تک بیدار ہو چکے ہوتے ہیں اور وہ خارجی دنیا کی طرف بھی متوجہ ہوتا ہے، اس کی پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس زت نش یعنی چوسنے سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے اس مقصد کے لیے بہترین اور آسان ترین چیز اس کے پاس انگوٹھا چوسنا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے وہ اپنا انگوٹھا چوسنا ہے اور رفتہ رفتہ اس کا عادی ہو جاتا ہے اور اسے جب بھی موقع ملے ہر طرح کی ناراحتی دور کرنے کے لئے اس زت نش مشمولیت سے استفادہ کرتا ہے۔ بہت سے ماں باپ انگوٹھا چوسنے کو ایک بری عادت سمجھتے ہیں اور اس پر اپنی ناپسند کا اظہار کرتے ہیں اور ناراض ہو کر اس کا چارہ کار سوچتے ہیں۔ یہاں پر اس امر کا ذکر ضروری ہے کہ اگرچہ دانتوں کے بعض ڈاکٹر اس عادت کو نقصان دہ سمجھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ انگوٹھا چوسنے سے دانتوں

اور منہ کی بیچی و فطری حالت بگڑ جاتی ہے لیکن ان کے مقابلے میں دانتوں کے بہت سے ڈاکٹروں اور ماہرین نفسیات نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ اگلوٹھا چوسنے سے کوئی مسئلہ پیش نہیں آتا۔

ایک ماہر لکھتے ہیں: بہت سے مہاجرین نفسیات اور ماہرین نفسیات اور اسی طرح بچوں کے امور کے بہت سے ماہرین کا نظریہ ہے کہ اصولاً یہ عادت کوئی نقصان دہ عادت نہیں ہے اور بہت سے مقامات پر یہ بچے کہ منہ میں کسی قسم کی تبدیلی کا باعث نہیں بنتا۔ ان کا خاص ور پر یہ نظریہ ہے کہ یہ عادت جیسا کہ عموماً دیکھنے میں بھی آیا ہے مسقط دانت نلنے پر ختم ہو جاتی ہے لہذا یہ بچے کے لیے کسی نقصان کا باعث نہیں بنتی۔⁽¹⁾

البتہ ممکن ہے بھی یہ عادت بچے کی صحت و سلامتی کو نقصان پہنچائے کیوں کہ بچے کی اولی عموماً گندی اور کثیف ہوتی ہے اور بس کثیف اولی چوسنے سے اکثر نقصان کا امکان ہوتا ہے۔ زیادہ تر ماں باپ اس عادت کو پسند نہیں کرتے اور شرم کا احساس کرتے ہیں۔ بہر حال ظاہراً یہ موضوع کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا اور بچے جب چار پانچ سال کا ہو جاتا ہے تو خود بخود یا ماں باپ کے ذریعے یہ عادت ختم ہو جاتی ہے البتہ ماں باپ کو اگر یہ عادت پسند نہیں تو بہتر ہے کہ اس کے وقوع سے بچنے کا علاج کریں کیونکہ کسی عادت کو پیدا ہونے سے روکنا ترک عادت کی نسبت بہت آسان ہے۔

جب وہ دیکھیں کہ بچہ اپنی اولی چوسنا چاہتا ہے تو اس کا سبب معلوم کرنے کی کوشش کریں اگر وہ سیر نہیں ہوا تو اسے دودھ اور پلائسٹک اگر اسے جرابھوک لگ جاتی ہو تو غذائی وقفے کے دوران میں اسے کوئی ساہ سی غذا مثلاً! اور پالوں کلاس دے سکتے ہیں۔

اگر اس کی وجہ احساس تنہائی یا کوئی تالیف ہے تو اس کی طرف زیادہ توجہ کرنا چاہیے اور

اس سے اظہارِ محبت کرین۔ ایسی چیزیں ہو سکتا ہے اس عادت کی بیدارگی کا سبب ہوں۔ اگر سبب دور کر دیا جائے تو زیادہ اہم-کان
 یہی ہے کہ بچے میں ایسی عادت پیدا نہیں ہوگی۔ لیکن اگر عادت پیدا ہوگئی تو پھر اس کا علاج مشکل ہے۔ اگر اس سے کھیلنے کی
 ممانعت چیزیں دے دی جائیں یا اس کے ساتھ کوئی کھیلنے والا نہ جائے تو شاید تدریجاً یہ عادت ترک ہو جائے۔ شاید اس کا بہترین
 علاج اسے چوسنی دے دینا ہو۔ لیکن اس میں خرابی یہ ہے کہ اسے چوسنی کی عادت پڑ جائے گی۔ اگر ایسے کاموں کے ذریعے سے اس
 عادت کو روک سکیں تو کیا ہی بہتر۔ لیکن اگر کامیاب نہ ہوں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس پر سختی شروع کر دی جائے۔ مثلاً اس کے
 ہاتھ باندھ دیا جائیں، اسے مارا جائے۔ اس سے تلخی کی جائے، اسے ڈاؤن ڈپے یا لامنت و سرزنش کی جائے کیوں کہ ایسے کام اس
 کے علاوہ کہ عموماً بے فائدہ ہوتے ہیں بچے کی روح اور نفسیات پر بھی برے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ بہتر ہے کہ ہر کریں اور کسی
 ممانعت کا انتظار کریں زیادہ تر یہ عادت چار یا پانچ سال کی عمر میں خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔

خوف

خوف میں پائی جانے والی ایک صحت ہے۔ تھوڑا یا زیادہ لوگوں میں ہوتا ہے۔ اجمالی طور پر خوف انسان کس حفاظت کے لیے ضروری ہے اور اس طرح سے ہونا کوئی بڑی چیز بھی نہیں ہے۔ جس میں بالکل ن خوف نہ ہو وہ انسان معمول کے مطاباً نہیں ہے بلکہ بیمار اور ناقص ہے۔ یہ خوف ہے جس کی وجہ سے انسان خطرناک حوادث سے بھاگتا ہے اور اپنے آپ کو مسوت سے بچاتا ہے۔ لہذا خوف اللہ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے کہ جو خا کائنات نے انسان کے وجود میں ودیاست کس ہیں اور اس میں مصلحتیں اور حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ لیکن یہ عظیم نعمت دیگر تمام نعمتوں کی طرح اس صورت میں مفید ہوگی کہ جب انسان اس سے صحیح طور پر استفادہ کرے۔ اگر وہ اپنے صحیح مقام کے برخلاف استعمال ہوئی تو نہ صرف یہ کہ مفید نہیں ہے بلکہ ممکن ہے برے نتائج کی حاکم بھی ہو۔ خوف کے مویق کو مجموعی طور پر 2 حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلا۔ خیالی، بے مویق اور نیر عقلی خوف

دوسرا۔ معقول، درست اور بجا خوف

نیر عالانہ خوف

پہلی قسم کا نیر عالانہ خوف عموماً زیادہ ہوتا ہے۔ جسے جن اور بھوٹ سے ڈرنا تاریکی سے خوف کھانا، بے ضرر حیوانات سے ڈرنا، بلی، چوہے، لال بیگ، مینڈک، اونڈ گھوڑے

اور دیگر ایب جانوروں سے ڈرنا۔ چور سے ڈرنا، مردے، قبرستان، قر اور کن سے ڈرنا، ڈاکٹر، ٹکے اور دوا سے خوف کھانا، دانستو کے ڈاکٹر سے ڈرنا، رگاری کی آوازیابول کے گر بے اور مکی کے کڑکنے سے خوف کھانا، لکھے سونے سے ڈرنا، امتحان دینے اور سب سنانے سے ڈرنا، بیماری سے خوف کھانا، موت سے ڈرنا اور ایب ن دیگر دسیوں قسم کے خوف کہ جو بالکہ بے مویع ہیں اور ان کس بالکہ کوئی عقلی بنیاد نہیں ہے۔ ایب خوف کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے ایب ن خوف ہوتے ہیں کہ جو بچے کو داؤن رنج و عذاب میں مبتلا کردیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ سکا کی نیند سے بھی محروم ہو جاتا ہے اور نیند میں وحشت ناک قسم کے خواب دکھاتا ہے ور چیخنا چلاتا ہے۔ بے جاف خوف و اضطراب ایک نفسیاتی بیماری ہے جو بچے کی آئندہ زندگی پر بھی برے اثرات مرتب کرے گی۔ ڈیپلوک آدمی میں جرات نہیں ہوتی کہ وہ کوئی بڑا قدم اٹھائے ہمیشہ اضطراب کے عام میں رہے گا اور اس کے دل میں ہمیشہ گرہ سی رہے گی، ملنے جلنے سے کترائے گا، پریشان اور افسردہ رہے گا۔ اجتماع سے بھلا گا اور ہنی ذات میں م ہو جائے گا۔ اکثر نفسیاتی بیماریاں ایب ن بے جا خوف سے وجود میں آتی ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: خوف بھی ایک مصیبت ہے۔⁽¹⁾

ہذا ایک اچھا مربی اس امر سے لاطعل نہیں رہ سکتا بلکہ کوش کرتا ہے کہ اپنے بچے کے بے جا خوف کو دور کرے۔ اس موقع پر مربی حضرات کی خدمت میں ہم چند گزارشات پیش کرتے ہیں۔

1_ خوف کو دور کرنے سے کہیں آسان ہے کہ اسے پہلے سے روکا جائے۔ کوش کریں کہ خوف کے علم اور عواہ حتی الامکان دور پیدا ن نہ ہوں تاکہ آپ کا بچہ ڈیپلوک نہ بنے ماہرین نفسیات کا نظریہ ہے کہ رگاری کی آواز، بادل اور مکی کی صدا، خطرے کے آلام کی آواز اور بچے کے سر ہانے شور مچانا بچوں کے لیے خوف کے ابتدائی عواہ

میں سے ہیں۔ جہاں تک ہو سکے کو شکر کریں کہ بچے اس طرح کی چیزوں سے بچیں اگرچہ نو مولود کیوں نہ ہوں ان کے سر ہانے شور نہ مچائیں۔ ان کی طرف غصے سے نہ دیکھیں۔

2۔ ڈرمیٹری بیماریوں میں ہے۔ بچہ ذاتی طور پر ڈرپوک نہیں ہوتا ماں باپ اور ارد گرد والے لوگ اگر ڈرپوک ہوں تو بچہ ڈرپوک بن جاتا ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے بچے ڈرپوک نہ ہوں تو پہلے اپنے ڈر کا علاج کریں اور نیر عقلی عواطف پر اظہارِ خوف اور جوع و فزع نہ کریں تاکہ بچہ بھی ڈرپوک نہ ہوں۔

3۔ پولیس اور جرائم سے متعلقہ نمونوں کو دیکھنا، ٹیلیویں کے بعض پروگراموں کو دیکھنا، ریڈیو کی ہیجان آور داستانوں کا سنا، ہیجان انگیز قصوں اور داستانوں کا پڑھنا اور سنا، یہاں تک کہ مبلوں اور روزناموں میں چھپنے والے بعض اوقات کا پڑھنا بچے کے لیے ضرر رساں ہے بچے کے نازک اور ظریف اعصاب پر ان کا اثر ہوتا ہے اور ان سے بچے کے دل میں ایک خوف، پریشانی اور گہرے سس پیسرا ہو جاتی ہے۔ جہاں تک ممکن ہو سکے بچے کو ان چیزوں سے دور رکھیں۔ جن اور پری کے بارے میں بات تک نہ کریں۔ اگر انہوں نے کسی اور سے سن لیا ہو تو انہیں سمجھائیں کہ جن اگر موجود بھی ہو جیسا کہ قرآن کریم نے ان کے وجود کے بارے میں تصریح بھی کی ہے تو وہ بھی انسانوں کی طرح سے ہیں اور زندگی گزارتے ہیں اور انسان کے لیے ان کا کوئی نقصان نہیں اور ان سے خوف کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

4۔ بچے کی تربیت کے لیے اس ڈرانے اور سختی سے پرہیز کریں۔ بچوں کو بھوت، دیو، لولو، و نیرہ سے نہ ڈرائیں۔ ایسے خوف ہو سکتا ہے کہ وقتی طور پر بچے پر اثر ڈالیں لیکن یقیناً ان سے بچے میں برے اثرات باقی رہ جائیں۔ کہ جن کا نقصان فائدے سے زیادہ ہے۔ اس طرح سے آپ کو ڈرپوک اور کمزور بنا دیں۔ بچوں کو تنبیہ کے لیے تارک اور دہشت آور چہلوں پر بند نہ کریں۔ بچوں کو کتے بلی سے نہ ڈرائیں۔ بعض بیوقوف ماؤں کی غلط عادت ہے کہ بچے کو چکروانے کے لیے

دروازے اور دیوار کے پیچھے سے میاؤں میاؤں کرتی پہنکرتی ہیں اور دروازے اور دیوار پر ہاتھ مارتی ہیں اور اس طرح سے اسے طرح سے اسے ڈراتی ہیں تاکہ وہ چہ کر جائے۔ ان نادان ماؤں کو خبر نہیں کہ وہ اس غلط عادت سے کتنے بڑے جرم کی مرتب ہوتی ہیں اور بچے کی حساس روح کو پریشان کر دیتی ہیں اور اس کی آئندہ نفسیاتی زندگی و تباہ کر دیتی ہیں... اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے:

ہماری دادی اماں ہمیں شرارتوں سے روکنے کے لیے دوسرے کمرے میں چلی اور ایک خاص آواز نکال کر کہتی، میں دیو ہوں، میں آگیا ہوں کہ تمہیں کھا جاؤں۔ ہم ڈر جاتے اور چہ کر جاتے اور سمجھتے کہ یہ حقیرت ہے۔ اسی وجہ سے میں ایک ڈر پسوک شخص ہوں اور اکیلا گھر سے باہر نہیں رہ سکتا۔ اب جب کہ بڑا ہ گیا ہوں وہ خوف ایک اضطراب اور دل گرفتگی کی صورت اختیار کر چکا ہے... اپنے ایک خط میں لکھتی ہے۔

میں پانچ سال کی تھی اپنی خالہ کے ساتھ کھینچ رہی تھی اچانک ہم نے ایک وحشت ناک ہیولا بڑا ساسر درشت آنکھیں، بڑے بڑے دانت، کھلا سیاہ لباس اور بڑے بڑے کالے جوتے۔ وہ صحن کے درمیان میں تھا۔ عجیب آواز نکالتے ہوئے وہ چاہتا تھا کہ۔ ہمیں کھا جائے۔ ہم نے پیچھا ماری اور تارک دالان کی طرف بھاگ گئیں۔ میں خوف سے یوں دیوار سے جا چمٹی کہ۔ میری اہلیہاں زخمی ہو گئیں۔ خوف کے مارے میں بے ہوش ہو گئی اور پ مجھے سمبہ نہ آیا۔ مجھے ڈاکٹر کے پاس لے گئے اور مجھے مرنے سے بچایا۔ اس نیر انسانی فہم نے۔ پر ایسا اثر کیا کہ ایک عمر تک میں کونوں کوروں میں چھپتی اور ذرا آواز بھیس مجھے خوف و وحشت میں مبتلا کر دیتی اور میری پیچھا نکال جاتی اب جب کہ میں بڑی ہو گئی ہوں تو میں ضعف اعصاب اور سوزش تڑپ میں مبتلا ہو گئی ہوں۔ ہمیشہ غم زدہ رہتی ہوں اور عجیب و غریب خیالات آتے ہیں۔ کام اور زندگی میں میرا دل نہیں لٹتا نہ کسی سے میہ لاقات ہے اور نہ کہیں آتی جاتی ہوں۔

بے چین اور مضطرب سی رہتی ہوں۔! ر میں مجھے پتہ چلا کہ ہماری پھوپھی زانے اپنے سر پر ایک بڑا سہلچہ رکھ کے وہ ڈرائیو بھوت کی شکار بنائی تھی تاکہ ہمیں ڈرائے اور وہ ہے میری بیماری اور اعصاب کی کمزوری کی ذمہ دار۔

5۔ اگر آپ کا بچہ آپ کی سہانگی اور عدم توجہ یا دوسرے اسباب کے باعث ڈرپوک بن گیا ہو تو اس کے ڈر کو نیر اہم چیز نہ سمجھیں۔ کوشش کریں کہ جتنی جری ہو سکے اس کی روح کو آرام پہنچائیں اور اس کا خوف دور کریں۔ اگر بچے کو اپنے بعض کاموں کے حقیقی اسباب کا علم ہو گیا تو اس کا پخود بخود جانا رہے گا لیکن خوف کا علاج بچے کہ جھاڑ پھونکار پلانا اس کا مذاق اڑانا اور دوسروں کے سامنے شرمندہ کرنا نہیں ہے۔ ایسا کام نہ فقط یہ کہ بچے کا خوف دور نہیں کرے گا بلکہ اس کی حساس روح کو آزرہ ترکر دے گا۔ خوف میں اس کا کوئی گناہ نہیں ہے۔ وہ ڈرنا نہیں چاہتا۔ آپ خود اور دوسرے عوام اس کے خوف کا سبب بنے ہیں۔ اسے کیوں قصور وار ٹھہراتے ہیں۔ بر، بردباری، سنجہ راری اور تقیر و جستجو کے ساتھ اس کے خوف کے علل و اسباب معلوم کریں پھر ان کے لیے چارہ کار سوچیں۔ اگر وہ جن اور بھوت سے ڈرتا ہے تو اسے پیار محبت سے سمجھائیں کہ بھوت، لولہ اور دیو و نیرہ کا وجود جھوٹ ہے اور ایسی چیزوں کا وجود نہیں ہے۔ اسے مطمئن کریں کہ جن کا انسان سے کوئی کام نہیں۔ کوشش کریں کہ ان چیزوں کا اس کے سامنے لا ذکر نہ کیا جائے تاکہ رفتہ رفتہ ان کا خیال بچے کے ذہن سے محو ہو جائے۔ اگر وہ بے ضرر حیوانات سے ڈرے تو ان کا بے ضرر ہونا اس کے سامنے عملی در پر ثابت کریں۔ ان حیوانات کے قریب جائیں اور انہیں چھوئیں اور بات پکڑیں تاکہ بچہ تدریجاً ان سے مانوس ہو جائے اور اس کا خوف دور ہو جائے۔ اگر وہ اندیرے سے ڈرتا ہے تو اسے کم روشنی کا عادی کریں تاکہ رفتہ رفتہ اس کا خوف جاتا رہے اور وہ تاریکی کا بھی عادی ہو جائے۔ جب آپ خود بچے کے پاس موجود ہوں تو پیر کے لیے چراغ گا کر دیں۔ پرتدریجاً اس مدت کو بڑھائیں۔ جب آپ کسی کمرے میں بچے سے پرفالے پر ہوں تو یہی درائیں۔ بر اور حولے سے اس کا تکرار کریں یہاں تک بچے کا خوف دور ہو جائے اور وہ تاریکی میں رہنے کا عادی ہو جائے۔

اس امر کی طرف بہر حال متوجہ رہیں کہ ڈٹانے ڈھمکانے ، مار پیہ اور سختی سے کام نہ لیں کیونکہ اس طرز ۶ - سے آپ بچے کا خوف دور نہیں کر سکتے۔ بلکہ ممکن ہے یہ برے اعمال کا پیش خیمہ بنے۔ بچے کو اس امر پر مجبور کرنا کہ وہ جن چیزوں سے ڈرتا ہے ان کے سامنے جائے ، اس کے اضطراب اور پریشانی میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔ اس طریقے سے اس کے اعصاب پر بہت دباؤ پڑتا ہے۔ اگر بچہ ڈاکٹر اور ٹیکے سے ڈرتا ہے تو اسے پیار اور محبت کی زبان میں سمجھائیں کہ وہ بیمید ہے اور اگر وہ تندرست ہوتا چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ دو اکلے اور ٹیکے لگوائے۔ اسے دکھائیں کہ دوسرے لوگ بھی ٹیکے لگواتے ہیں اور روتے دھوتے نہیں تاکہ وہ آہستہ آہستہ ڈاکٹر اور ٹیکے سے مانوس ہو جائے اور اس کا خوف زائل ہو جائے۔ اگر کوئی مجبوری نہ ہو تو اسے زبردستی ٹیکے نہ لگایا جائے کیونکہ ممکن ہے اس کے برے اثرات مرتب ہوں۔ بھی ضرورت کا تقاضا ہوتا ہے کہ بچہ ہسپتال میں داخل ہو جائے لیکن اکثر بچے ہسپتال میں داخل ہونے اور ماں باپ کی جدائی سے ڈرتے ہیں۔ اس بناء پر بھی وہ ماں باپ کے لیے بڑی مشکا پیسرا کر دیتا ہے۔ اگر اسے سختی سے ہسپتال میں داخلے پر مجبور کیا جائے تو لما اس سے روحانی اور نفسیاتی درد پر اس پر برے اثرات مرتب ہوں گے۔ اگر ماں باپ یہ سمجھیں کہ ہسپتال میں داخل نہ کروانا اس کی صحت و سلامتی کے لیے نقصان دہ ہے ، یہاں تک کہ اس کس جان کو خطرہ ہو سکتا ہے تو وارین کے لیے ضروری ہے کہ بچے کو پہلے ن سے ہسپتال کے ماحول سے مانوس کریں۔ جب بھسی وہ کسی مریض کی عیادت کے لیے جائیں تو اپنے بچے کو بھی ساتھ لے جائیں اور وہاں پیر ٹھہریں اور اسے یہ بات اچھی طرح سمجھائیں کہ ہسپتال ایک اچھی اور آرام دہ جگہ ہے جہاں پر ڈاکٹر اور مہربان نرسیں موجود ہیں اور یہ لوگ مریض کا علاج کرتے ہیں اسے بتائیں کہ خطرناک بیمیدیوں کا علاج ہسپتال میں ممکن ہے۔ بچے کو تدریجاً ہسپتال کے ماحول سے مانوس کیا جا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر بچے کو ہسپتال میں داخل کرنا پڑ جائے تو وہ اس کے لیے آمادہ ہوگا۔ بہتر ہے کہ پہلے اس بات کی یاد دہانی کروا دی جائے کہ تم بیمید ہو ، تندرست ہو جاؤ۔ لیکن اس کے لیے تمہیں پیر عرصہ ہسپتال میں رہنا ہوگا۔ وہاں پر نرسیں اور مہربان ڈاکٹر موجود ہیں جو تمہاری تندرستی کے لیے کوشش کریں گے۔ ہم بھی تمہیں لے

آتے رہیں۔ لیکن آپس امر کی طرف متوجہ رہیں کہ بچے سے جھوٹ نہ بولیں جب آپ کو جانا ہے تو اس سے یہ نہ کہیں کہ۔ یہاں سو جاؤ، ہم تمہارے پاس نہ ہیں اس سے یہ نہ کہیں کہ ڈرومت تمہیں دوا نہیں دی جائے گی اور ٹیکہ نہیں لگوا جائے گا۔ اس سے یہ نہ کہیں کہ ہسپتال میں تمہارا وقت خوب گزرے گا کیونکہ یہ تمام باتیں خلاف حقیقت ہیں۔ ان سے بچنے کا اہتمام جانا رہتا ہے بلکہ اس سے یہ کہیں کہ تم بیمار ہو اور تمہارے علاج کے لیے ہسپتال میں داخلے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ ہسپتال میں داخلے کے! جہاں تک ممکن ہو سکے اس کی عیادت کے لیے جائیں اس کے پاس ٹھہریں اور اس کے لیے خوشی اور آرام و راحت کا باعث بنیں۔

معقول خوف

معقول خوف کے معاملے میں مرئی کو چاہیے کہ ایک متدل اور عالمانہ نہ روش اختیار کرے بچے کے سامنے خطرناک موضوعات نہ دے اور اسے ان سے بچنے کی تدابیر بتائے، نیز اسے بے احتیاطی کے برے نتائج سے ڈرائے اسے گھبراہٹ، مایوس اور برقی اشیاء کے استعمال کا درست طریقہ سمجھائے اسے ممکنہ خطرات کے بارے میں آگاہ کرے اسے رک پار کرنے کا صحیح طریقہ بتائے۔ گلابوں کی آمد و رفت کے ممکنہ خطرات اس سے بیان کرے اور بچے کو اس بات پر ابھلائے کہ وہ اجتماعی توہین، خصوصاً ٹرانک توہین کی پابندی کرے اور اسے قانون کی خلاف ورزی کے ممکنہ برے نتائج سے ڈرائے مجموعی طور پر احتمالی خطرات کی اس کے سامنے وضاحت کرے اور ان سے اسے ڈرائے مجموعی طور پر احتمالی خطرات کی اس کے سامنے وضاحت کرے اور ان سے اسے ڈرائے اور ان سے بچنے کا طریقہ۔ اسے سمجھائے لیکن اس امر میں مبالغہ سے کام نہ لے۔ مبالغہ آرائی سے ایسا نہ کرے کہ بچہ وحشت و اضطراب میں گرا جائے ڈرپوسک اور وسوسا بن جائے۔ اور یوں سمجھنے سے کہ اس کے بچنے کا کوئی راستہ نہیں۔ کوشش یہ کرنا چاہیے کہ اس میں توہین و عیسائیت اور امید بر خدا کا جذبہ بیدار ہو خوف کا ایک صحیح مقام موت کا ڈر ہے البتہ موت سے خوف اگر حد سے تجاوز کر جائے تو یہ بھی ایک نفسیاتی بیماری بن جاتا ہے یہ بیماری انسان سے روحانی آرام و سکون چھین لیتی ہے اور اس کی عملی لائحہ عمل کو ناکارہ کر دیتی ہے لہذا اس کے لیے بھی حفاظتی تدابیر ضروری ہیں۔

پ۔ عرے تک بچے ا لا موت کا مفہوم ن نہیں سمجھتا۔ بہتر یہ ہے کہ مرئی حضرات اس بارے میں بات نہ کریں لیکن بھس یس۔ ہوتا ہے کہ بچے اپنے کسی واقف کاریا شتے دار کے مرنے سے موت کی طرف متوجہ ہوتا ہے ممکن ہے ایب موع پر وہ اس باپ سے موت کے بارے میں سوالات پوچھے۔ اگر اس وقت بچے رشد و تمیز کے سن کو پہنچا ہو تو ماں باپ اسے اس قسطے کس حقیرت بتادیں۔ اس سے کہیں کہ موت کوئی خاص چیز نہیں ہے۔ انسان مرنے کی وجہ سے اس جہاں سے دوسرے جہاں میں منتقل ہو جاتا ہے، اسے جہاں آخرت کہتے ہیں۔ اس جہاں میں انسان کو اچھے کاموں کا ثواب ملے گا اور برے کاموں پر اسے عذاب ملے گا، نے مرجاتا ہے، اللہ تالی قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

"تمام لوگ مرجائیں۔"

موت اہم چیز نہیں ہے بلکہ اہم یہ ہے کہ انسان برے کام نہ کرے اور اچھے کام کرے تاکہ مرنے کے !ر وہ آرام سے رہے۔ موت کی یا حد سے تجاوز نہیں کرنی چاہیے اور اسے وسواس کے مقام تک نہیں پہنچنا چاہیے۔ ایسا ہونا نقصان وہ ہے جب کہ۔ اس یاد سے بچے کی تعلیم و تربیت کے لیے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

خوف کا ایک مثبت مقام خوف خدا یا خوف قیامت ہے۔ یہ خوف بھی اگر ایک نفسیاتی بیماری کی صورت میں نہ ہو تو نہ فقط یہ کہ بسرا نہیں ہے بلکہ انسان کی دنیاوی اور اخروی سہ لات کے لیے بہت مفید ہے۔ خوف الہی اور عذاب آخرت کا خوف انسان کو نیک کاموں پر ابھارتا ہے اور برے کاموں سے روکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تالی قرآن مجید میں لوگوں سے فرماتا ہے :

فلا تخافوہم و خافون ان کنتم مومنین اگر تم ایمان ہو تو دوسروں سے نہ ڈرو صرف سب سے ڈرو۔ (آل عمران 175)

نیز قرآن قیامت کی مشلات اور عذاب کو لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے۔ لہذا ایک عقلمند، سبب دار اور متدین مرئی کو ش کرتا ہے کہ خوف الہی گناہ سے خوف اور خوف قیامت کا بیج بچے کی حساس روح میناس کے بچپن ن میں بودتے تاکہ رفتہ رفتہ وہ نشو و نما

پائے

اور بڑا ہو کر اس کا نیک ثمرہ ظاہر ہو۔

البتہ اس نکتے کی یاد دہانی بھی ضروری ہے کہ لیک بہترین مرئی کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ ہمیشہ دوزخ اور عذاب دوزخ کا ذکر کرتا رہے اور اللہ کو سخت ، جابر شخص کی حیثیت سے معذرت کروائے بلکہ اس کی رحمت ، مہربانی ، شفقت اور لطف کی صحت کا زیادہ تذکرہ کرے۔ اس کے ذریعے سے اللہ کو محبوب کے در پر منوائے اور لوگوں کو گناہ کے عذاب اور اللہ کی عظمت سے اس طریقے سے ڈرائے کہ وہ ہمیشہ خوف و رجا کی حالت میں رہیں۔

کود

جف سانس لینا بچے کے لیے ضروری ہے ای ن کھیہ کوداس کے لیے ایک فطری امر ہے۔ پر ائمری و مڈل میں بچے کی سے بڑی سرگرمی اور مشغولیت کھیہ ہے۔ اس کے بر آہستہ کم ہو جاتی ہے اور پر ضروری کام اس کی جا لے لیتے ہیں۔ کھیہ کے لیے بچے کے پاس دلہ نہیں ہے۔ البتہ وہ ایسا نہیں کر سکتا کہ کھیہ نہ۔ بچہ ایک موجود زندہ ہے اور ہر موجود زسرہ کو چاہے وہ فال رہے۔ کھیہ بھی بچے کے لیے ایک قسم کی فزولیت اور کام ہے بچے کا کہ کھیہ اس کی ہیمہاری اور ہاتوانی کس علامت ہے۔ اسلام نے بھے بچے کی فطری ضرورت کی طرف توجہ دیتے ہوئے حکم دیا ہے کہ اسے آزاد چھوڑا جائے تاکہ وہ کھیہ۔

حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا: بچے کہ سات سال تک آزاد چھوڑیں تاکہ وہ کھیہ۔⁽¹⁾

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک مرتبہ بچوں کے پاس سے گزرے کہ جو ٹی سے کھیہ رہے تھے۔ آپ (ص) کے بعض اصحاب نے انہں کھیہنے سے منع کیا۔ رسول اللہ نے فرمایا: انہیں کھیہنے دو ٹی بچوں کی چراگاہ ہے۔⁽²⁾

1_ وسأ ج 15 ص 193

2_ مجمع الزوائد ج 8 ص 159

کھسی بچے کے لیے ایک فطری ورزش ہے۔ اس سے اس کے پٹھے مضبوط ہوتے ہیں۔ اس کی ہم اور عقلی قوتوں کو کام میں لاتی ہے اور اسے مزید طاقت عطا کرتی ہے۔ بچے کے اجتماعی جذبات اور احساسات کو بیدار کرتی ہے۔ اسے م اثرتی زندگی گزارنے اور ذمہ داریوں کو قبول کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔

ماہرین نفسیات کھسی کے اصلی محرک کے بارے میں اختلاف نظر رکھتے ہیں اور اس سلسلے میں انہوں نے جو تحقیقات کیں ہیں وہ ہمارے کام کی ہرگز نہیں ہیں ہمارے لیے جو اہم ہے وہ یہ ہے کہ اس فطری امر سے بچے کی تعلیم و تربیت کے لیے استفادہ کریں اور اس کی آئندہ کی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے اسے کام میں لائیں۔ ایک ذمہ دار مری کو نہیں چاہیے کہ وہ کھسی کو سوس ایک مشمولیت شمار کرے اور اس حساس اور پر اہمیت علم کو بے وقت سمجھے۔ بچے کھسی کے دوران خارجی دنیا سے آشنا ہوتا ہے۔ حقائق سمجھنے لیتا ہے۔ کام کرنے کا انداز سیکھتا ہے۔ خطرات سے بچنے اور ایک دوسرے کے ساتھ ہم دت ہونے، مش کرنے اور مہارت حاصل کرنے کا انداز سیکھتا ہے۔ اجتماعی کھسی میں دو دوسروں کے حقوق کا خیال رکھنا اور اجتماعی قوانین کی پابندی کرنا سیکھتا ہے۔ دیلم اسٹرن لکھتے ہیں: کھسی لاجبیتوں کے رشد و نمو کا ایک فطری ذریعہ ہے یا آئندہ کے اعمال کے لیے ابسرائی مش۔ کسے مانند ہے (1) لیکسی میم دیہ گورکی لکھتے ہیں: کھسی بچوں کے لیے جہاں اوراک کی طرف راستہ ہے۔ وہ راستہ کہ جس پر وہ زندگی گزارتے ہیں، وہ راستہ کہ جس پر بدل کے انہیں جانا ہے۔ کھیلنے والا بچہ اپنے کو دینے کی ضرورت پوری کرتا ہے چیزوں کے خصوص سے آشنا ہوتا ہے۔ کھسی بچے کو آداب م اثرت سیکھنے میں مدد دیتا ہے۔ بچے نے

جو پ دیکھا ہوتا ہے اور جو پ وہ جانتا ہے اسے کھسی میں ظاہر کرتا ہے۔ کھسی اس کے احساس کو مزید گہرا کر دیتا ہے اور اس کے تصورات کو واضح تر بنادیتا ہے۔ بچے اگر بناتے ہیں۔ کارخانہ تعمیر کرتے ہیں۔ شمالی کی طرف جاتے ہیں۔ فضا میں پرواز کرتے ہیں، سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں اور گاڑی چلاتے ہیں۔

آئٹن سمیو نو^۱ ماکارنو جو روس کے معروف ماہر امور پرورش ہیں، کہتے ہیں: کھسی میں بچہ جیسا ہوتا ہے، بڑا ہو کر کام میں بھی ویسا ہی ہوگا۔ کیونکہ ہر کھسی میں ہر چیز سے پہلے کرو^۲ کی کوشش کارفرما ہوتی ہے۔ لچھا کھسی اپنے کام کے مانس رہے۔ جو کھسی آشکار ہوتا ہے اس میں بچے کے احساسات اور آرزوئیں ظاہر ہوتی ہیں۔ کھیلنے والے بچے کو غور سے دیکھیں۔ اسے دیکھیں کہ وہ جو پروگرام اس نے اپنے لیے بنایا ہے اس پر کیف حقیقت پسندی سے^۳ کرتا ہے۔ کھسی میں بچے کے احساسات حقیقی اور اصلی ہوتے ہیں۔ بڑوں کو ان سے بھی بھی بے اتناء نہیں رہنا چاہیے^(۱)

ویم میڈوگا رقم طراز ہیں: قبہ اس کے کہ فطرت میدان^۴ میں داخل ہو، کھسی کسی شخص کے فطری میلان کا مظہر ہوتا ہے۔^(۲) لہذا بچہ اگر چہ کھسی میں ظاہراً کوئی اہم مرسوم کام انجام نہیں دے رہا ہوتا لیکن اس کے باوجود کھسی کام سے کوئی عملی فرق بھی نہیں رکھتا۔ اسی کھسی کے دوران میں بچے کے فطری اور ذاتی میلانات ظاہر ہوتے ہیں اسی میں اس کا اجتماعی و انفرادی کردار صحت پذیر ہوتا ہے اور اس کے مستقبل کو روشن کرتا ہے۔

1_ روان شناسی حجرنی کودک ص 130

2_ روان شناسی کودک از ڈاکٹر جلالی ص 332

بچے کے سرپرستوں کو چند قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

بعض ایسے ہیں جو کھلیے کو بچے کا عیب اور بے ادبی کی علامت سمجھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ حتیٰ الامکان بچے کو کھلیے سے باز رکھیں تاکہ وہ آرام سے ایک گوشے میں بیٹھا رہے۔

ایسے بھی ہیں جو بچوں کے کھلیے کے مخالف نہیں ہیں اور وہ بچے کو کھیلنے کے لیے آزاد چھوڑ دیتے ہیں اور اس کے کھلیے میں کوئی دخل بھی نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ بچہ خود اپنی اچھی طرح جانتا ہے کہ اسے اور کس چیز سے کھیلنا جائے۔

تیسری قسم ایسے سرپرستوں کی ہے جو بچوں کے کھلیے کے لیے مشہور ولایت کے علاوہ کوئی ہدف نہیں سمجھتے۔ وہ کھلیے کے مقصد کسی طرف توجہ کیے بغیر بچوں کے لیے کھلیے کا سامان خریدتے ہیں کھلیے کا اچھا برا سامان خرید کر بچوں کے ہاتھوں میں تھما دیتے ہیں اور اپنے گھر کو کھلیے کے سامان کی دوکان بنا دیتے ہیں لیکن بچوں کے کھلیے میں کوئی دخل اندازی نہیں کرتے بچے کو ہنس مریضی سے کھیلنا ہے، بگاڑنا ہے اور پھینک دینا ہے ہنستا ہے اور خوش ہوتا ہے اور اپنے خوبصورت کالونوں کی بناء پر دوسروں پر خیر کرتا ہے۔

چوتھی قسم ایسے سرپرستوں کی ہے جو نہ صرف بچے کو کھلیے کی اجازت دیتے ہیں بلکہ ان کے کھلیے پر پوری نظر بھسی رکھتے ہیں۔ اور گوئی مہنگا پیش آجائے تو وضاحت کرتے ہیں اور اس مہنگا کو حاکم کرتے ہیں۔ بچے کو موقع نہیں دیتے کہ مہنگا میں ہنسی کرے و عقدا کو استعمال کرے اور ہنسی لاجحیت سے مہنگا کو حاکم کرے، اس طرح سے بچے میں خود لاجحیت پیرا نہیں ہوتی اور اس کس وقت ارادی پروان نہیں چڑھتی بلکہ وہ تمام تر ماں باپ پر اٹھنا کرتا ہے کہ وہ ذرا اس کی مدد کو لیں۔

ان چاروں میں سے کوئی طریقہ بھی پسندیدہ اور سودمند نہیں ہے کہ جسے بچے کی تعلیم و تربیت کے لیے مفید اور بے نقص قرار دیا جائے۔ ہر ایک میں ایک یا زیادہ نقص موجود ہیں۔ بہترین روش کو جو ایک ذمہ دار اور آگاہ مرئی اختیار کر سکتا ہے یہ ہے کہ۔

اولاً: بچے کو کالا آزاد چھوڑ دے تاکہ وہ اپنے میلان کے مطاباً کھیلے۔

ثانیاً: اس کے کھیلنے کے لیے ضروری چیزیں فراہم کرے۔

نالٹا: کھسے کے لیے اسی چیزوں کا انتخاب کرے کہ جن سے بچے کی نکر اور دماغی لاحتوں کو تقویت پہنچے اور دوسری طرف اس میں کوئی فنی پہلو بھی موجود ہونا چاہیے جو بچے کو مفید کاموں کے لیے تشویق کرے اور اسے اجتماعی اور اشتراکی امور اور کاموں کو انجام دینے پر آمادہ کرے کھیلوں کی زیادہ تر چیزیں وقت اور پیسے کے ضیاع کے علاوہ پھل نہیں رکھتیں۔

مثلاً اگر آپ اس کے لیے کبلی سے چلنے والی کارڈ گارڈ خریدیں یا کوئی اور چیز۔ خریدیں تو آپ کا بچہ صرف ایک تماشہ بن جائے گا۔ سارا اس میں گمن رہے گا۔ اسے دیکھے گا۔ بے گا۔ نہ اس میں کوئی اس کی نکر استعمال ہوگی۔ نہ کوئی اسی چیز پر اسے کرسکے گا جو آئندہ زندگی میں اس کے کام آسکے۔

کھیلنے کے لیے بہترین چیزیں کھسے کا وہ سلمان ہے جو فنی پہلو رکھتا ہو اور ناکمل ہو بچے کو کھسے کریں مثلاً کسی عمارت کے مختلف حصے اور ٹکڑے ہوں۔ ناکمل تصویریں۔ سلانی اور کڑھائی کا سلمان، کبلی کی لائن پھانے اور دیگر میکانیکی کام۔ اسی طرح بڑھنس اور دیگر فنون سے متعلقہ چیزیں۔ زراعت اور درخت لگانے میں درکار اشیاء ٹریٹر، اور کھیتی باڑی کی مشینیں۔ دھاگہ بننے اور کپے بننے کی مشینیں ڈرائنگ اور مصورن و نقاشی کی اشیاء۔ الگ الگ الف، ب، اسی طرح سکھانے اور بنانے کی چیزیں اور مجموعی در پر کھسے۔

کا وہ ستاسلمان کو جو بچے کے کام آسکے اور وہ اسے بناتا رہے۔ بگاڑے پر بنائے اور اس طرح سے اپنے تجربے اور پہچان کو بڑھاتا رہے۔ کھسے کا ایسا سلمان بچے کی دماغی لاحت کو تقویت پہنچاتا ہے اور اسے مفید اجتماعی کاموں کی طرف راغب کرتا ہے اور اسے تعمیری اور پیداواری سرگرمیوں کے لیے ابھارتا ہے۔ نہ کہ اسے ایک تماشائی اور صارف اور خرچ کرنے والا بنادیتا ہے۔

اس کے بارے بچے کو راہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے تو ایک اچھا مربی بچوں کے کھسے کو نظر انداز نہیں کرسکتا اور اس پر نظر رکھتا ہے۔ کھسے کی نگرانی بذات خود ایک طرح کی تعلیم و تربیت ہے۔

ایک آگاہ اور ذمہ دار مربی کھسے کا مفید سلمان بچے کے سپرد کرنے کے بارے سے آزاد چھوڑدیتا ہے تاکہ وہ کھیلے اور اس میں ہنی نکر کو استعمال کرے لیکن بالواسطہ وہ کھسے کی نگرانی

کرتا ہے اور جہاں ضروری ہو اس کی مدد کرتا ہے۔

معملاً اگر اس کے لیے نئی گاڑی یا رتہ گاڑی خریدتا ہے تو اس سے پلوپ کہ کار اور رتہ گاڑی کس کام آتی ہے۔ بچہ سوپنے کے بارے میں جو بات دیتا ہے مسافروں اور سلمان کو لے جانے کے لیے۔ پَر وہ مزید اس میں دخالت نہیں کرتا۔ بچہ خود سوپنے لتا ہے کہ اس پر سلمان اور مسافر سوار کرے اور اگر اس کام میں کوئی کمی ہو اور کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو وہ خود اسے مہیا کرے گا۔ اگر گاڑی میں یا کسی اور کونے میں کوئی فنی خرابی پیدا ہو جائے تو نہ آپ خود اس خرابی کو دور کریں اور نہ اس کے لیے کوئی اور کونہ خریدیں۔ بلکہ خود بچے کو تفویض کریں کہ وہ اس کی خرابی کو دور کرے اور مجموعی طور پر اس سے مسألت کرنے میں بلا واسطہ دخالت نہ کریں۔ بلکہ اس سلسلے میں خود بچے سے کام لیں اور اس کی رہنمائی کریں تاکہ اس میں اپنے آپ پر اتنا پیسہ نہ ہو اور اس کا ذوق اور ہنر ظاہر ہونے لگے۔ اگر آپ اپنی بیٹی کے لیے گڑیا خریدیں تو اسے بالکل صاف صورت میں نہ خریدیں بلکہ اس کی تکمیل کرنے کے لیے خود بیٹی سے کہیں۔ اگر آپ بیٹی سے پوچھیں کہ اس گڑیا کے لیے کیا چیز ضروری ہے تو وہ سوپنے کے بارے میں جواب دے گی کہ۔ اسے لباس کی ضرورت ہے۔ پَر آپ اسے کہہ سکتے ہیں تاکہ وہ اس کے لیے لباس تیار کرے۔ آپ کی رہنمائی میں وہ اپنی گڑیا کے لیے لباس تیار کرے گی۔ اس پہنائے گی۔ اس کے کپڑے دھوئے گی گڑیا کے لیے کھانا تیار کرے گی۔ اس کا منہ دھوئے گی۔ اسے نہلائے گی۔ اسے سلائے گی۔ پَر اسے بگائے گی پَر اسے مہمان کے در پر لے جائے گی۔ پَر اس کو بات کرنے اور ادب سکھائے گی اس طرح سے بیٹی گڑیا سے کھیلے گی۔ لیکن ایک سود مند مفید اور تعمیری کھیل۔ اس وقت آپ یہ دیکھیں۔ آپ کی بیٹی نے جو پلوپ دیکھا یا سنا ہے وہ اپنی گڑیا پر آزمائے گی بچہ ایک مقدر ہے۔ بہت سے کام اپنے ماں باپ، بھائی بہنوں اور دوسرے لوگوں کی تقلید میں انجام دیتا ہے۔ کونے اس وقت مفید ہیں جب بچہ ان سے کھیلے اور کام اور ہنر سیکھے نہ یہ کہ انہیں حفاظت سے رکھے اور ان کی حرکات کو کافی سمجھے اور دوسرے بچوں پر خیر کرے۔ کونوں کے لیے ایک مخصوص جا ہونا چاہیے جہاں بچہ کھیلے کے بارے میں رکھ سکے۔

اس جہ کی صفائی اور تنظیم و ترتیب بچے کے ذمے ہونی چاہیے کہ لونے بہت زیادہ نہیں ہونے چاہئیں کہ بچہ ان میں اجماع ہے اور یہ نہ سمجھ سکے کہ اسے کس کے ساتھ کھیلنا ہے بلکہ ضروری مہارت پر اکتفاء کرنا چاہیے۔ ضروری نہیں کہ لونے بہت خوبصورت اور مہینے ہوں۔ خود بچہ کاغذ، گتے، ڈبے، ٹکٹوں و نیرہ کے ذریعے لونے بنا سکتا ہے یا جو لونے اس نے خریدے ہیں انہیں کھہ کر سکتا ہے۔ مجموعی طور پر کھیا کو چند قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1_ انفرادی کھیا کہ جس میں بچہ خود اکیلا کھیا سکتا ہے۔

2_ اجتماعی کھیا کہ جو دوسروں سے مل کر کھیا جاتا ہے

3_ نکر کھیا کہ جو ہم و امداک کو تقویت پہنچاتا ہے۔

4_ ورزشی کھیا کہ جو جسم اور ہتھوں کو مضبوط کرتا ہے۔

5_ حملے اور دفاع کا کھیا کہ جس میں کھلاڑی حملہ اور دفاع کے بارے میں سیکھتا ہے۔

6_ ایک دوسرے سے تعاون کر کے کھیا جانے والا کھیا کہ جس میں دوسروں سے تعاون کی روح کو تقویت پہنچائی جا سکتی ہے۔

ابتداء میں بچہ انفرادی کھیا کھیلنا ہے۔ اس مرحلے میں بچے کو آزاد چھوڑ دینا چاہیے تاکہ وہ لونے سے کھیلنا رہے۔ لیکن مربی کسی ذمہ داری ہے کہ اس کے کھیا پر نظر رکھے اس کے لیے لونوں کا انتخاب کرے اس کی دماغی قوت کو کام میں لائے اور اس کو سو۔ سو۔ میں اضافہ کرے دوسری طرف، مربی یہ بھی دیکھے کہ بچے کا کھیا فنی اور پیدا داری پہلو بھی رکھتا ہو تاکہ اس سے مفید اجتماعی کاموں کا عادی بنایا جا سکے، بھی بچہ یہ چاہ رہا ہوتا ہے کہ اپنا کوئی لونا توڑ گاڑے اور پھر اسے دوبارہ ٹھیک کرے۔ اسے اس کام میں آزادی دینا چاہیے کیوں کہ وہ تجربہ کرنا چاہتا ہے اور اس کے فنی پہلو کو سیکھنا چاہتا ہے۔ لیکن اگر اسے کوئی مشق کا دور پیش آجائے تو مربی کو چاہیے کہ اس کی راہنمائی کرے۔ پھر بچہ کسی حد تک اجتماعی مزاج کا حامل ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر اسے اجتماعی اور گروں کھیا پسند ہوتے ہیں۔ جب مربی دیکھے کہ بچہ مہارت کی طرف متوجہ

ہے اور اجتماعی کھینچنے کا آرزو مند ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کی حوصلہ افزائی کرے تاکہ بچے کا یہ اجتماعی جذبہ دن بھر ترقی کرتا جائے۔ اس مرحلے پر بھی مربی کے لیے ضروری ہے کہ وہ بچے کے کھینچنے پر نظر رکھے اور اسے مفید اجتماعی کھیلوں میں طرف راہنمائی کرے۔ زیادہ مروج کھیلیں ذرا، والی بال اور باسکٹ بال ہیں۔⁽¹⁾ اکثر بچے اسکول میں اور اسکول سے باہر اپنے فارغ اوقات انہی کھیلوں میں گزارتے ہیں۔ یہ کھیلیں اگر بچہ پٹھوں کی ورزش اور مضبوطی کے لیے سودمند ہیں لیکن یہ امر باعث افسوس ہے کہ ان کھیلوں میں ایک بہت بڑا نقص بھی ہے وہ یہ کہ حملہ آور ہونے کی کھیلیں ہیں اور ایسی کھیلیں بچے میں جن جنونی اور تشدد پسندی کا مزاج پیدا کر دیتی ہیں۔ ان کھیلوں میں حصہ لینے والے بچوں کی پوری توجہ اس جانب مبذول ہوتی ہے کہ اپنے ساتھیوں یعنی دوسرے انسانوں پر کس طرح برتری حاصل کی جائے اور انہیں کھٹ مغلوب اور شکست خورد کیا جائے اور یہ انسان کے لیے ایک بری صفت ہے۔ ان کھیلوں میں اگرچہ تاون بھی ہوتا ہے لیکن یہ تاون بھی دوسرے انسانوں پر غلبہ حاصل کرنے کی نیت سے ہوتا ہے۔ ان کھیلوں سے بھی بدتر کشتی اور باسکٹ ہے۔ جو کہ ابتدائی انسان کے وحشی پن کو ایک کالہ۔ یہ لوگ ہے۔ کاش اس طرح کے کھینچنے والے رائج نہ ہوتے اور ان کی جگہ ایسے کھینچنے مرسوم ہوتے جن میں اجتماعی تاون کی روح کارفرما ہوتی اور بچوں میں انسان دوستی کے جذبے کو تقویت ملتی اور وہ فائدہ مند پیداواری سرگرمیوں کی طرف متوجہ ہوتے۔ ر۔ اس ضمن میں تحریر کرتے ہیں: آج کی انسانیت کھٹے کی نسبت بہت زیادہ کڑی پرورش اور باہمی تاون کی محتاج ہے کہ جس کا سے بڑا دشمن ملوہ پرستی ہے۔ انسان رقابت آمیز اعمال اور مزاحمت و حسد کا محتاج نہیں ہے کیونکہ یہ تو وہ چیزیں ہیں کہ جو بھی انسان پر غالب آجاتی ہیں اور بھی وہ ان پر غالب آجاتا ہے۔⁽²⁾

1۔ لندن میں یہی کھینچنے زیادہ رائج ہیں (مترجم)

باعث افسوس ہے کہ سرپرست حضرات نہ فقط یہ کہ اس امر کے بارے میں نہیں سوچتے بلکہ دانستہ یا نادانستہ ایسے کھیلوں کو کس ہدایت زیادہ ترویج کر رہے ہیں اور بچوں اور نوجوانوں کو حد سے زیادہ ان میں مصروف کر رہے ہیں۔ اے کاش اسکولوں اور کالجوں کے سمسج رار اور ذمہ سرپرست اس بارے میں کوئی چارہ کار سوچتے اور ہمدرد ماہرین کے ذریعے فائدہ مند اجتماعی کھیلوں کو رواج دیتے جو ایت مذکورہ کھیلوں کی جالے سکتے۔

اس سلسلہ بحث کے آخر پر اس نکتے کا ذکر بھی پر اس نکتے کا ذکر کر بھی ضروری ہے کہ بچہ کو اگر چہ کھیل کی ضرورت ہے اور یہ۔ اس کے لیے ضروری ہے لیکن کھیل کے اوقات مرود ہونے چاہئیں۔ ایک سمسج رار اور باشور مرئی بچے کے کھیل کے اوقات اس طرح سے مرتب کرتا ہے کہ بچہ خود بخود اجتماعی اور سود مند پیداواری سرگرمیوں کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ یوں زندگی کے دو سے مرحلے میں کھیل کو چھوڑ کر حقیقی اور سود مند کام انجام دینے لیتا ہے۔ ایسا مرئی اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ۔ بچے کا مزاج اس کھیل کو کا بن جائے اور اس کا کمال یہی کھیل کو د بن جائے اور وہ اس بات پر خیر کرنے کے مینہترین کھلاڑی ہوں۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: جو کھیل کارہیا ہو گا کامیاب نہ ہو سکے گا۔⁽¹⁾ اس کے متعلق لکھتا ہے: یہ نظریہ کہ۔ کس انسان کی شخصیت کا مریار کھیل میں اس کا سابقہ ہے، ہمارے سماجی عجز و تنزل کی علامت ہے کہ ہم یہ بات نہیں سمجھ سکتے کہ۔ ایک جدید اور پیچیدہ دنیا میں رہنے کے لیے معرفت اور تفکر کی ضرورت ہے⁽²⁾

اجتماعی کھیلوں کی ایک مہمکا یہ ہے کہ ان سے بچوں میں کدورت اور لڑائی؟ گڑھا پیدا ہو جاتا ہے۔ اٹھے کھیلنے والے بچے بھیس ایک دوسرے سے لڑتے؟ گڑتے بھی ہیں۔

1_ غراکم، ص 854

2_ در تربیت ص 122

ایہ موقع پر سرپرست حضرات کی ذمہ داری ہے کہ ذرا دخالت کریں اور ان میں صلح و محبت پیدا کر کے انہیں کھینچیں۔ میں مشہور کر دین یہ کام اتنا مشکل بھی نہیں ہے کیونکہ ابھی تک عناد اور دشمنی بچوں کے دل میں جڑ پیدا نہیں کر چکی ہوتی۔ اس لیے وہ بہت جلد ایک دوسرے سے پرگھ جاتے ہیں۔

بدقسمتی سے بعض اوقات بچوں کا گڑا بڑوں میں سرایت کر جاتا ہے اور وہ کہ جو عقد مند ہیں ایک دوسرے کے مقابلہ کے ہو جاتے ہیں۔ پر ماں باپ بے تفریق کے اور کی بات سمجھے! بے اپنے بچے کا دفاع شروع کر دیتے ہیں اور یہ امر بھیس لڑائیں؟ گڑا ہر جہاں تک کہ بھی تھانے تک جا پہنچتا ہے۔ جب کہ ایسا کرنے سے بچوں کی غلط تربیت ہوتی ہے اور یہ بچے پر بہت بڑا ظلم ہے جو بچے اب وقت کو دیکھتا ہے سو چتا ہے کہ۔ و حقیقت کی کوئی اہمیت نہ 8 میں اور کسی کو سے سرو کلا نہیں اور ہر ماں باپ بچے کی بنا پر اپنے بچے کا دفاع کر رہے ہیں۔ اس طرح کا بچے بے جا تے اور کشی کا عملی سبب اپنے ماں باپ سے لیتا ہے اور کے اثرے میں اس سے کام لیتا ہے

خود نمائی

خود نمائی اور اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے کا احساس ہر ایک میں تھوڑا بہت موجود ہے۔

ہر انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ جاذب نظر اور اہم کام انجام دے کر اپنی شخصیت و اہمیت دوسروں پر ثابت کر سکے تاکہ دوسرے اسے سراہیں، اس کی قدر پہچانیں اور اس کے وجود کو نینت شمار کریں۔ تقریباً ایک سال کی عمر کے لڑکے اس فطری خواہش کی علامتیں بچے میں ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ بچہ کو شکر دینا کہتے ہیں کہ مہنگے میں ایک سے دوسری جاننا رہے اور اپنی حرکات سے دوسروں کی توجہ اپنی طرف مبذول کروائے۔ جس کام سے اس کے ماں باپ اور دوسرے لوگ خوش ہوں اور وہ ہنسیوں ان کا تکرار کرتا ہے، انہیں دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور اپنی کامیابی پر خرم کرتا ہے۔ بھی اشارے اور بھی تصریح کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ دیکھیں میں کتنا اہم کام انجام دے رہا ہوں

خود نمائی کی خواہش فی نفسہ کوئی بری صفت نہیں ہے۔ یہی درونی احساس انسان کو کوشش اور جدوجہد کے لیے ابھارتا ہے تاکہ وہ سب سے بہتر نمبر حاصل کرے یا بہترین مقرر بن جائے یا اچھا کرے۔ قرار پائے یا ماہر مصور ہو جائے یا ایک زبردست شاعر بن جائے یا ایک اچھا مصنف بن جائے یا ایک اچھا صنعت کار یا موجد ہو جائے۔

اس صفت کا اوصاف وجود برائے نہیں لیکن اہم بات اس سے استفادہ ہے۔ اگر اس خواہش کی درت راہنمائی کی جائے اس سے صحیح طریقے سے سیراب کیا جائے تو یہ بہترین نتائج کی حاصل ہوتی ہے۔ ابتدائی دور پر بچہ اچھے اور برے میں تمیز نہیں کر سکتا۔ ہر کام کسی

اچھائی

یا برائی کا میدان اس کے لیے یہ ہے کہ اس کے دارمیں اسے پسند کرتے ہیں یا ناپسند۔ ایک اچھا مرئی کہ جس کی اس نکتے پر توجہ ہو وہ تحسین و تشویق کے ذریعے کی خود نمائی کی خواہش کی تقویت کرتا ہے۔ اس کے اچھے اور مفید کاموں پر اظہار مسرت کرتا ہے اور اس طرح سے اس میں اچھے اخلاق و آداب کی بنیاد رکھتا ہے اگر اس سے کوئی غلط اور خلاف ادب کام دیکھتا ہے تو نہ صرف یہ کہ اظہار مسرت نہیں کرتا بلکہ اپنی ناراضی اور ناپسندیدگی کا اظہار بھی کرتا ہے اور اس طرح سے اس کی برائی بچے کو سمجھتا ہے۔ اس کی طرف سے تحسین و تعریف سوچی سمجھی اور حقیت کے مطاب ہوتے ہیں اور اس بارے میں وہ تھوڑی سی بھی سہرا-گاری اور غفلت نہیں کرتا۔ اور اس طریقے سے وہ بچے کو اچھائیوں کی طرف جذب کرتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے۔

البتہ بعض نادان ماں باپ اس بارے میں افراط سے کام لیتے ہیں۔ بچے کے ہر کام پر اگرچہ وہ غلط اور بے ادبی پر مبنی کیوں نہ ہو اظہار مسرت کرتے ہیں اور اس طرح سے اس میں ناپسندیدہ اخلاق و آداب کی بنیاد رکھتے ہیں۔ اس کی خوبوں کے بارے میں مبالغہ کرتے ہیں۔ ہر جاہل اور ہر کسی کے سامنے اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اس کی ہنر نمائیوں کو دوسروں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ایسا بچہ ممکن ہے تاجر اور خود پسندی میں مبتلا ہو جائے اور پُر آہستہ آہستہ ایک خود غرض اور جاہ طلب شخص بن جائے اور اپنے لیے ایک جھوٹی شخصیت گئے اور لوگوں سے خواہش کرے کہ اس کے ماں باپ کی طرح اس کی موہوم اور خیالی شخصیت کس تعریف و توصیف کریں اور اگر وہ اس بارے میں کامیاب نہ ہو تو ممکن ہے اس میں ایک نفسیاتی عثرہ پیدا ہو جائے اور وہ لوگوں کو قدر ناشناس سمجھنے لگ جائے۔ یہاں تک ممکن ہے کہ اپنی خیالی شخصیت کے لیے اور لوگوں کی ناقدری کا بداء لیتے کہے لیے وہ کوئی غلط کام خطرناک اقدام کرے۔ وہ چاہے گا کہ اپنی شکست خوردہ خواہشات کو پورا کرے اور دوسروں کی توجہ اپنی شخصیت کس طرف مبذول کرے چاہے اس کے لیے کچھ بھی ہو جائے۔

اس نکتے کی یاد دہانی بھی ضروری ہے کہ ماں باپ کو چاہیے کہ بچے کے اس احساس

سے استفادہ کریں اور حد درجہ اس کی تربیت اور رکاب کی کوشش کریں اور اس کی ایک بلند اور بہتر راستے کی طرف راہنمائی کریں۔ ۔۔۔

باپ کی رضا اور خوشنودی کی جاہ آہستہ آہستہ اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کی اس میں خمیہ پیدا کریں۔ آہستہ آہستہ اس طرح کے جملے کہنے کی بجائے کہ مجھے یہ کام پسند نہیں یا فلاں کام ابو کو پسند نہیں یہ کہیں کہ اللہ کو یہ کام پسند نہیں اور وہ اس کام پر راضی نہیں۔

تقلید

تقلید کی سرشت انسانی فطرت میں موجود توی ترین جبلتوں میں سے ہے یہ بھی ایک سود مند اور تعمیری سرشت ہے۔ اسی بیرت کسی بدولت بچہ بہت سی رسوم زندگی آداب و اثرت کھانا کھنا ، لباس پہننا ، طرز تہلّم ، اور الفاظ اور جملوں کی ادائگی کا طریقہ ۔ ماں باپ اور دوسروں سے سیکھتا ہے انسان ایک مقرر ہے اور ہنی پوری زندگی میں دوسروں کی تھوڑی یا زیادہ تقلید کرتا ہے لیکن ایک سے پاؤں ۔

سال کی عمر کے دوران اس میں یہ سرشت زیادہ نمایاں ہوتی ہے ، بچہ ایک عمر تک چیزوں کے حقیقی مصاح اور مفاسد سے ہرگز آگاہ نہیں ہوتا وہ اپنے کاموں کے لیے ایک عالمانہ اور در ت ہدف کا تعین نہیں کر سکتا اس مدت میں اس کی تمام تر توجہ ماں باپ اور ارد گرد کے دوسرے لوگوں کی طرف ہوتی ہے ان کے اعمال اور حرکات کو دیکھتا ہے اور ان کی تقلید کرتا ہے ۔

لفظ پائی ماں باپ سے سنا ہے تقلید کرتے ہوئے وں لفظ ہنی زبان سے ادا کرتا ہے ۔ پَر اس کے معنی کی طرف توجہ کرتا ہے پَر لفظ پائی ماں باپ سے استعمال کرتا ہے ایک پَن دیکھتی ہے کہ ماں صفائی کرتی ہے اور کپے دھوتی ہے وہ بھی بالک ایب وں کام انجام دیتی ہے ۔ دیکھتی ہے کہ ماں آگ میں ہاتہ نہیں ڈالتی وہ بھی اس سے بچتی ہے ۔ وہ دیکھتی ہے کہ وہ پالوں کو دھوتی ہے ان کے چلکے اتارتی ہے اور پَر کھاتی ہے وہ بھی یہی عادت اپنا لیتی ہے ۔ وہ دیکھتی ہے کہ امی لاو اور اس کے بَن بھائی گر کے امور میں معظم ہیں اور ہر چیز کو اس کی مخصوص جا پر رکھتے ہیں وہ بھی ہنی زندگی میں اس نظم کے بارے ان کی تقلید کرتی ہے

وہ دیکھتی ہے کہ اس کے ماں باپ ادب سے بات کرتے ہیں وہ بھی مؤدب ہو جاتی ہے وہ دیکھتی ہے کہ گر کے چلانے میں ماں باپ اور بن بھائی ایک دوسرے سے تاون کرتے ہیں وہ بھی اس تاون میں اپنا حصہ ادا کرتی ہے۔ جب وہ دیکھتی ہے کہ سرک عبور کرتے ہوئے اس کے ماں باپ اس جہ سے عبور کرتے ہیں جہاں لائیں لگی ہوئی ہیں وہ بھی یہی کام انجام دیتی ہے اور رفتہ رفتہ اس سے اس کی عادت پڑ جاتی ہے جب بیٹا دیکھتا ہے کہ اس کا باپ باغبانی کرتا ہے یا لکڑی کا کام کرتا ہے یا تعمیر کا کام کرتا ہے۔ وہ بھی شروع شروع میں وہ کام کھیے کی طرح انجام دیتا ہے اور یہی کھیے ممکن ہے اس کی زندگی کے آئندہ پیش کے ور پسر۔ وثر ہو۔

بچے کی تعلیم و تربیت اور اسی کی تعمیر میں تقلید کا اثر و عظم و نصیحت سے زیادہ ہوتا ہے۔ تقلید خود بخود انجام پاتی ہے اور اس کے لیے کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ کہ دیکھا امی کیا کر رہی ہے بلکہ کہے بہیر ن وہ امی اور ابو کے کام کی طرف پوری توجہ دیتا ہے۔ ایک منبر، بد اخلاق، بے ادب اور بد زبان باپ اپنے بچے کے لیے سرمشا قرار پائے گا۔ اور ایک ڈرم، سناخ بے ادب اور بد زبان ماں اپنے بچے کو لسی ن بری صفات سے پر کر دے گی۔ ایک جھوٹا، بزدل اور خیانت کار مرہی، ایک سچا، شجاع اور امانت دار بچہ پروان نہیں چڑھا سکتا۔ بچے آپ کی وعظ و نصیحت اور گفتگو پر کوئی توجہ نہیں کرتے وہ آپ کے اعمال اور کردار کسی طرف پوری توجہ کترے ہیں اور اسے کے مطا۔ کرتے ہیں۔ ہذا تقلید کی سرشت کو اہم تربیتی عوا میں سے شمار کیا جا سکتا ہے۔ اس مقام پر ماں باپ اور تمام تربیت کرنے والے ایک بہت ن بھاری ذمہ داری کے حا ہیں وہ اپنے کاموں کے بارے میں بے توجہ نہیں رہ سکتے وہ اپنے اپنے اعمال و اخلاق سے اپنے بچوں کے لیے بہترین نمونہ بن سکتے ہیں۔ اگر ماں باپ برے ہوں تو وہ وعظ و نصیحت سے بچوں کی نیکی اور بھلائی کی طرف ہدایت نہیں کر سکتے۔ ہذا جن ماں باپ کو اپنے بچوں سے محبت ہے انہیں چاہیے کہ کوشش کریں کہ پہلے اپنے آپ کی اور گر کے ماحول کی اصلاح کریں اور اپنے بچوں کے لیے بہترین

نمونہ ۶ نہیں۔ خود ایسا ۶ کریں جیسا وہ چاہتے ہوں کہ ان کی اولاد ۶ کرے۔ تقلید سے روکنا بہت مشکل ہے آپ کو ۶۔
 کریں کہ اپنی اولاد کے لیے بہترین نمونہ ۶ نہیں۔ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: اگر آپ دوسروں کی اولاد چاہتے ہیں
 تو پہلے اولاد کریں یہ بہت بڑی برائی ہے کہ آپ دوسروں کی اولاد کے لیے اٹکے ہوں اور خود فاسد رہیں (1) بیٹھمبر اکرم
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوذر سے فرمایا:

اللہ تالی ماں باپ کی نیکی اور پرہیزگاری و جسے ان کی اولاد اور پران کی اولاد کو اولاد اور نیک تر بنادے گا (1)

ایک ذمہ دار مرئی اپنے بچے کے دوستوں اور ہم جو لیوں سے لاتعلما اور بے توجہ نہیں رہ سکتا کیونکہ بچہ بہت سارے کاموں میں
 اپنے دوستوں اور ہم جو لیوں کی تقلید کرے گا۔ (2)

ایک ذمہ دار مرئی اپنے بچے کے دوستوں اور ہم جو لیوں سے لاتعلما اور بے توجہ نہیں رہ سکتا کیونکہ بچہ بہت سارے کاموں میں
 اپنے دوستوں اور ہم جو لیوں کی تقلید کرے گا۔ بعض اوقات بچہ سینما میں یا ٹیلی وین کی سکرین پر اداکاروں کو قتل، جرم، چوری،
 اور چاقو زنی کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس کے اندر بھی اس سے تحریک پیدا ہوتی ہے اور وہ بھی ویسے ہی اعمال کرنے لگتا ہے۔
 آپ مہلوں اور اخباروں میں ان بچوں کے احوال پڑھتے ہوں کہ جو اعمال کرنے لگتا ہے۔ آپ مہلوں اور اخباروں میں ان بچوں
 کے احوال سینما اور ٹیلی وین میں انہوں نے جو پولیس کے کام دیکھے یا قتل اور جرم کے مناظر دیکھے تو وہ ان میں تحریک پھیلانے
 کا عام بن گئے۔ ایسی صورت میں کیا بچوں کو ایسی چیزیں دیکھنے کے لیے کھلا چھوڑا جا سکتا ہے؟

1_ غررا کام ص 278

2_ مکالم الاغلاق ص 546

حقیقت تلاش

جب نومولود دنیا میں آتا ہے تو جہان خارج کی اسے کوئی خبر نہیں ہوتی۔ ہر چیز اس کے لیے برابر ہے۔ وہ شہ لوں میں، رنگوں میں اور لوگوں میں فرق نہیں کر سکتا۔ وہ شہلوں اور آوازوں سے متاثر ہوتا ہے لیکن انہیں پہچان نہیں پاتا۔ لیکن اسی وقت سے اس میں تغیر، جستجو اور چیزوں کے پہچاننے کی شدید خواہش اور تمنا ہوتی ہے۔ وہ اس طرف اور طرف دیکھتا ہے اور لوگوں کی صورتیں دیکھ دیکھ کے حیران ہوا ہے بچہ اپنے حواس کے ذریعے اور ہنسی و جستجو لہن سے اپنی معلومات میں اضافہ کرتا ہے اور کس علم کرتا ہے اللہ تالی قرآن میں فرماتا:

واللہ اخرجکم من بطون امہا تکم لا تعلمون شیئا وجعل لکم السمع و الا بصار والا فئدة لعلکم تشکرون

اللہ نے ہمیں ہماری ماؤں کے پیٹوں سے اس عام میں نکالا کہ تم اللہ کی نعمتوں کو پہچانو اور شکر گزار بن جاؤ۔⁽¹⁾

پ مدت کے! ر بچہ جہان خارج کی طرف توجہ کرنے لیتا ہے۔ چیزوں کو ہاتھوں سے پکڑ لیتا ہے۔ انہیں حر ت دیتا ہے۔ پسر

زمین پر پھینک دیتا ہے۔ منہ میں لے جاتا ہے آوازوں

کی طرف دھیان دیتا ہے۔ آنکھوں سے لوگوں کی حرکتوں کو دیکھتا رہتا ہے۔ اس طرح سے تلاش حقیقت کی خواہش اور حس کو وہ پورا کرتا ہے اور دنیا کو پہچاننے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے تقیہ و جستجو کی سرشت نوع انساں کو و دیت کی ہے تاکہ وہ پورا ہو کہ ہنی کوشش اور جستجو سے اسرار جہان کے پر دے ہٹائے اور تخلیق عام کار از پالے۔ بچہ میں فطری ور پر تقیہ اور جستجو کا مادہ ہوتا ہے اور وہ اس سلسلے میں حتیٰ الامکان کوشش کرتا ہے۔ ماں باپ اس ضمن میں بچے کو تفویض و تحریک بھسی کر سکتے ہیں اور اس داخلی احساس کو دبا بھی سکتے ہیں۔ اگر ماں باپ تقیہ سے متعلقہ چیزیں اسے دیں اور اسے یہ آزادی بھی دیں کہ وہ ہنی خواہش کے مطابقت تجربہ کرے اور اس کی عمر کے تقاضا کے مطابقت اسے نگرانی و علیٰ التباد سے جاذب کولونے خرید دیں تو اس کی تقیہ و جستجو کی روح پر و ان چڑھے گی بچے کی یہی ہے۔ ایک کمرے میں موجود مختلف چیزیں اس کے اختیار میں نہ دیں اور اسے تقیہ و تجربے سے منع کریں تو تلاش حقیقت کی روح اس کے اندر دب جائے گی۔ اور وہ سائنسی اور تحقیقی امور میں شکست خوردہ اور مایوس ہو گا۔ اس مرحلے سے اہم تر وہ مرحلہ ہے جب بچہ مختلف قسم کے علیٰ تحقیقی اور معلوماتی سوالات کرنے لیتا ہے دو سال سے اور وہ باتیں کرنا سیکھ لیتا ہے۔ اور ماں باپ سے بہت سے سوالات کرنے لیتا ہے مثلاً میں! ر میں ماں بھوں گا یا باپ؟ لاسو ہر روز گر سے باہر کیوں جاتے ہیں؟ پتھر سخت اور پانی نرم کیوں ہے؟ مجھے داوی اماں اچھی نہیں لگتی میں ان کے گسر کیوں چاؤں؟ بارش میں کیوں نہ کھیلوں؟ مچ لیاں پانی میں مر کیوں نہیں جاتیں؟ آپ ہر روز نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ نماز کیا ہے؟ سورج رات کو کہاں چلا جاتا ہے؟ بارش اور بر فباری کہاں سے ہوتی ہے؟ یہ ستارے کیا ہیں؟ کس نے ان کو بنا یا ہے؟ مکھی اور مچر کا کیا فائدہ ہے؟ جب

داداجان مرے تھے تو انہیں ٹی میں کیوں ڈال دیا تھا؟ وہ کہاں گئے ہیں؟ وہیں کس آئیں؟ یہ موت کیا ہوتی ہے؟ کم و بیش بچوں کے اس طرح کے سوالات ہوتے ہیں بچوں کے سوالات ایک جملے نہیں ہوتے عمر اور افراد کے فرق کے ساتھ سوالات بھیس مخفف ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ گہرے اور زیادہ سوال کرتے ہیں۔ جوں جوں ان کی معلومات بڑھتی جاتی ہیں ان کے سوالات دقیق تر ہوتے جاتے ہیں۔ بچہ سوالات اور تحقیق سے خارجی دنیا کی شناخت کے لیے دوسروں کی معلومات اور تجربات سے استفادہ کرنا چاہتا ہے۔ تلاش حقیقت اور جستجو کی سرشت انسان کی بہت ہی قیمتی سرشتوں میں سے ہے۔ اس سرشت کے وجود کی برکت سے انسان نے کمال حاصل کیا ہے۔ جہان خلقت کے بہت سے اسرار اور از کشف کیے ہیں۔ اور سائنس اور صحت میں حیران کن ترقی کی ہے۔ جن ماں باپ کو اپنی اولاد اور انسانی م اثرے کی ترقی اور کمال عزیز ہے وہ اس خداوند لاجبیت سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرتے ہیں۔ بعض ماں باپ بچگانہ سوالات کو ایسے بے کار اور فضول سمجھتے ہیں اور جواب دینے کی طرف ہرگز توجہ نہیں دیتے کہتے ہیں بچہ کیا سمجھتا ہے؟ بڑا ہو گا تو خود ہی سمجھ لے گا آخر ہم بچوں کے سوالوں کا جواب کیسے دے سکتے ہیں۔ بچوں کے سوالات سن کر کہتے ہیں بیٹا جی اتنی باتیں نہ کرو۔ ایسے بولتے رہو۔ مجھے کیا پتہ جب بڑے ہوئے تو خود ہی سمجھ لو۔ ایسے سوالات کا وقت نہیں ہے ان کو چھوڑو یہ میرے بس میں نہیں ہے۔ ایسے ماں باپ اپنے بچے کی قیمتی ترین انسانی لاجبیت کو خاموش کر دیتے ہیں۔ اس کی عقلی رشد و نمو کو روک دیتے ہیں۔ پر شکایت کرتے ہیں کہ ان کے بچے میں سائنس انکشافات سے دلچسپی کیوں نہیں ہے۔ وہ علم اور سائنسی سوالات کرنے میں عاجز کیوں ہے۔ جب کہ خود ہی وہ اس کام کا سب سے بڑے ہیں۔ اگر اس لاجبیت کی صحیح تہذیب نہ کی جائے تو ہو سکتا ہے کہ وہ حقیقی راستے سے بھٹک جائے اور ہزاروں لوگوں کے راز معلوم نے اور لوگوں کے اسرار کے بارے میں تجسس کی صورت میں ظاہر ہو۔

بعض ماں باپ اپنے بچوں کو خوش کنے کے لیے ان کے سوالوں کا جواب دیتے ہیں

لیکن انہیں ہرگز سے دلچسپی نہیں ہوتی کہ جواب صحیح ہو وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ان کا بچہ چ کر جائے جواب صحیح ہو یا غلط۔ وہ سمجھتے ہیں کہ صحیح جواب بچوں کے لیے سمجھنا بہت مشکل ہے۔ لہذا انہیں مطمئن کرنے کے لیے ایسا جواب دیتے ہیں کہ۔۔۔ اس وہ چ کر جائے۔ ممکن ہے بچہ اس طرح سے وقتی در پر خاموش ہو جائے۔ لیکن تلاش حقیقت کے بارے میں اس کی خواہش سرسیر نہیں ہوتی اور کمال کے راستے پر آ نہیں بڑھی بلکہ گمراہ اور خلاف حقیقت راستے کی طرف بھٹک گئی ہے جب وہ بڑا ہو گا۔ اور حقیقت اسے معلوم ہو جائے گی تو وہ ان ماں باپ کے بارے میں بد بین ہو جائے گا جنہوں نے اسے گمراہ کیا تھا۔ بلکہ۔۔۔ یہاں تک ممکن ہے وہ ایک شکی قسم کا شخص بن جائے کہ جوہر کسی کے بارے میں ہر مقام پر بد گمانی کرے۔ لیکن سب راز اور فرض شناس ماں باپ اس قیمتی خدا داد لاجیت کو ضائع نہیں کرتے اور اس سے اور قاتل نہم جوابدیں۔ پہلے وہ اپنے آپ کو اس کے لیے تیار کرتے ہیں مطالعہ کرتے ہیں۔ سو پتے ہیں۔ بچوں سے ان کی زبان میں بات کرتے ہیں اور ان کے یوالوں کی طرف خوب تو جہ کرتے ہیں اور جواب دیتے ہیں ہرگز خلاف حقیقت بات نہیں کرتے اگر کسی موقع پر وہ جواب دینے سے عاجز ہوں تو ہرگز قہر نہ ہنس لا علی کا اظہار کرتے ہیں اور اس طرح بچے کی تلاش حقیقت کی اس لاجیت کو بھی ابھارتے ہیں اور رسالتی انہیں یہ۔۔۔ بھسی سکھاتے ہیں کہ جب کسی چیز کا علم نہ ہو تو لا علی کا اظہار کرنے میں شرم و محسوس نہیں کرنے چاہیے۔ بعض ماں باپ بچوں کے سوال کا جواب دیتے ہوئے حد سے بڑھ جاتے ہیں یعنی ایک چھوٹے سے سوال کا جواب دینے کے لیے تفصیلات میں چلے جاتے ہیں اور جو بھی انہیں معلوم ہوتا ہے پکار ڈالتے ہیں یہ کام بھی درت نہیں کیونکہ تجربے سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ بچہ زیادہ باتیں سننے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔ اسے صرف اپنے سوال کے جواب سے غرض ہوتی ہے اور زیادہ باتوں سے وہ تک جاتا ہے تفریح و جستجو میں بچوں اور نوجوانوں کی تشویش کریں۔ انہیں بحث و استدلال سے آشنا کریں اور جہاں امکان ہو اور ضروری ہو وہاں انہیں تجربے کے لیے بھی ابھاریں۔ بچہ ایک سو پنے والا انسان ہے۔ اس کی سوچ

کو تقویت دیں تاکہ اس کے اندر چہ پی ہوئی لاجیبیہ کام آئیں اور وہ اپنے نگر و شور سے استفادہ کرے اور اپنے لئے آئندہ کی زندگی کے لیے، تیار ہو جائے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: جو بھی بچپن میں سوال کر سکے بڑا ہو کر جواب دے سکے گا⁽¹⁾

امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا:

بچے کلاں نرم زمین کے مانند ہے آپ جو بھی اس میں ڈالیں۔ قبول کرے گا⁽²⁾

ایک خاتون اپنے نط میں لکھتی ہے ...

ایک رات ابو گر آئے اور م سے ایک پہیلی کہی۔ اور کہا کہ میرے ساتھی اس پہیلی کو نہیں بول سکتے۔ سو گئے لیکن میں نے ارادہ کیا کہ اس کو بول کے رہوں گی۔ اور دیر تک سوچتی رہی اور آخر کار میں نے اسے بول لیا۔ خوشی خوشی میں نے اس کو بگا یا اور انہیں اس پہیلی کا جواب دیا ابو خوش ہو گئے۔ مجھے شائبہ کہی ابو ہمیشہ نگر کی قسم کے کام م سے کہتے اور اس سے لے میں مجھے تشویر کرتے اسی لیے میں نگر م ساء کرنے میں طاق ہو گئی ہوں۔ اور زندگی کی مشکلات کو سوچ بچار سے حل کر لیتی ہوں

1_ غررا کام ص 645

2_ غررا کام ص 302

خود اعتمادی

تمام زندگی جد و جہد ، پکار ، کوشش اور جستجو کا نام ہے ، ہر انسان کو زندگی بر میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ زندہ رہنے اور زندگی گرانے کے لیے اسے عام بیعت کی قوتوں سے ناچار جنگ کرنا پڑتی ہے اور انہیں تہخیر کرنا پڑتا ہے ۔ بیماریوں اور ان کے اسباب کے خلاف لڑنا پڑتا ہے ۔ تجاویز ، زیادتیوں اور آرام و آزادی کے خلاف مزاحمت کرنے والے عوام کے خلاف جد و جہد کرنا پڑتی ہے ۔ کارزار زندگی میں دنیا کامیاب ہے جس کا دل بڑا ہو ، ہمت بلند ہو ۔ اور ارادہ قوی ہو ۔ ہر کسی کی خوش بختی یا بد بختی کی بنیاد اس کے وجود میں موجود ہے ۔ دنیا کے بڑے انسان کی درخشان کامیابیوں کا سبب ان کی خود اعتمادی ، قوت ارادی اور کوشش ہے عظیم اور قوی لوگ زندگی کی مشکلات سے نہیں ڈرتے ۔ وہ ذاتی استقلال اور خدا پر بروسہ کرتے ہوئے ان کے خلاف برسر پیکار ہوتے ہیں ۔ اور کمر ہمت باندھ کے جد و جہد کرتے ہیں اور انہیں مغلوب کر لیتے ہیں ۔ ہمت اور عاں حوصلگی ہر مشکل کو آسان بنا دیتی ہے ۔ بلکہ جو چیز دوسروں کے لیے محال ہوتی ہے اسے ممکن بنا دیتی ہے ۔ وہ زندگی کے گہرے سمندر میں کسی تنگے کی مانند نہیں ہوتے کہ جو فقط لہروں کے سہارے اور روبرو بھٹکتے رہیں بلکہ ایک ماہر پیرا کر کی طرح اپنے قوی بازوؤں آہنی ارادوں اور توالی اللہ سے جس طرف کو چاہتے ہیں تیرتے ہیں بلکہ دنیا کے واقعات کا رخ بدل دیتے ہیں ۔ ہر انسان اپنے ذاتی استقلال ، خود اعتمادی ، ارادے اور جد و جہد سے اپنی زندگی میں کامیاب ہوتا ہے دین مہر س اسلام میں بھی دنیاوی اور اخروی

کامیابی و ناکامی کو انسان کے اعمال اور کوشش کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے :

و ان لیس للانسان الا ما سعی۔ و ان سعیه سوف یری

انسان کے لیے جو کچھ بھی ہے وہ اس کی کوشش کا ماثر ہے اور وہ جارہنی سر کو (مجسم) دیکھ لے گا۔ (نجم، 39، 40)

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

الصوء بھمتہ

ہر کسی کی قیمت اس کی ہمت کے مطابقت ہے۔⁽¹⁾

جو شخص خود استقلال اور خود اعتمادی کا حاکم ہو وہ مشکلات کے لیے دوسروں کا منتظر نہیں رہتا بلکہ۔ ہنس بلند ہمتی اور پختہ۔

ارادے کے ذریعہ میدانِ عظیم میں کود پڑتا ہے اور جب تک اپنے مقصد کو پانہیں لیتا کوشش اور جد و جہد سے دستبردار نہیں ہوتا۔

امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں: تمام لچھائیاں اس امر میں جمع ہیں کہ انسان دوسروں کے برکت سے پر نہ بیٹھا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: مومن کی عزت اور بزرگی کا راز یہ ہے کہ وہ لوگوں کے ہاتھوں میں موجود چیز سے امید وابستہ

نہ رکھے۔⁽²⁾ البتہ خود اعتمادی سے محروم افراد اپنی ذات پر برسوسنہ نہیں کرتے۔ وہ اپنے تئیں حیر اور ناتوان سمجھتے ہیں، زبیرگی

کے مساؤ کا سامنا کرنے سے گبراتے ہیں اور ان کے ساتھ مقابلے

1_ نُج البلاغ، ج 3 ص 163

2_ اصول کافی، ج 2 ص 148

3_ اصول کافی، ج 2 ص 148

کی جرات سے عاری ہوتے ہیں۔ وہ شکا کاموں اور ذمہ داریوں سے بھاگتے ہیں۔ معافی سوچوں اور پاس و نامیدی کی وجہ سے ممکن کاموں کو بھی مجال بنا کر پیش کرتے ہیں۔ ہنی زندگی کو محرومی اور کنارہ کسی کے عام میں گزار دیتے ہیں۔

اب جب کہ استقلال اور خود اتمادی کی اہمیت واضح ہو گئی ہے، اس امر کی یاد دہانی بھی ضروری ہے کہ اس انسانی کمال کس بنیاد پر انسان کے اپنے وجود میں منفی ہے لیکن تربیت اور نکاح کی محتاج ہے۔ اس کی تربیت کا بہترین اور حساس ترین زمانہ۔ بچپن کا دور ہے۔

روح انسانی میں استقلال اور خود اتمادی کی بنیاد بچپن میں پڑ جاتی ہے۔ چنانچہ بے اتمادی اور قوت ارادی سے محروم، دوسروں کے انتظار بیٹھے رہنے کا سرچشہ بھی بچپن کی غلط تربیت ہی ہے۔ وہ ماں باپ جو اپنے بچوں سے محبت رکھتے ہیں اور انہیں ہنی ذمہ داری کا احساس بھی ہے۔ انہیں چاہیے کہ ہنی اولاد کی تربیت کریں اور آئندہ کی زندگی کے لیے انہیں تیار کریں۔ اس صورت میں وہ اپنے فریضے پر بھی کریں۔ اور ہنی کامیابی کے اسباب بھی فراہم کریں۔

حضرت امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں:

ہنی اولاد کی اس طرح سے تربیت کر کہ وہ تیری عزت و سر بلندی کا باعث بنے۔⁽¹⁾

چار سال کی عمر سے لے کر آٹھ سال کی عمر تک شخصیت کی پرورش، استقلال، اور خود اتمادی پیدا کرنے کا بہترین دور ہے۔ اس زمانے میں بچہ استقلال کی طرف میلان رکھتا ہے اور اپنے آپ کو مشکلات سے مقابلے کے لیے تیار کرتا ہے۔ کم سن بچہ اگر چہ ہنی کمزوری کا احساس بھی رکھتا ہے اور وہ کسی بڑی طاقت کے زیر سایہ رہنا چاہتا ہے تاہم استقلال اور خود اتمادی کی طرف میلان بھی اس کی ذات میں چھپا ہوتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ

ہنی ضروریات کو پورا کرے اور ذاتی استقلال حاصل کر لے۔ وہ نئے نئے کاموں اور ہنی ایجادات سے بہت خوش ہوتا ہے اور خسر سے انہیں دوسروں کو دکھانا ہے۔ آپ نے بچوں سے ایسے جملے بہت سنے ہوں۔

دیکھو میں کیا کر رہا ہوں؟ دیکھا میں نے کتنی بڑی چھلانگ لگائی ہے۔ دیکھو میں اپنے کپے خود پن سکتا ہوں۔

میں جوتا خود پن پہنوں گا۔ میں گلاس میں پانی پیوں گا۔ میں خود پن کھانا کھاؤں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ میرے لیے چائے ڈالیں۔ دیکھو میں نے کیسی خوبصورت تصویر بنائی ہے۔ میں درخت پہ چڑھنا چاہتا ہوں۔

وہ ضد کرتا ہے کہ اس کی جیب میں جو عطف ہیں انہیں ہنی مرضی کے مطاباً خرچ کرے اس کی خواہش ہوتی ہے کہ کھانے ہنی مرضی سے رکھے۔ بھی بھی ماں باپ کے حکم کے خلاف ضد کرتا ہے۔ بھی چاہتا ہے کہ ماں باپ کی مدد کرے۔ چھوٹی بیٹن برتن

اور لباس دھونے میں ماں کی مدد کرتی ہے۔ چاہتی ہے کہ کھانا پکانے، دستر خوان بچھانے اور گرگر کی صفائی میں ماں کی مدد کرے۔

چھوٹا بیٹا چاہتا ہے کہ کیا رن کو ٹھیک کرے، تصویر بنائے، لکھے اور چیزیں خریدنے میں اپنے باپ کی مدد کرے۔ اور ضد کرتا ہے

کہ لینا لباس اور جوتا خود انتخاب کرے راستے میں چلتے ہوئے ماں باپ سے آئے یا تجھے چلتا ہے۔ خانہ داری کے امور میں اور گرگر کے

سلمان کے سلتے میں دش دیتا ہے۔ بعض چیزیں ہالکا نہیں کھاتا۔ ان کاموں سے اور ایسے سینکڑوں دیگر کاموں سے بچے اپنے وجود

کے استقلال کا اعلان کرنا ہے اور چاہتا ہے کہ ہنی شخصیت کا اظہار کرے اور اپنے تئیں کمال تک پہنچائے۔ چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو

توی بنائے وہ چاہتا ہے کہ

جہاں تک ممکن ہو سکے دوسروں پر اپنے اُصل کو کم کرے اور اپنے استقلال میں اضافہ کرے لیکن بچے کی شخصیت ماں باپ کے طرز سے بہت زیادہ واسطہ ہوتی ہے۔ ماں باپ بچے کو آزاد چھوڑ سکتے ہیں تاکہ وہ خود راوی سے کام کرے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اس کی کامیابی پر اور نئی نئی چیزوں پر اظہار مسرت کریں۔ اسے شاباش کہیں اور اس کا حوصلہ بڑھائیں اس کے ذوق اور استراہ کے مطاب۔ مفید کام اس کے ذمہ چھوڑ دیں۔ رہنمائی اور حوصلہ افزائی کے ذریعے اس کام اور کوشش پر ابھاریں۔ اس طرح بچے کی شخصیت اور استقلال کی تدریجاً تکمیل ہوتی جائے گی۔ وہ اپنے وجود کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھے گا اور اس میں خود اعتمادی پیرا ہوگی۔ اس کا راہ دہی ہوگا۔ ایسے بچوں میں بچپن سے عقلی لائحہ عمل اور خود اعتمادی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔

ایک ماہر نفسیات لکھتے ہیں:

ایک شخص نے ایک ننھے ماں بیر کو دیکھا کہ وہ بڑی مہارت سے مچھ لیاں پکڑنے میں مصروف ہے۔ اور بڑی بڑی مچھ لیاں پکڑ رہا ہے۔ اسے تعجب ہوا، اور اس نے اس کی مہارت کی تعریف کی۔ ننھے ماں بیر نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا میری مہارت کوئی تعجب کس بات نہیں: نیولکے میں بچپن سے ماں بیری کر رہا ہوں۔ اس نے پوچھا مگر تمہاری عمر کیا ہے؟ کہنے لگا۔ (1) سال اگر ماں باپ نے اس بچے کی حوصلہ افزائی نہ کی ہوتی بلکہ اس کی حوصلہ شکنی کے اسباب فراہم کئے ہوتے تو اس میں ایسی مہارت ہرگز پیرا نہیں ہوسکتی تھی اور اس میں بھی خود اعتمادی پیدا نہ ہوتی۔ بعض ماں باپ کہ جو اپنے بچوں سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہیں۔

کرتے ہیں کہ بچوں کا وجود ان کا محتاج بنا ہے۔ انہیں کام کی اجازت نہیں دیتے۔ ان کے تمام کام خود انجام دیتے ہیں۔ خود ہی ان کے لئے راہ کرتے ہیں اور خود ہی انتخاب بہت سے ماں باپ نہ صرف یہ کہ اپنی اولاد میں استقلال اور خود اعتمادی پیدا کرنے

میں مدد نہیں کرتے بلکہ اپنی ڈاڈا ڈپے اور ان کے کاموں میں کیے نکلنے سے ان کی روح استقلال طلبی کو سلا دیتے ہیں بچے کو
 اہمیت سے روکتے ہیں اور اس کے رساتے میں رکاوٹ کی کر دیتے ہیں۔ اس کے کام پر تنقید کرتے ہیں اور برا بھلا کہتے ہیں۔
 اور اسے کے کام کیے نے نکل کر اسے شرمندہ کرتے ہیں اور اس کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔

اے عزیز ماں باپ ہمارے بچوں نے بہر حال بڑا ہونا ہے اور آخر کار ہم سے جدا بھی ہونا ہے آئندہ کی زندگی میں انہیں مسئلہ۔ لات اور
 مسأ کا سامنا بھی کرنا ہے۔ آپ کو بھی فطرت سے ہم آہنگ ہونا چاہیے اور ان کی آزادی کی خواہش کا جواب دینا چاہیے۔ آزادی
 کی خواہش کوئی عی کی بات نہیں کہ آپ اس کا مقابلہ کرنے لگیں۔ بلکہ یہ آزادی کسی وجود کے استقلال اور کمال کا اظہار ہوتی
 ہے۔ آپ کو شہ کریں کہ صحیح طریقے سے اس سے فائدہ اٹھائیں اور بچوں کو آئندہ کی زندگی کے لیے تیار کریں۔ آپ امن پر
 اصرار نہ کریں کہ جہاں آپ کے بچوں کو ارادہ کرنا چاہیے وہاں آپ خود ان کے لیے ارادہ کریں۔ بلکہ آپ کو چاہیے کہ ان کے لیے
 مسئلہ کو واضح کر دیں اور اس کے ر انتخاب اور ارادہ ان کے ذمہ چھوڑ دیں۔

اگر بچہ کوئی کام شروع کرے اور اسے اس میں رغبت نہ ہو تو آپ اس میں دخالت نہ کریں بے جا دھم۔ اندر ازی سے اسے آزدہ
 خاطر نہ کریں۔ اسے چھوڑ دیں کہ وہ اپنے سلسلے سے کام مکمل کرے۔ اور اپنی نئی چیزوں سے خوش ہو۔ اس کے کام پر تنقید
 نہ کریں، گریہ کہ خود وہ اس چیز کا اظہار کرے۔

اگر آپ کی بیٹی چاہتی ہے کہ خود سے کھانا تیار کرے تو اس کی راہنمائی کریں اور کام اس کے ذمہ چھوڑ دیں۔ اور اس میں دخیب۔ نہ
 ہوں۔ کیا حرج ہے کہ ایک مرتبہ وہ خراب کھانا پکاٹے۔ اس کے کھانا پکانے پر نکتہ پھینی نہ کریں۔ کیا آپ کو معلوم ہے آپ کسی
 نکتہ پھینی اور ڈاڈا ڈپے اس کی روح کو کس قدر مجروح کر دیتی ہے۔ اور کس قدر اس کی خود اعتمادی کو نقصان پہنچاتی ہے۔

ایک خاتون اپنے نط میں لکھتی ہیں:

بچپن میں میں جو کام بھی کرنا چاہتی۔ سے کہا جانا تجھے نہیں پتہ تو کیا ہے؟

تو نے یہ برتن توڑ دیا ہے۔ تیرے کھانے میں خک زیادہ ہے۔ تو نے پانی زیادہ ڈال دیا ہے۔ خراب کر دیا ہے۔ تم کام کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ جھاڑو نہ دے تجھے کیا پتہ جھاڑو کیت دیا جاتا ہے۔ مہمانوں کے سامنے بات نہ کر۔ اور اسی طرح کی سیمیکڑوں باتیں۔ جب میں کھانا پکاتی تو نئی دفر چکھتی کہ کہیں خک زیادہ نہ ہو۔ پانی زیادہ نہ ہو۔ لیکن پر مجھے سرزنش کی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ میں خود اتملای پیدا نہیں ہو سکی۔ میں خود کو کمزور اور بے حیثیت سمجھتی ہوں۔ احساس کمتری اور خود پر عدم اتملا سے میں ہر ت میں دکھس ہوں۔ یہ حالت اب بھی میں باقی ہے۔ ایک مبلس کا انظام میرے ذمہ ہے ہر ہفتے جب کہ مجھے اس مبلس کے انظام کے لیے جانا ہوتا ہے تو میں اضطراب

پیدا ہو جاتا ہے اور میرا دل گبراتا ہے۔ میں کہتی ہوں کہ شاید اچھی تقریر نہ کر سکوں بھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ہر ت سس باتیں یاد ہوتی ہیں اور یہ باتیں مزہ رد مجاس میں بیان بھی کر چکی ہوتی ہوں لیکن پر بھی خوف و ہراس ہوتا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ میرے سر پر کوئی ذمہ داری نہ ہو۔ جس کام کی طرف بھی بڑھتی ہوں اپنے آپ کو روتی رہتی ہوں تاکہ کسی طرح سے درمیان میں کام چھوٹ جائے۔ بہت چاہتی ہوں کہ بے اتملای کی یہ کیفیت ختم ہو جائے لیکن نہیں ہوتی۔

ایک اور خاتون لکھتی ہیں:

بچپن میں سے میری ماں کی کوشا ہوتی تھی کہ وہ کاموں میں میری مدد کرے۔ وہ مجھے اجازت نہ دیتی کہ میں کوئی کام تنہا انجام دوں۔ رفتہ رفتہ مجھے اس کی عادت ہو گئی۔ اور کسی دوسرے کا سہارا لینا میرا مزاج بن گیا۔ میں کاموں کی انجام دہی اور مشا لات کے میں اپنی طاقت سے استفادہ نہ کرتی بلکہ امی سے یا دوسروں سے مدد لیتی۔ بے اتملای کی یہ حالت ہو گئی کہ کسی چھوٹی سس میکا پر بھی بجائے اس کے کہ خود اس کے لے کوئی چاہہ کرتی دوسروں سے مدد لیتی اور

اپنے متیں اس کا اہ نہ سمجھتی ۔

آخر میں اس امر کی یاد دہانی ضروری ہے کہ ممکن ہے بعض بچے اپنے وجود کے اظہار کے لیے غلط کام شروع کر دیں ۔ مثلاً پھولوں کو
دیں ۔ درختوں کی ٹہنیوں کو توڑ دیں ۔ پرندے ، کتے اور بلی کو تالیف پہنچائیں ۔ اپنے ہم جو لہوں کو اذیت دیں ۔ دوسروں
کو نقصان پہنچائیں ۔ ہنی کے بال کھینچیں ۔ ایسے امور میں ماں باپ خاموش بیٹھے نہیں رہ سکتے اور ان کے کاموں کی تائید نہیں
کر سکتے ۔ البتہ اس امر کی طرف انہیں متوجہ رہنا چاہیے کہ بچے کا مقصد کسی سے دشمنی یا سرکشی نہیں بلکہ وہ اپنے وجود کا اظہار
چاہتا ہے ۔ ایسے امور سے روکنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کی توجہ دوسرے مفید کاموں کی طرف مبذول کر دی جائے ۔ اور
اسے تعمیری کھیلوں کی طرف اور مفید کاموں میں مہارت حاصل کرنے میں مشغول کر دیا جائے تاکہ وہ غلط کام چھوڑ دے ۔

آزادی

بہت سے ماں باپ بچے کی تربیت اس میں سمجھتے ہیں کہ اس کی آزادی مرود کردی جائے یا چھین لی جائے۔ کہتے ہیں بچہ لچھائی اور برائی میں تمیز نہیں کر سکتا۔ اس کی اتی عقدا نہیں ہوتی۔ اگر اسے آزاد چھوڑ دیں تو وہ خرابی کرے گا۔ چاہیے کہ اسے مسرود اور پابند رکھا جائے۔ ایہ ماں باپ اپنے آپ کو بچے کی عقدا کے مطا۔ فرض کر لیتے ہیں۔ اس کے مقام پر سوپتے ہیں۔ اس کی جا۔ ارادہ کرتے ہیں۔ اس کی بجائے خود انتخاب کرتے ہیں یہاں تک کہ اس کے کھانے، پینے اور کھیلنے پر بھی کنٹرول رکھتے ہیں۔ اور اس کے ہر مسئلے پر نظر رکھتے ہیں۔ اور اپنے سلیقے کے مطا۔ اس کی زندگی کا نظام چلاتے ہیں۔ ان کے نزدیک بچہ۔ آزادی اور خود ارادی کا نہیں رکھتا۔ اور ماں باپ کی اجازت کے بغیر کام نہیں کر سکتا۔ جو پ۔ وہ اس کے لیے پسند کریں اسے ناچا بے چہون و چرا کرتا ہوگا۔ اور جے وہ برا سمجھیں مجبوراً بغیر پ۔ کہے اسے ترک کرنا ہوگا۔ ماں باپ کے تربیتی پروگرام اور ان کے حکم اور ممانات پر بچوں کو اطاعت کے لادہ چاہہ نہیں۔ مکملے خاندان اسی طریقے سے ہنی اولاد کی تربیت کرتے تھے اور وہ زبردستی اور بسزور اپنے اکام پر کراتے تھے۔ دور حاضر میں بھی بہت سارے خاندان اسی طریقے پر چ رہے ہیں۔

مذکورہ طریقہ کار اگر چہ معمول رہا ہے اور آج بھی ہے لیکن یہ تربیت کی صحیح روش نہیں ہے۔ اس میں بہت سے عیب و نقائص موجود ہیں۔ اس پروگرام کے مطا۔ ممکن ہے کہ بچوں کی ایسی تربیت ہو جائے کہ وہ بہت حد تک آرام سے رہیں، خاموش رہیں اور

فرمانبردار ہیں اور ماں باپ کی مرضی کے مطاباً۔^۶ کریں۔ ایسے بچے زیادہ تر بے دہے اور قوت ارادی سے عاری رہ جاتے ہیں۔ ان کی تخلیقی لاجحیتیں خاموش ہوجاتی ہیں۔ اہم کاموں میں ہاتھ ڈالنے کی جرات ان میں نہیں ہوتی۔ اور وہ عزم و ارادہ سے محروم رہ جاتے ہیں۔ دشوار ذمہ داریوں کو قبول کرنے سے پکچتے ہیں۔ یہ قیادت نہیں کرسکتے اور کمانڈر نہیں بن سکتے لیکن فرمانبرداری ان کے لیے مشکل نہیں ہوتی ایسے بچے ستم اٹھانے اور ظلم کو قبول کرنے کے عادی ہوجاتے اور بڑے ہوکر اس بری عادت سے دستبردار نہیں ہوتے چونکہ یہ لوگ آزادی سے محروم رہے ہیں اور اپنی اندرونی خواہشات کی تکمیل نہیں کرسکتے ہیں۔ ان کے دل میں گویا ایسک گرہ سی پڑگئی ہے۔ ممکن ہے یہ گرہ بہت سی نفسیاتی اور اعصابی بیماریوں کا باعث بن جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایسے عتہ افسراد رد کے دور پر ظلم کرنے لگیں تاکہ اس ذریعے سے اپنے ماں باپ اور پورے مائثرے سے انتقام لے سکیں اور اپنی کن کو پسورا کرسکیں۔ انہی برائیوں کی بناء پر حال ن میں بعض دانشوروں اور ماہرین نفسیات نے اس ظالمانہ طرز تربیت کے خلاف علم جہاد بلند کیا ہے اور اس کی سخت مذمت کی ہے اور بچے کی کا آزادی کی حملت میں آوازی اٹھائی ہے۔ ان دانشوروں نے ماں باپ کو نصیحت کی ہے کہ اپنے بچے کو بالکل آزاد چھوڑدیں تاکہ وہ اپنے ذوق و سلیقے کے مطاباً چلے۔ وہ کہتے ہیں کہ بچے کو آزادی دیں کہ وہ جو کام چاہیے کرے اگرچہ وہ کام آپ کی نظروں میں درت نہ ہو یا بچہ اس کام کی لاجحیت نہ رکھتا ہو۔ اس چیز سے بچہ آزادی مزاج ہوکر پروان چڑھے گا اور اس کا دل کسی گرہ سے دوچار نہیں ہوگا۔

معروف دانشور فرانڈ اسی نظرے کا حامی ہے اور اس نے مشرق و مغرب میں اپنے اس نظریہ کے بہت سے پیروکار پیدا کرلیے ہیں۔ بہت سے ماں باپ نے بھی اس نظر کو قبول کرکے اس پر^۷ کیا ہے اور اپنے بچوں کو کا آزادی دے دی ہے ایسے ماں باپ اپنے بچوں کو کوئی حکم نہیں دیتے اور ان سے بے تعل رہتے ہیں۔ یہ طرز^۸ بھی درت نہیں۔ اس میں بھیس بہت سے نقائص موجود ہیں۔ وہ بچے جو اس طرز^۹ کے مطاباً پروان چڑھتے ہیں وہ کاموں کی انجام دیں میں کسی بھی مرودیت کے

قائم نہیں ہوتے۔ ایسے بچے زیادہ تر خود غرض، شہوت پرست اور دھونس دھاندلی جہانے والے ہوتے ہیں اور دوسروں کے لیے کسی کے قائم نہیں ہوتے دوسروں کے حقوق پر ڈالتے ہیں۔ ماں باپ سے پھین لیتے ہیں۔ ان بھائیوں اور دوسرے بچوں کو تلخ-تلیف پہنچاتے ہیں۔ ہمسایوں اور رشتے داروں کو اذیت دیتے ہیں۔ ان کی خواہشات چونکہ مطلق آزادی کی حالت ہوتی ہیں لہذا ایسے بچے عموماً افراط اور زیادتی کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ یہ افراط ان کے لیے خرابی اور تباہی کا باعث بنتی ہے۔ افراط اور زیادتی معقول آزادی بچے کو اضطراب اور پریشانی میں مبتلا کر دیتی ہے ممکن ہے ان کی تو قعات اس ہمد تک جا پہنچیں کہ ان کی انجام دہی ایک شکست کا نام بن جائے۔ اس طرح کے بچے جب بڑے ہو جاتے ہیں تو دوسروں سے ان کی یہ توقع ہوتی ہے کہ ان کے ماں باپ کسی طرح ان کی اطاعت کریں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہر جگہ ان کی فرماں روائی ہو۔ وہ کسی کی اطاعت قبول نہیں کرتے مگر اشراف کے افراط پر ان کی نہیں چلتی اور جب وہ شکست کا سامنا کرتے ہیں تو پیران کے دل میں ایک گرہ پڑ جاتی ہے۔ ایسی صورت میں وہ گوشہ نشین ہو جاتے ہیں یا اپنے شکست کی تلافی کے لیے ظلم اور خطرناک کام انجام دیتے ہیں۔ بے قید آزادی بھی بچے کی لات کا باعث نہیں بن جاتی ہے۔ شاید بچے کلال یہ چاہتا ہو کہ وہ! نیر کسی پابندی کے سرک پر دوڑے یا کبلی کے ننہ تار کو چھوئے یا گرم سماوار کو ہات لگائے۔ اس بناء پر تربیت کے یہ دو طریقے کہ جو ایک دوسرے کے مقابلے میں افراط کا باعث ہے اور دوسرا تفریط کا۔ یہ دونوں طرزِ درست نہیں ہیں۔ بچے کی تربیت کے واسطے میں ان پر پیرا نہیں ہوا جاسکتا۔ اس واسطے میں بہترین قائم۔

انتخاب روش بچے کی مرود اور متدل آزادی ہے۔ اللہ نے انسانی وجود کو مختلف جبلتوں اور محسوسات کا مری بنا یا ہے کہ جو انسانی شخصیت کی تکمیل کے لیے سودمند ہیں۔ مثلاً محبت، نفرت، شجاعت، خوف، دفاع، جستجو، تقلید اور کھیل کا غوغا۔ یہ سب داخلی کیفیت و محسوسات اللہ کی طرف سے انسانی قوتوں کا سرچشمہ ہیں اور زندگی کی مشکلات کو حل کرنے کے لیے انسان کو عطا کی گئی ہیں۔ انہیں انسانی شخصیت تکمیل پاتی ہے۔ ان جبلتوں کو آزاد ماحول میں پرورش اور رشد کا موقع ملنا چاہیے۔ انہیں لینے

سے انسانی شخصیت بری طرح مجروح ہو جاتی ہے۔

خوف خطرات سے بچنے کے کام آتا ہے غصہ دشمن پر حملہ آور ہونے کے کام آتا ہے جستجو حصول علم کے لیے ضروری ہے۔ جس شخص میں خوف اور غصہ نہ ہو وہ ناقص انسان ہے یہ درت نہیں ہے کہ بچے کے ان احساسات کو دبا یا حائے یا چھ دیا جائے۔ آزاد ماحول میں بچہ ان احساسات سے استفادہ کر سکتا ہے آزادانہ^۶ کر سکتا ہے، اپنی شخصیت کو پروان چڑھا سکتا ہے اور اجتماعی زندگی کے لیے اپنے تئیں تیار کر سکتا ہے۔ دین مہترس اسلام نے آزادی کی طرف خصوصی توجہ دلائی ہے۔ نمونے کے ور پسر چنر ایک احادیث لا : فرمائیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا :

لا تکن عبد غیرک فقد جعلک اللہ حدا

نیرہ کا بندہ نہ بن اللہ نے تجھے آزاد پیدا کیا ہے (1) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جس شخص میں یہ پانچ خصوصیات نہ ہوں اس کا وجود فائدہ مند نہیں ہے۔

اول۔ دین دوم۔ عقد سوم۔ ادب چہلام۔ آزادی پنجم۔ خوش اخلاق⁽²⁾

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بچہ سات سال کی عمر تک فرماں روا ہے۔ سات سال کی عمر سے لے کر

1_ بحار الانوار ج 77 ، ص 214

2_ بحار ، ج 1 ، ص 83

چو وہ سال تک فرماں برور ہے چودہ سال کے ! ر سات سال ماں باپ کا وزیر اور مشیر ہے (1)

البتہ مطا آزادی بھی ممکن نہیں ہے ۔ م اثرے میں زندگی بسر کرنے والا انسان کا لائیں رہ سکتا کیونکہ م اثرے کے تمام افراد آزادی اور زندگی کا رکھتے ہیں ۔ ایک فرد کی آزادی کے لیے دوسروں کے حقوق پا ماں نہیں کیے جا سکتے ۔ بچے کو بچپن ن سے سمجھا دینا چاہیے کہ بے قید و شرط آزادی کے ساتھ زندگی بسر نہیں کی جا سکتی ۔ دوسرے لوگ بھی زندگی اور کسے سے سر رہیں ۔ مثلاً بچہ چاہتا ہے کہ کھیے ۔ کھیے اس کی تربیت کے لیے بھی ضروری ہے ۔ اسے اس بات کی آزادی ہو نا چاہیے کہ اپنے ذوق اور سلیقے کے مطا کھیے لیکن اس کھیے میں ماں باپ ، ہمسایوں اور دوسرے بچوں کے حقوق کا بھی خیال رکھے اور ان کی آزادی میں حائل نہ ہو ۔ در ت ہے کہ اسے کھیلا نا چاہیے لیکن اسے یہ بھی معلوم ہو نا چاہیے کہ اسے لوگوں کے در و دیوار خراب اور گندہ کرنے اور شیشے توڑنے کا نہیں ۔ لہذا کھیے میں تو اسے آزادی ہے لیکن ایک مرود او رمشروط آزادی نہ کہ بے قیصر و شرط آزادی ۔ بچہ اپنے غصے کو استعمال کر سکتا ہے ۔ اسے منا موقتے پر استعمال کر کے اپنال دفاع کر سکتا ہے ۔ لیکن اسے یہ بھی معلوم ہو نا چاہیے ہ غصے کے وقت اسے یہ حاصل نہیں کہ گر کے سلمان کی توڑ پھوڑ شروع کر دے یا ماں باپ اور دوسرے لوگوں کو کسی نقصان پہنچائے یا کسی کی تو ہن کرے یا کسی کا پمال کرے ۔ اس حکمت عملی کے لیے ماں باپ کو چاہیے کہ بچے کی عمر ، نهم ، طاقت ، خواہشات اور جذبات کو ملحوظ نظر رکھیں اور اس کے اعمال او حرکات کو دوحصوں میں تقسیم کریں ۔

1_ وہ کام جو اس کے لیے جائز ہیں ۔

2_ وہ کام جن کا وہ مجاز نہیں ہے ۔

انھیں ان میں سے ہر ایک کی حدود پوری طرح سے واضح کرنا چاہیے ۔ اس کے

بر انہیں چاہیے کہ جائز امور میں بچوں کو پوری آزادی دیں تاکہ وہ اپنی جبلت اور بیعت کے مطاباً کرسیوں اور اپنی شخصیت کو پر وان چڑھا سکیں۔ بچے کو اجازت دینی چاہیے کہ وہ خود غور کرے۔ ارادہ کرے اور کام کے۔ نہ صرف بچے کو آزادی دینی چاہیے بلکہ ضروری مواقع پر اس کی مدد بھی کرنا چاہیے لیکن جو کام اس کے لیے مہیا نہیں ان سے سختی سے روکنا چاہیے اور ان کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں دینا چاہیے۔

اس طرز سے بچے کی آزادی سلا نہیں ہوگی اور نہ ان کی لاحتیں پٹی جائیں گی۔ بلکہ اس کو آزادی ہوگی البتہ حدود کے اندر۔ اور ساتھ ان کے جذبات اور بیعت پر کنٹرول بھی پیدا ہو جائے گا۔ جبلت پر کنٹرول اس کو پلٹنے اور اسے کھینچنے کے معنی میں نہیں ہر 8۔ بلکہ اس کا مطلب ہے انس پر قابو اور تقویت ارادہ تاکہ وہ اپنی لاحتوں کو غلط کاموں پہ صرف نہ کرے بلکہ انہیں مفید اور سودمند کاموں سے لیے جمع رکھے۔

آخر میں ماں باپ کو نصیحت کی جاتی ہے کہ پہلے تو وہ صحیح اور نیر صحیح کاموں کی حدود کو قطعی اور پر معین کریں تاکہ بچہ اپنی ذمہ داری کو سمجھ سکے۔ مثلاً ایب کام جو بچے یا خاندان کی سلامتی اور امن و سکون کے لیے نقصان دہ ہیں۔ نیز ایب کام جو جسمانی یا مالی اور پر ضرر سلا ہیں۔ اسی طرح شریعت اور قانون کے خلاف کام نیز اخلاقی اور مائشرتی اصولوں کے خلاف کام اور ایب کام جو دوسروں کی آزادی میں حائل ہوتے ہیں اور ان کے حقوق ضائع کرنے کا باعث بنتے ہیں انہیں بلیک لسٹ کر دیا جانا چاہیے اور بچے کو ان سے سختی سے روک دینا چاہیے۔ ایب کاموں کے علاوہ دیگر کاموں میں بچہ بالکا آزاد ہو نا چاہیے۔ اور ان امور دوسرا یہ کہ بچے کو کسی توہائی کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اس کے عقلی رشد اور جسمانی طاقت کے مطاباً اس کے لیے نظم و ضبط ہو نا چاہیے اور سخت قسم کے نظم و ضبط اور نیر منطقی اکام سے پرہیز کرنا چاہیے۔ تیسرا یہ کہ ماں باپ کو چاہیے کہ وہ اپنے قول پر کپے رہیں اور بچے سے سختی سے صراحت سے کہہ دینا چاہیے کہ

یہ کام تو انجام دے سکتا ہے اور وہ کام تجھے حتماً تک کرنا چاہیے ماں باپ کو چاہیے کہ بے جا احساسات اور جذبات کو ایک طرف رکھ دیں۔ شک و شبہ سے اجتناب کریں تاکہ بچہ ہی ذمہ داری کو سمجھے اور اپنے فریضہ کی ادائیگی میں شک نہ کے۔

امام حسن گری علیہ السلام فرماتے ہیں :

بچپن میں کسی بچے کی ماں باپ کے حکم کے خلاف جسارت اور بے اتنائی بڑا ہو کر اس کے سرکش اور نافرمان ہو جانے کا باعث بنتی ہے⁽¹⁾

چوتھا یہ کہ ماں باپ کو چاہیے کہ آپس میں ہم آہنگ ہوں اور اختلاف سے سختی سے پرہیز کریں اور اپنے اختلافات سے بچے کو شک اور دو دلی میں مبتلا نہ کر دیں۔

ضدی پن

بچوں میں پن نہ پن ضدی پن اور خود سری ہوتی ہے خصوصاً دو سال کی عمر میں۔ ضدی بچہ اصرار کرتا ہے کہ جو پن بھس اس دل میں آئے انجام دے اور کوئی اس کے راستے میں حائل نہ ہو۔ اگر وہ اپنی خواہش کے مطاباً کام نہ کر سکے تو پیر وہ روتا ہے چیختا۔ چلاتا ہے تاکہ کوئی راہ ملے۔ آئے۔ اپنے آپ کو زمین پر گھسیٹتا ہے۔ سر دیوار سے ٹکراتا ہے۔ شور مچاتا ہے غصہ کرتا ہے اور کھاتا۔ جھوڑ دیتا ہے۔ برتن توڑتا ہے یہاں تک کہ بھی ماں باپ یا ن بھائی پر حملہ بھی کرتا ہے۔ اتنا شور مچاتا ہے کہ ماں باپ پسر اس کو کامیابی حاصل ہو جائے اور وہ اپنا مقصد پالے۔ یہ بچپن کی ایسی عادت ہے کہ بھی تو نسبتاً بڑے بچوں میں بھی دیکھی جاتی ہے۔ اکثر ماں باپ بچوں کی اس عادت سے نالاں رہتے ہیں اور اس کا سوچتے رہتے ہیں۔ بچوں کے ضدی پن کے بارے میں ماں باپ عموماً ان دو طریقوں میں سے ایک اختیار کرتے ہیں۔

پہلا طریقہ: بعض ماں باپ کا یہ نظریہ ہے کہ بچے کی ضد کے مقابلے میں سخت رد کا مظاہرہ کیا جائے اور اس کی خواہشات کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا جائے۔ ای ماں باپ کا کہنا ہے کہ یہ بچہ بہت خود سر اور ضدی ہو چکا ہے۔ اس کے مقابلے میں استقامت کا مظاہرہ کی جانا چاہیے تاکہ یہ اپنے ضدی پن سے دست بردار ہو جائے۔ و کہتے ہیں کہ ہم اس بچے کو ایک اگ۔ بھس پڑا زور چلانے کی اجازت نہیں دیں۔ وہ سختی، زور اور مارپی کے ذریعے بچے کو روکتے ہیں اور اپنی خواہشات اس پر سوار کسرتیے ہیں۔ یعنی در حقیقت وہ

بچے کی د رمی کے جواب میں د رمی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہ طرز ۶ د رت نہیں ہے کیوں کہ۔ اگر چہ۔ انہوں نے مدیہ اور زور کے ذریعے بچے کو اس کی ضد سے پیچھے ہٹا دیا ہے اور چہ کروادیا ہے لیکن دوسری طرف اس کی شخصیت پر بڑی کارن ضرب لگائی ہے۔ دو سال کی عمر شخصیت اور ارادے کے اظہار کی عمر ہے اور ضدی پن ارادے کی پختگی اور خود اعتمادی کا بنیادی جوہر ہے بچے کی عقل اس عمر میں اتنی رشد یافتہ نہیں ہوتی کہ وہ اپنی خواہشات پر کٹرول کر سکے اور ان کے نتائج کے بارے میں غور و فکر کر سکے۔ وہ سوچے سمجھے! نیر کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کی خواہش کے مطاب ۶ کیا جائے تاکہ۔ اس کے وجود کا اظہار ہو سکے اور اس کی شخصیت نمایان ہو سکے۔ اگر ماں باپ اس کی مخالفت کریں۔ تو وہ گویا اس کی شخصیت کو مجروح کریں۔ ممکن ہے وہ ایک پرسکون فروین جائے لیکن حیثیت اور ارادے سے عاری۔ جب بچہ یہ۔ دیکھتا ہے کہ۔ کوئی اس کی خواہش پوری نہیں کر رہا اور طاقت کے ذریعے اسے روکا جا رہا ہے تو وہ مایوس اور بدگمان ہو جاتا ہے۔ اضطراب اور پریشانی کی یہی حالت اس میں باقی رہتی ہے البتہ اس بات کا امکان بھی ہے کہ وہ اپنی خواہشات کی شکست کا بدلہ لینے کے لیے وہ بڑا ہو کر خطرناک کاموں کا مرتب ہو مٹا قنہ اور ظلم و نیرہ تاکہ اس ذریعے سے وہ اپنے وجود کا اظہار کر سکے اور اپنی شخصیت منواسکے۔

دوسرا طریقہ: بعض پرورش کنندگان کا نظریہ ہے کہ جہاں تک مک ہو سکے بچے کے دل کو راضی کرنا چاہیے۔ اور اس کی خواہش کے مطاب ۶ کرنا چاہیے۔ اسے جازت دی جانا چاہیے کہ جو کام وہ چاہے انجام دے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ بچے کی ضد اور اصرار کسے سامنے تسلیم محض ہونا چاہیے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بچہ ہے اسے آزادی ملنی چاہیے جب بڑا ہوگا تو خودی ضد اور بہانے بنانے چھوڑ دے گا۔ یہ طریقہ بھی نیت سے خالی نہیں ہے۔

اولا: بعض کام ایسے ہوتے ہیں کہ جو بڑے جانی یا مالی نقصان کے حاکم ہوتے ہیں اور خود بچے کی یا دوسروں کی جان و مال کو خطرہ میں ڈال دیتے ہیں ایسے کاموں میں بچے کو آزادی دینا خلاف عقیدہ اور خلاف وجدان ہے ہو سکتا ہے دو تین سالہ بچہ بڑی سیبھی کسے

ذریعہ اوپر

جانا چاہے کہ جس میں احتمال ہے وہ گر پڑے گا اور اس کے ساتھ پاؤں ٹوٹ جائیں۔ ممکن ہے وہ چاہے کہ ماچس سے خود گسے۔ جس میں امکان ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور پورے گھر کو جلا دے گا۔ ہو سکتا ہے وہ دوسروں کے احوال اور حقوق پر توجہ نہ دے۔

کرنا چاہے یا دوسرے بچوں کو اذیت دینا چاہے۔ اب کاموں میں بچوں کو آزادی نہیں دی جاسکتی۔

جانیو: جو بچہ ہمیشہ مطلقاً انا ہی رہتا ہو۔ ضد سے اور شور شرابے سے اپنے مقاصد حاصل کرتا رہا ہو، جس نے اپنے سامنے کسی کو ٹرتے نہ دیکھا ہو رفتہ رفتہ اس طریقے کا عادی ہو جاتا ہے اور ایک خود غرض اور ڈکٹیٹو بن جاتا ہے۔ اسے لوگوں سے توجہ ہوتی ہے کہ وہ بے چون و چرا اس کی خواہش پر عمل کریں اور اس کے طرز عمل اور کردار پر کوئی تنقید نہ کریں۔

اس نے بچپن میں ہی خواہشات کے مقابلے میں کسی کو قیام کرتے نہیں دیکھا کہ وہ دوسروں کی خواہشات کا اتنا توجہ نہ کرے۔ اگر وہ دیکھے کہ زور و زیادتی سے ہی خواہشات کو سیرت کر سکے اور اپنے مقصد کو پائے تو بہت خوش ہوتا ہے۔ لیکن زیادہ تر ایسا نہیں ہوتا۔ کیوں کہ دوسرے تیار نہیں ہوتے کہ اس کی ڈکٹیٹو کو برداشت کریں۔ اس لحاظ سے وہ اثر سے ملبوس ہو کر گوشہ نشین ہو جاتا ہے ہمیشہ آہ و زاری کرتا رہتا ہے۔ اپنے تئیں شکست خوردہ سمجھتا ہے اور لوگوں کو ناشناس سمجھتا ہے۔

اسلام دُرمی کو بری صفت میں سے شمار کرتا ہے اور اس کی مذمت میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔

نمونہ کے در پر۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"دُرمی برائیوں کا سب سے ہے" (1) امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: "ڈھٹائی عقق انسان کو نقصان پہنچاتی ہے" (2)

1_ غرراکم، ص 16

2_ غرراکم، ص 17

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

" د رمی جنگ اور دشمنی کا باعث ہے" (1)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: " د رمی کا نقصان انسان کی دنیا اور آخرت کے لیے سے زیادہ ہے" (2)

تیسرا طریقہ: بہترین روش اعتدال کو ملحوظ رکھنا ہے۔ یہ وہ طریقہ ہے کہ جس کے مطاباً ماں باپ بچے کی خودسری کو عیب نہ سمجھتے بلکہ اس کی استقامت اور اصرار کو اس کے وجود اور قوت ارادی کے اظہار کا وسیلہ جانتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ اس کو مستحکم نہیں کرتے بلکہ تعلیم و تربیت کے لیے اسی فائدہ اٹھاتے ہیں، بچے کی خواہشوں کے درمیان فرق کرتے ہیں، بے ضرر خواہشات کے ضمن میں بچے کو آزادی دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے میلان کے مطاباً کرے اور اس طرح اپنی قوت ارادی میں اضافہ کرے۔ اس کے بے ضرر یا کم ضرر کاموں میں زیادہ دخالت نہیں کرتے وہ بچے کے دوت بن جاتے ہیں اور کاموں کی ادائیگی میں اس کی راہنمائی کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں بچے کو زیادہ تر کاموں میں آزادی حاصل ہوتی ہے اس طرح سے وہ اپنے ارادے کو مضبوط کر سکتا ہے اور اپنے وجود کا اظہار کر سکتا ہے۔ ماں باپ کے بارے میں وہ بھی اچھی رائے رکھتا ہے اور انھیں اپنے راستے میں حائل نہیں سمجھتا۔ لیکن خطرناک نقصان وہ اور خلاف و ضمیر کاموں میں ناجائز امور میں اور دوسروں کے حقوق پر تجاوز کے معاملے میں بچے کے سامنے استقامت کرتے ہیں اور اس سلسلے میں ذرا سی بھی ڈھیلی نہیں دیتے وہ پوری بے نیازی سے اور صراحت سے بچے سے کہتے ہیں اس کام کو نہ کرنا۔ وہ کوشش کرتے ہیں کی حتی الامکان اس کام سے روکنے کی وجہ سے

1_ غرر اکلم، ص 18

2_ غرر اکلم، ص 104

ہائیں اور اسے مطمئن کریں اور اس کی توجہ کسی اور اچھے کام کی طرف موڑ دیں۔ بچہ چونکہ ماں باپ کے بارے میں اچھے رائے رکھتا ہے اور اس پر زیادہ پابندیاں نہیں ہوتیں زیادہ تر مان جاتا ہے اور اس کام کو چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن اگر وہ غلط کاموں کے بارے میں حذر کرے۔ شور شرابہ کرے۔ زمین پر پاؤں مارے تو آپ سختی سے اسے روک دیں۔ اور اس سلسلے میں کوئی ڈھیس نہ دیں۔ اس کے شور و شین اور رونے دھونے پر توجہ نہ دیں۔ اسے اس کے حل پر رہنے دیں تاکہ وہ سمجھے کہ دنیا میں ہر چیز کا کوئی حساب ہے کہ جو اس کے شور شرابے سے بدل نہیں سکتا۔ آپ پر کریں وہ خود شور شرابے سے تک ہار کر چھ کر جائے گا۔ بچے کو سمجھائیں کہ آپ کی نہ حقیقی نہ ہے۔ اسے سمجھائیں کہ زور اور خود سری سے زندگی نہیں گزاری جاسکتی دوسروں کے حقوق کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اس کی د رمی اور شور شرابے پر مایہ شروع کر دیں اور سختی سے اسے چھ۔

کرائیں کیونکہ اس طرح سے اسے چھ تو کرایا جاسکتا ہے لیکن حتیٰ اور پر اس کی روح اور نفسیت پر اس کے برے اثرات باقی رہ جائیں۔ کیوں کہ وہ آپ سے بد بین ہو جائے گا۔ اور آپ کو بھی ایک زیادتی کرنے والا اور ڈکٹیٹر سمجھے گا۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کے خلاف اس کے دل میں کینہ پیدا ہو جائے اور وہ انتقام لینے کی ٹھان لے ہوسکتا ہے آپ کی آمریت کو اپنے لیے نمونہ بنالے۔ اس بحث کے اختتام پر ضروری ہے کہ مرئی حضرات کی خدمت میں چند امور ذکر کیے جائیں۔

1۔ جہاں تک ممکن ہو بچوں کو ع کی آزادی دیں۔ ان کے امور میں زیادہ دخالت نہ کریں اور ہر وقت یہ کسرو یہ۔ کسرو نہ کرتے رہیں۔ بچہ کرسی، درخت یا چھوٹی سیہی کے ذریعہ اوپر جانا چاہتا ہے آپ کہیں بیٹے گر جاؤں وہ پھ کا چھ کا اٹارنے سے تو آپ کہیں بیٹا ہاتھ کو زخمی کر لوں، وہ سماوار روشن کرنے سے تو آپ کہیں ج جاؤں، وہ چائے ڈالنا چاہے تو آپ کہیں پینک توڑ دوں، گر میں کھیلنا چاہے تو کہیں شور نہ کرو۔ گلی میں جانا چاہے تو آپ کہیں سائیکہ کے نیچے آجاؤں۔

پر یہ ننھا بچہ کیا کرے آخر وہ بھی انسان ہے۔ اس کا بھی ارادہ ہے۔ وہ بھی اپنے وجود کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔ جب آپ اس کے کاموں میں دخالت کریں۔ وہ

خستہ حال ہو جائے گا اور اس کے اندر ایک د رمی اور خود مری کی کیفیت پیدا ہو جائے گی بچے کی د رمیوں کی ایک وجہ۔ ماں باپ کی اس کے کاموں میں زیادہ دخالت ہے۔

2۔ جب آپ کا بچہ ضد کرے تو کوشش کریں کہ اس کی ضد کی وجہ معلوم کریں اور اس کو دور کریں تاکہ وہ خود بخود مطمئن ہو جائے۔ اگر اسے بھوک لگی ہو تو کھانا دیں۔ اگر وہ تھکا ہوا ہے تو اسے سلا دیں۔ اگر وہ گر کے تنگ ماحول، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے شور اور مہمانوں کی وجہ سے تنگ آ گیا ہے تو اس کے لیے آرام وہ ماحول فراہم کریں۔

3۔ بچے کی توہین اور اسے سرزنش نہ کریں کیونکہ توہین اور سرزنش اسے ضد بازی پر ابھارتی ہے وہ اپنے آپ سے کہتا ہے کہ۔ یہ میری توہین کرتے ہیں اور مجھے لامت کرتے رہتے ہیں۔ میں بھی ان کے سامنے ڈٹ جاؤں گا اور ان سے انتقام لوں گا۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "سرزنش میں زیادتی د رمی کی آگ کو برکاتی ہے" (1)۔

4۔ بھی کسی بچے پر اس کے بھائی، بن ظلم اور زیادتی کرتے ہیں اور اس کی کوئی حملت نہیں کرتا یوں وہ د رمی اور سرکشی پر اتر آتا ہے اس صورت میں ماں باپ کو چاہیے کہ اس کی سرکشی کی وجہ معلوم کریں۔ اور اسے دور کریں تاکہ وہ اسے چھوڑ دے۔

5۔ اگر آپ کا بچہ شد کرتا ہے اور آپ کو اس کی وجہ معلوم نہیں ہوتی تو آپ اپنے آپ کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ خود آپ کہیں صدی پن کا شکار تو نہیں ہیں۔ شاید آپ کا صدی پن بچے کے صدی پن کا باعث بنا ہو۔ ایسا بہت ہوتا ہے کہ بچے ماں باپ سے صدی پن کا مظہر ہوتے ہیں اور انہیں کی تقلید کرتے ہیں۔ ایک خاتون اپنی یادداشتوں میں لکھتی ہیں کہ مجھے یاد ہے بچپن میں ایک روز ہمارے ہاں مہمان آئے۔ میں نے کسی بات پہ ضد کی تو اس پہ مہمانوں کے سامنے

مجھے مار پڑی مجھے مہمانوں سے بہت شرمندگی ہوئی۔ میں نے بہت بیچ و پکار کی۔ امی کہے جاتی تھیں چ کر ہا بیٹی کا شور مچانا اچھا نہیں ہوتا۔ میں آ رہی ہوں تمہیں چ کر داتی ہوں۔ امی نے اس بارے میں بالک نہ سوچا کہ میری ضد کی وجہ کیا ہے اور میں کیوں شور مچا رہی ہوں۔ وہ صرف یہ چاہتی تھیں کہ اس طرح کی باتوں سے مجھے چ کر دویں، جو مجھے اور بھی بری لگتی ہیں۔ لیکن میں نے بھی زیادہ شور مچایا۔ ماں نے اپنے تئیں اس کا بہترین ص سوچا۔ گریا کے جو کپے میں نے خود سے تھے وہ اٹھالائیں مجھے وہ جان سے زیادہ عزیز تھے۔ انھیں امی نے میرے سامنے آگ لگادی۔ گویا میری ساری امیدیں ختم ہو گئی۔ میں آگ کے شعلے کی طرف دیکھتی تھی اور آنسو بہاتی تھی۔ اس وحشیانہ واقعہ سے میرے دل میں ایک گرہ سی پڑ گئی کہ جے میں آج تک بھلا نہیں سکی۔ اور اب بھی مجھے اس پر افسوس رہتا ہے اور بھی بھی میں ہنی امی سے کہتے ہوں

کام اور فرض کی ادائگی

کام اور کوشش انسانی زندگی کی بنیاد ہیں۔ کام کے ذریعے انسان روٹی کپا اور مکان مہیا کرتا ہے۔ کام اور محنت کے ذریعے زمین آباد ہوتی ہے۔ اور لوگوں کے لیے آرام و آسائش کے اسباب فراہم ہوتے ہیں یہ اتنی صفاتیں اور رحیران کنس اہجولوات انسانی کام اور محنت کا نتیجہ ہیں۔ یہ علم اور محنت ہے کہ جس نے موجودہ تمدن کو وجود بخشا ہے اور انسان کو یہ عظمت علا کی ہے۔ ہر ملک کی ترقی اور پیش رفت اس ملک کے افراد کی محنت اور کوشش سے وابستہ ہے۔ اگر کسی ملک کے افراد مختلف حیلوں بہانوں سے کام کرنے سے بچیں۔ با نصوص پیداواری کاموں سے بچیں تو وہ ملک خوشحال نہیں ہو سکتا۔ ایسی قوم پیدا کرنے والی نہیں صرف صرف کرنے والی ہو گی اور وہ استعماری قوتوں کے ہاتھوں میں چلی جائے گی۔ ہر فرد کی ترقی بھی اس کے علم، کام اور کوشش سے وابستہ ہے۔ دنیا کام اور محنت کا مقام ہے نہ کہ سستی اور تن پروری کا۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے۔

"وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى"

"انسان کے لیے جو کچھ بھی ہے وہ اس کی کوشش کا ماہ ہے" (1)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم فرماتے ہیں :

"وہ جو اپنا بو. دوسروں پہ ڈالے رکھے وہ ملعون ہے" (1)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم فرماتے ہیں کہ "عبادت کے ستر (70) حصے ہیں۔ جن میں سے اُن سے رزق حلال کے حصول کی کوشش ہے" (2)

حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"میرے دوستوں اور شیعوں کو میرا سلام پہنچانا اور ان سے کہنا تقویٰ کو نہ چھوڑنا اور اپنی آخرت کے لیے توشہ تیار کرنا۔ خیرا کس قسم میں صرف اس چیز کا تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جس پر خود کھرتا ہوں۔ محنت اور کوشش کریں۔ نماز صبح کے بعد ہر کام پر لگا جائیں اور رزق حلال حاصل کریں۔ کام کریں، خدا تمہیں رزق دے گا اور تمہاری مدد کرے گا" (3)

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: "جو شخص دنیاوی امور میں سست اور کاہل ہو وہ مجھے برا لگتا ہے۔ جو شخص محنت و مشقت میں سست ہو وہ امور آخرت میں بھی سست ہوگا" (4) ثواب ملے گا" (5)

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

1_ کئی، ج 5، ص 72

2_ کئی، ج 5، ص 78

3_ کئی، ج 5، ص 78

4_ کئی، ج 5، ص 85

5_ کئی، ج 5، ص 88

"انسان انسانوں کے لیے خدا کے خزانے ہیں ، وہ اچھا بیج بولتے ہیں اور خدا اس بیج کو اگاتا ہے قیامت میں کسانوں کا بہترین مقام ہے
_ اور انہیں " مبارکین " کے نام سے پکارا جائے گا " (1) _

ہر انسان دوسروں کی محنت اور کام سے فائدہ اٹھاتا ہے _ وہ دوسروں کی محنت اور زحمت کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتا اس کی بھی یہ _
ذمہ داری ہے کہ اپنی طاقت کے مطاباً کام اور محنت کرے اور دوسرے انسانوں کو بھی فائدہ پہنچائے _ مزدور بہترین اور شریف ترین
انسان ہیں جو لوگ خود طاقت رکھتے ہیں لیکن کام نہیں کرتے اور دوسروں کی محنت پر پلٹتے ہیں وہ پروردگار عام کی رحمت سے دور نہیں
جن ماں باپ کو اپنی اولاد کی سہ اوت اور خوش بختی مطلوب ہے اور جنہیں اپنے ملک کی خوشحالی اور ترقی پسند ہے وہ اپنے تربیت پر وگرام
میں بچوں کو محنت کرنا بھی سکھائیں _ اپنے بچوں کی اس طرح سے تربیت کریں کہ وہ بچپن ہی سے کام کرنے کے شوق میں اور عسلی
ہو جائیں تاکہ بڑے ہو کر نہ صرف یہ کہ وہ کام کرنے کو ننگ و عار نہ سمجھیں بلکہ اس پر افتخار کریں _ بہت سے ماں باپ زندگی کے
اس انتہائی اہم موضوع سے غفلت برتتے ہیں اور اس طرف بالکل توجہ نہیں دیتے یہاں تک کہ ایک عمر تک وہ بچوں کے کام خسو
انجام دیتے ہیں اور انہیں کوئی ذمہ داری نہیں سونپتے وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح سے وہ اپنی اولاد کی خدمت کر رہے ہیں جب کہ یہ _
خدمت نہیں بلکہ بہت بڑی خیانت ہے بچے سے بھی ملک و قوم سے بھی ، بھی وہ یہ بہانہ کرتے ہیں کہ _ کام کرنے میں جہری
نہیں کرنا چاہیے ، کام کرنے بچے کے لیے دشوار ہے _ بڑا ہوگا تو خود ہی کام کے نتیجے میں پڑے گا _ جب کہ ان کس یہ _ بہت
دیر نہیں ہے کیونکہ جو کام بچے کی عمر اور طاقت کے مطاباً ہو وہ بچے کی بیعت کے مخالف نہیں ہے جب کہ _ اس کس جبالت
اور ضرورت کے مطاباً ہے _ اگر انسان کو بچپن ہی سے کام کرنے کی عادت نہ پڑے تو بڑا ہو کر کام کرنے میں دیر بھی سے گس اور
اس کے لیے دشوار بھی ہوگا _ اگر صحیح تربیت کی جائے تو کام کرنا بچے کے لیے پسندیدہ بھی ہوگا اور زت بخش بھی

ایہ ماں باپ بھی کہتے ہیں اتنا حوصلہ کس میں ہے کہ انتظار کرے کہ بچہ اپنا کام خود انجام دے۔ ہم اس کے لیے زیادہ جا سکتے ہیں۔
کام کر کے فارغ ہو سکتے ہیں۔ بڑا ہوگا تو خود کام کرتا ہے گا۔

ان نادان ماں باپ کو اگر واقف اپنی اولاد سے محبت ہو تو وہ ایسے بے جا ہمانے کر اپنے آپ کو اولاد کی تربیت سے بری ازمہ قرار نہ دیں اور سست کاٹ اور بے کار افراد م اثرے میں بطور یادگار نہ چھوڑیں۔ فرض شناس اور سمجھ دار ماں باپ بچے کی عمر، جسمانی توت اور اس کے ہم و شور کو مد نظر رکھتے ہوئے کوئی کام اسے کے ذمے لگاتے ہیں نیز اس کام کی انجام دہی میں اس کی مدد کرتے ہیں، مثلاً تین سالہ بچے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اپنا جوتا اور جرابیں خود پہنو اور خود اتارو، اپنی نیکر خود پہنو، ک دانس، چمچ اور کلاں لاؤ۔ جب بچہ بڑا ہو جائے تو سدریجا بڑے کام اس کے ذمے لگائے جا سکتے ہیں۔ مثلاً اپنا بستر خود بچھائے اور خود نہ کرے کسوٹا کر کابرتن خالی کر کے لائے، کھانا پکائے، دسترخوان لگائے اور اٹھائے، برتن دھوئے، کمروں میں جھارو دے، مخصوص اوقات میں اپنے چھوٹے بچوں کی حفاظت کرے بچے میں پالوں اور درختوں کو پانی دے، پالتو جانوروں کو پانی اور کھانا دے، روٹی، سبزی، دودھ، دن، سرف، صابن، ٹوٹ، پیس خرید کر لائے، کھینے کا سامان صاف کرے اور سلمتے سے رکھے، ایسے کام بچے آرام سے انجام بھی دے سکتے ہیں اور انہیں اپنے ذمہ بھی نہ سکتے ہیں۔

جب بچے اور بڑے ہو جائیں تو پمشکا تر کام ان کے ذمے لگائے جا سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں ماں باپ کے لیے چند باتیں ضروری ہیں:

1۔ بچے کی عمر اور بدنی قوت کو مد نظر رکھتے، جب بھی وہ دیکھیں کہ بچہ کسی کام کی سزا رکھتا ہے تو وہ کام اسے کے ذمے

لگائیں۔ بانصوب جب چہ خود کوئی کام کرنے کی خواہش کرے۔ خاص طور پر وہ کام جو خود بچے کی ذات سے مربوط ہیں تاکہ

وہ بچپن سے کام کرنے کا عادی ہو جائے اور ست اور آرام طلب فرد نہ بن جائے۔

2۔ بچے کی توت اور حوصلے کو پیش نظر رکھا جانا چاہیے اور مشاک کو اور زیادہ سخت کام اس کے ذمے نہ لگایا جائے۔ کیوں کہ۔ ممکن ہے کہ ایسا کرنے سے وہ کام سے بیزار ہو جائے اور آئندہ کام سے جی چرائے۔ اگر کام تھکاوٹ والا ہو تو ہو سکتا ہے بچہ سرکش کا مظاہرہ کرے۔

3۔ کو شہ کریں کہ کام بچے کے سپرد کرتے وقت اہم و تفہیم سے کام لیں۔ اسے سمجھائیں کہ اگر کے کام خود بخود انجام نہ ہیں پاتے۔ باپ محنت و مشقت کر کے اگر کا خرچ چلاتا ہے، ماں بھی گریلو کام انجام دیتی ہے، تم بھی اسی خاندان کے ایک فرد ہو، اگر کے کام چلانے کے لیے ہمت کرو اور اپنی طاقت کے مطاباً ان کاموں میں لگ کر۔ ایب مواتح پر حتی المتور زور اورو جبر سے پرہیز کرنا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ غلط اور اندھی اطاعت کا عادی ہو جائے۔

4۔ اگر ممکن ہو تو کسی ذمہ داری کو قبول کرنے کے لیے انتخاب بچے کو دیں مثلاً آپ کر سکتے ہیں اگر تو چاہے تو برتن دھولے چاہے تو کمرہ صاف کر لے۔

5۔ کام کی حدود اور مترار بچوں پہ بالک وانخ کریں تاکہ وہ اپنی ذمہ داری کو سمجھیں اور اس میں شک و شبہ میں نہ پڑیں۔

6۔ جن بچوں میں لاجیت ہو ان کے لیے مستق کام معین کر دیں۔ اس طرح سے کہ وہ مستوجہ رہیں اور ان میں احساس ذمہ داری پیدا ہو۔ مثلاً کسی ایک بچے سے آپ کر سکتے ہیں کہ ہمارے دسترخوان پہ ہمیشہ سلاد ہونا چاہیے۔ سلاد خریدنا تیرے ذمے ہے۔ سرف، صابن اور ٹوٹ پیسہ خریدنا بھی تیرے ذمہ ہے۔ ہمیشہ توجہ رکھنا کہ اگر صرف، صابن اور ٹوٹ پیسہ سے خالی نہ ہو۔

7۔ کو شہ کریں کہ حتی المتور بچے کے ذمے ایسا کام کریں جو اس کی بیعت اور پسند کے مطاباً ہوتا کہ وہ اپنا کام خوشی خوشی انجام

دے۔ البتہ بعض استثنائی مواتح

پر اسے بیت کے خلاف کام بھی کرنا چاہیے۔ اور چاہیے کہ وہ اب کام بھی ناک منہ چڑھائے! نیر انجام دے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "اگر میں کام کرنے والوں کے لیے ایک کام معین کر دو اور ہر کسی کی ذمہ داری اس کے سر ڈال دو جب وہ اپنی ذمہ داری سمجھ لیں۔ تو پھر یہ نہیں سوچیں۔ کہ یہ کام کسی دوسرے کو کرنا ہے" (1)

8۔ اگر آپ کے گھر میں مزد بچے ہوں تو تقسیم کار میں عدالت کو ملحوظ رکھیں تاکہ لڑائی نہ گڑا نہ ہو اور وہ خوشی خوشی اپنے کام انجام دیں۔

9۔ بچوں کو کام کرنے پر مامور کرنے کے لیے آپ ان کے ساتھ ساتھ کام کر سکتے ہیں کیونکہ بچوں کو یہ بات اچھی لگتی ہے کہ۔ وہ بڑوں سے ساتھ ساتھ کام کریں۔

10۔ اگر ماں باپ کے درمیان گھر کا نظام چلانے میں ہم آہنگی اور تعاون ہو تو وہ اپنی اولاد کے لیے بہترین نمونہ اور اس طرح سے وہ بچوں میں ذمہ داری قبول کرنے کا شوق پیدا کر سکتے ہیں۔

11۔ جب بچے بڑے ہو جائیں اور وہ کوئی ایسا کام کر سکیں جو ملای ابتدا سے مفید ہو تو چھٹیوں کے دنوں میں ان کے لیے کوئی کام اور ممکن ہو تو کوئی پیداوار دار کام ان کے لیے مہیا کریں اور اس کی انجام دہی میں انہیں تشویش کسریں۔ اس طرح سے انہیں کام کرنے کی عادت بھی پڑے گی اور گھر کے خرچ میں وہ مدد کر سکیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وہ قوم و ملک کی خدمت بھی کر سکیں۔ انہیں سمجھائیں کہ کام کرنے میں کوئی عدا نہیں بلکہ یہ باعث افتخار و شرف ہے۔ البتہ ان پر زیادہ دباؤ بھی نہ ڈالیں۔ انہیں تفریح اور کھیل کا بھی موقع دیں یہ درت نہیں کہ ماں باپ کہیں ہم مالی ابتدا سے خوش حال ہیں اور اپنے بچوں سے کام لینے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں

تو وہ آوارہ گرد اور منت خور بن جائیں۔۔۔

آخر میں ہم ایک بار پَر یاد دلا دیں کہ کام کرے کے شوق اور محبت کی بنیاد بچپن میں رکھی جانا چاہیے تاکہ یہ بات بچے کس بیست میں رچ بس جائے اور وہ اس کا عادی ہو جائے ورنہ بار میں یہ کام دشوار ہو جائے گا۔ فرض شناس ماں باپ کو چاہیے کہ۔۔۔ اس اہم فرض سے غفلت نہ کریں۔۔۔

ایک عورت اپنی یادداشتوں میں لکھتی ہے۔۔۔

"میں بہت سست، بے حوصلہ اور صدی عورت ہوں۔ بچے بچپن اور رڈری ڈری رہتی ہوں۔ میرے مرنے میں ورم ہے۔۔۔ کام کرنے کو میرا جی نہیں چاہتا۔ کام کرنا تو میرے لیے بہت مشکل ہے۔ گر کا نظام سنبھالنے اور کھانا پکانے سے عاجز ہوں۔۔۔ اسوجہ سے شوہر اور ساس سے ہمیشہ میری جنگ رہتی ہے۔ اور ان بدبختیوں کا سبب میری ماں ہے۔ وہ بہت مہربان، با بر، اور با حوصلہ عورت تھیں۔ میں ایک گریلو لڑکی تھی۔ لیکن امی کوئی کام میرے سپرد نہیں کرتی تھی۔ گر کے کام خود انجام دیتی تھی انہوں نے مجھے کام کرنا اور گر کا نظام چلانا نہ سکھایا۔ کوئی ذمہ داری پر نہ ڈالی کہ مجھے بھس کوئی ذمہ داری نبھانے کی عادت پڑتی۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ میں تک جاؤں اور اپنے تئیں وہ میرے بارے میں اچھا سوچتی تھیں۔ لیکن اس بات کی طرف ان کی توجہ نہ تھی کہ مجھے آئندہ زندگی بھی گزارنا ہے اور مجھے بھی ایک گر کا نظام چلانا ہے۔۔۔ ایک صاحبہ اپنے ایک خط میں لکھتی ہیں:

... .. میں گر کی سے بڑی بیٹی ہوں۔ اپنی زندگی سے پوری طرح مطمئن ہوں اور کسی قسم کی کن محسوس نہیں کرتی۔۔۔

بخیر اور حاسد نہیں ہوں۔ دوسروں کے لیے مہربان اور ہمدرد ہوں۔ دنیا کے زور و زور کی میرے نزدیک کوئی حیثیت نہیں۔۔۔

پ۔ کرنا جانتی ہوں۔ زندگی کے حالات احسن طریقے سے نبھاتی ہوں۔ مجھے کسی قسم کا کوئی غم نہیں ہے۔ ایک صاف

سگری، پرسکون اور آرام دہ زندگی بسر کرتی ہوں۔ میں اپنے ماں باپ کی شکر گزار ہوں کیوں کہ یہ انہی کی عالمانہ

تربیت کا نتیجہ ہے۔

جب میرے ابو گر میں داخل ہوئے تو مجھے پکارتے جو پ لاتے مجھے تھما دیتے۔ زیادہ علف لاتے تو میرے سپرد کر دیتے کہ سیف میں رک دوں۔ اگر ان کا ہٹن توٹ گیا ہوتا یا ان کے لباس کو استری یا سلائی کی ضرورت ہوتی تو مجھے دے دیتے تاکہ میں یہ کام انجام دوں۔ جب میں وہ کام کر دیتی تو مجھے شاباش دیتے۔ ایک روز میں نے ان کا لباس خوب اچھا طریقے سے سیا وہ بہت خوش ہوئے اور کہنے لے: میں تمہارے لیے ایک سلائی مشین لاؤنگا۔

چند ہی روز انہوں نے اپنا وعدہ کو پورا کر دیا اور میرے لیے سلائی مشین لے آئے۔ اس دن سے سلائی کا کام میرے ذمے ہو گیا۔ میری امی قیمتی کپڑے اور کپڑے دیتی اور کہتیں: جاؤ اسے سیو، اگر خراب ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ٹھیک ہو جائے گا۔ میری امی چونکہ مجھے اطمینان دلاتی تھی لہذا میں خود احمدا بڑھ گئی۔ میں کوشش کرتی کہ کام اچھے طریقے سے انجام دوں۔ مجھے نہیں یاد کہ میں نے بھی کوئی کپڑا خراب کیا ہو۔

خلاصہ یہ کہ میں اپنے ماں باپ کی توجہ اور تشویق کی وجہ سے تمام کام کرنا سیکھا گئی۔ کام کرنے اور ذمہ داری نبھانے کی عادی ہو گئی۔ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی اولاد کی بھی اسی طرح تربیت کروں گی۔

راسگوئی

جھوٹ بولنا ایک انتہائی بری صفت ہے اور گناہان کبیرہ میں ہے۔ دنیا کی تمام قومیں اور ملتیں، جھوٹ بولنے کی مذمت کرتی ہیں۔ اور جھوٹ بولنے والے کو پست اور گھٹیا قرار دیتی ہیں۔ جھوٹ بولنے والے شخص کا دنیا والوں کی نظر میں کوئی عزت و اتہار نہیں ہوتا۔ ایک شریف اور لچھا شخص جھوٹ نہیں بولتا۔ اسلام نے بھی اس بری صفت کی مذمت کی ہے۔ اور اسے گناہ کبیرہ اور حرام قرار دیا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

"جھوٹ خرابی ایمان کی بنیاد ہے" (1)

حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جو زیادہ جھوٹ بولتا ہے اس کی کوئی عزت نہیں ہوتی (2)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

کوئی کام جھوٹ سے بڑھ کے گھٹیا نہیں (3)

1_ اصول کافی، ج 4، ص 36

2_ اصول کافی، ج 4، ص 33

3_ مستدرک، ج 2، ص 100

اللہ کے نبیوں اور دینی رہنماؤں نے لوگوں کو سچائی کی دعوت دی ہے۔ ایک فطری اور بیعی چیز ہے۔ اور انسان کس سرشت کا حصہ ہے اور بچے کو پسند کرتے ہیں۔ اور جھوٹے سے نفرت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جھوٹ بولنے والا شخص بھی ایسا ہے۔ اگر بچے کو اس کے حال پہ جھوٹ دیا جائے تو فطری اور پر اس کی تربیت ایسی ہوگی کہ وہ سچا ہوگا۔ یہ تو خارجی عوا^۱ اور اسباب ہیں کہ جو اسے خدا داد فطرت سے خرف کر دیتے ہیں اور اسے دروغ گوئی کی طرف لے جاتے ہیں۔ جھوٹ بولنا ایک نھے بچے سے ا^۱ میں نہیں کھانا۔! راز آن اس سے خرف ہو جائے اور جھوٹ بولنے کا عادی بن جائے تو بڑے ہو کر یہ عادت ترک کرنا اس کیلئے دشوار ہوگا اور زیادہ امکان یہی ہے کہ وہ اس سے دستبردار نہیں ہوگا۔ اس پر نہ کوئی آیت اثر کرے گی نہ روایت اور نہ وعظ و نصیحت۔ ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچپن سے اس بات کی نگرانی کریں کہ ان کی اولاد سچا ہو۔ جھوٹ کے علم و اسباب کو روکیں۔ اور سچائی کو جو ان کی سرشت میں شام^۱ ہے اس کی پرورش کریں۔ سچائی کی تربیت کو نظر انداز نہیں کرنا۔ چاہے اور نہ اسے بڑے ہونے پر مثال دینا چاہے۔ جو ماں باپ اپنی اولاد کی تربیت کے خواہش مند ہیں اور احساس ذمہ داری رکھتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ مندرجہ ذیل امور کی طرف توجہ فرمائیں۔

1۔ بچے کی تربیت پر اثر انداز ہونے والی ایک نہایت اہم چیز خاندان کا ماحول ہے۔ خاندان کے ماحول میں بچہ پروان چڑھتا ہے۔ اور وہ ماں باپ سے اور ساتھ رہنے والوں سے اخلاق سیکھتا ہے اور ان کی پیروی کرتا ہے۔ اگر گ^۱ کا ماحول سچائی اور درستی پر مبنی ہو، ماں باپ اور دیگر افراد صداقت اور سچائی سے ایک دوسرے کے ساتھ پیش آنے والے ہوں تو ان کے بچے بھی یہی سیکھیں گے۔ اس کے برعکس اگر گ^۱ کا ماحول جھوٹ اور دروغ گوئی پر مبنی ہو، ماں باپ ایک دوسرے سے اپنی اولاد سے اور دیگر افراد سے جھوٹ بولتے ہوں۔ بے گناہ بچے جو اپ ماحول میں پرورش پائیں۔ یہی بری عادت ماں باپ سے سیکھیں گے اور دروغ گو بن جائیں گے۔

جن بچوں کے کان جھوٹ سے آشنا ہو گئے ہوں اور جو ہر روز

ماں باپ سے دروغ گوئی کے مظاہر دیکھتے ہوں ان سے کہتے توتح کی جاسکتی ہے کہ وہ بچے اور صادق پروان چڑھیں۔ ایسے ماحول میں یہ لاحتیت نہیں ہے کہ وہ جھوٹے اور فریبی شخص کے علاوہ پ تربیت کرے۔ ایسا زہر یلا ماحول ن ہے کہ جو ایک حساس اور اثرات قبول کرنے والے بچے کی فطرت کو سچائی سے خرف کردیتا ہے اور دروغ گوئی کا علای بنادیتا ہے۔ بعض نادان ماں باپ نہ صرف یہ کہ خود جھوٹ بولتے ہیں بلکہ اپنے بچوں کو بھی جھوٹ بولنے کی تلقین کرتے ہیں۔ باپ گر پ ہے لیکن بچے کو کہتا ہے نلان شخص سے کہو لو گر پ نہیں ہیں۔ بچہ جو ٹھیک ٹھاک تھا اور اس نے گر کا کام نہیں کیا باپ اس سے کہتا ہے اس سے کہنا میں ہمد تھا۔ ای سینکڑوں جھوٹ ہیں جن کا بعض گروں میں ہر روز تکرار ہوتا ہے۔ ای نادان ماں باپ اپنے بچوں سے بہت بڑی خیانت کے مرتب ہوتے ہیں۔ جھوٹ بولنا گناہ ہے لیکن جھوٹ سکھانا اس سے کہیں بڑا گناہ ہے۔ جھوٹے ماں باپ جھوٹ بولنے کی سزا کی علاوہ بھی بہت بڑی سزائیں۔ اور وہ ہے جھوٹ بولنے کی تربیت دینا۔

ماں باپ کہ جو خاندان کے سرپر ت ہوتے ہیں وہ جھوٹ بولیں تو یہ کوئی معمولی گناہ نہیں ہے بلکہ ہ ت بڑا گناہ ہے اس کے ساتھ بہت بڑا گناہ نم لک ہے اور وہ ہے بچوں کو جھوٹ سکھانا۔ ای ماں باپ نہ صرف گناہ کبیرہ کے مرتب ہوتے ہیں اور انہیں اس کی سزا ملے گی بلکہ وہ اپنے معصوم بچوں کے ساتھ بھی ایک بہت بڑی خیانت کے مرتب ہوتے ہیں۔ جب کہ یہ بچے ان کے پاس اللہ کی لمانت ہیں۔ اور یہ خیانت ان کی م اثرے کے ساتھ بھی ہے۔ ای ماں باپ ن ہیں جو ایک جھوٹے اور فریب کار م اثرے کو وجود دیتے ہیں۔

ہذا جو ماں باپ چاہتے ہیں ان کے بچے بچے ہوں ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ وہ خود را ت گوئی اختیار کریں اور ہنسی اولاد کے لیے بہترین ماحول فراہم کریں اور ان کے لیے نمونہ بنیں۔

ر لکھتا ہے۔ "اگر آپ چاہتے ہیں کہ بچے جھوٹ بولنا نہ سیکھیں تو اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ بڑے پوری توجہ سے ہمیشہ بچوں کے سامنے سچائی

اختیار کریں " (1)

اے کاش ر کہتا کہ بچوں کے سامنے بھی اور ہر کسی کے سامنے بھی سچائی اختیار کریں۔

کیونکہ بچوں کی پاک فطرت ہر جھوٹ سے متاثر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ منفی جھوٹ بھی جا ر ان کے سامنے آشکار ہو جاتے ہیں۔ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "لوگوں کو بزبان کے لچھائی کی طرف دعوت دیں لوگ آپ سے تقویٰ، محبت، نماز، نیکی دیکھیں اور اس طرح اس ان کے لیے ایک نمونہ مہیا ہو جائے" (2)

2۔ بچہ فطری ور پر دروغ گو نہیں ہوتا بلکہ اس کی فطرت اولیہ تقاضا کرتی ہے کہ وہ راستگو ہو۔ اس کے جھوٹ بولنے کے لیے کسی سب کی ضرورت ہے۔ اگر ماں باپ جھوٹ بولنے کے عل و اسباب پہچان لیں اور ان کی روک تھام کریں تو بچہ طبا رات گو ہوگا۔ ایک سب جو بچے کو جھوٹ بولنے پر ابھارتا ہے وہ ماں باپ کی ماریہ اور ڈانڈ کا خطرہ ہے مغللا بچے نے کی کا شیدہ توڑ دیا۔ ماں باپ سے دڑتا ہے کہیں اسے ماریں نہ۔ ہذا جب اس سے پوچھئے کہ شیدہ تم نے توڑا ہے تو جواب دیتا ہے نہیں مجھے بالکہ نہیں پتہ یا پر شیدہ توڑنے کا الزام کسی دوسرے پر لگادیتا ہے۔ مغللا کہتا ہے کہ میں نے دیکھا ہے کہ حسن نے شمشے کو پتہ سر مارا ہے وان ہے کہ اس بچے کے جھوٹ بولنے کی وجہ اس کا ماں باپ سے خوف ہے۔ اگر ماں باپ سبج رار، ہوش مند اور مسرف مزاج ہوں اور بچوں کی تربیت کے لیے انہوں نے صحیح حکمت عملی اپنائی ہو تو ان میں ایسا خوف پیدا نہیں ہوگا کہ جس کی وجہ سے وہ جھوٹ بولیں اور پرتدریجا جھوٹ بولنے کی انہیں عادت

1۔ در تربیت۔ ص 148

2۔ اصول کافی، ج 2، ص 78

پڑ جائے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے شیدہ، سہوا اور بلا ارادہ ٹوٹ گیا ہو۔ اس صورت میں بچہ تنبیہ اور سرزنش کا مستحق نہیں ہے۔ یہ تو نئی دُعا، ماں باپ کے ساتھ بھی پیش آیا ہوگا کہ شیدہ، ان سے نیر ارادی اور پر ٹوٹ گیا ہو اور اس صورت میں انہوں نے اپنے آپ کو مجرم نہیں سمجھا ہوگا۔ پُر بچے کو وہ کیوں مجرم سمجھتے ہیں اور اس پہ کیوں غصہ جھاڑتے ہیں اور اگر شیدہ کم توجہی اور بے احتیاطی کی وجہ سے ٹوٹ گیا ہے تو ماں باپ کو چاہیے کہ نرمی سے اس کو نصیحت کریں۔ اور سمجھائیں اور اس سے کہیں کہ وہ اپنے کاموں میں توجہ اور احتیاط سے کام لے تاکہ اس طرح کے واقعات پیش نہ آئیں۔

اس صورت میں بھی بچہ مایہ اور لامنت کا مستحق نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے وہ خوف زدہ ہو کر جھوٹ کا سہارا لے۔ اور اگر اس نے شیدہ عمدًا توڑا ہے اور اس کے لیے اسی نے سرکشی اور ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا ہے پُر بھی مایہ اور سرزنش مسئلے کا حصہ نہیں ہے۔ کیونکہ مایہ اور ڈاڈا بچے کی تربیت نہیں ہوسکتی۔ اور نہ اس طرح سے اسے خرابیوں اور ضد بازیوں سے روکا جا سکتا ہے۔ اس لیے ماں باپ کو اس امر کی طرف خیال رکھنا چاہیے کہ بچہ فطری اتباد سے شردوت اور بدجنس نہیں ہوتا۔ اس کی شرارت اور ضد کا یقیناً کوئی خارجی سبب موجود ہے۔ لہذا کوشش اور حقیر کرنی چاہیے تاکہ شیدہ توڑنے کا اصد سبب اور وجہ معلوم کی جائے۔ جب سبب دور ہو جائے گا تو پُر اس طرح کے کاموں کی تکرار نہیں ہوگی۔ مثلاً ہو سکتا ہے اس کی تیسر اور توہین کی گئی ہو۔ ہو سکتا ہے اس کی طرف کم توجہ دی جاتی ہو۔ ہو سکتا ہے ماں باپ کی سردمہری کا شکار ہو، ہو سکتا ہے ماں باپ یا کسی اور نے اس پر ظلم کیا ہو۔ ہو سکتا ہے اس سے نیر مساویانہ سلوک برتا گیا ہو۔ ہو سکتا ہے ایسی ن کسی وجہ سے بچے کے اندر ضد اور سرکشی پیدا ہوگئی ہو۔ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ شیدہ اس نفسیاتی کیفیت یا احساس کمتری کی وجہ سے یا دوسروں کی توجہ نہ ہونے کی طرف کرنے کے لیے توڑا ہو یا اب ن کسی سبب سے اس نے کوئی اور غلط کام سرانجام دیا ہو۔ اگر ماں باپ اس کے غلط کام کی نفسیاتی وجہ برطرف کر دیں تو بچہ بھی غلط کام اور سرکشی چھوڑ دے گا تو پُر ڈاڈا بچہ اور مایہ کی ضرورت نہ رہتی ہے۔

جائے گی۔ لہذا یہ موقع پر بھی مایہ اور ڈاڈا

ڈپہ کا خوف نہیں ہوگا کہ بچے کو جس کی وجہ سے جھوٹ بولنا پڑے۔

3_ اگر آپ کو معلوم ہو کہ آپ کے بچے نے کوئی غلط کام کیا ہے اور آپ اس کی راہنمائی کرنا چاہیں تو اس سے اتراف جرم کسر انے کے لیے ایک سخت یر اور بدتمیز پولیس والے کی طرح بازپرس اور سوال نہ کریں ہو سکتا ہے وہ ہنس عزت بچانے کے لیے حقیقت چھپائے اور جھوٹ بولے۔ ایب موع پر بہتر ہے کہ! یر سوال و جواب کے اس سے کہیں مثلاً اسی سے کہیں مجھے معلوم ہے کہ جو کتاب تم اپنے دو ت سے لمانا لے کر آئے تھے ابھی تم نے اسے واپس نہیں کی۔ یہ لچھا نہیں ہے لوگوں کی لمانت مقرر ر موع پر انہیں واپس کرنا چاہے۔ اپنے دو ت کی کتاب نورا سے لوٹا دو اور اس سے مزرت کرو۔

4_ بچہ کو ایسی دھمکی ہرگز نہ دیں کہ جے انجام دیے کا آپ کا ارادہ نہ ہو۔ مثلاً اس سے نہ کہیے کہ تو نے نلان کام کیا۔ تو تجھے مارڈالوں گا یا پیٹوں گا۔ یا پولیس کے حوالے کر دوں گا یا تجھے گر سے نکال دوں گا۔ یا تجھے نلان کے ہاں دعوت پہ سنا نہ لے جاؤں گا کیوں کہ ایسی جھوٹی دھمکیوں سے آپ بچے کہ جھوٹ بولنا سکھائیں۔ آپ کو چاہے کہ بچے سے وں بات کریں جے آپ انجام دینا چاہتے ہیں اور جس کا انجام دینا در ت بھی ہے وں بات کریں جے آپ انجام دینا چاہتے ہیں اور جس کا انجام دینا در ت بھی ہے

5_ جو ماں باپ اپنی اولاد سے سختی کرتے ہیں اور ان کی طاقت اور لاحت سے زیادہ ان سے تو قات رکھتے ہیں ہو سکتا ہے وہ اس طرح سے بچوں کو جھوٹ کی طرف د کیے دیں مثلاً اگر وہ جانتے ہوں کہ ان کا بچہ پڑھنے کی است راہ نہیں رکھتا اور یہ اس سے توقع رکھتے ہوں کہ مبشر بہترین نمبر لے کر آئے بلکہ لاس میں فر آئے ہر روز اس سے پوچھتے رہتے ہوں کہ کتنے نمبر لیے ہیں اور پسر اسے ڈپہ کرتے ہیں۔ بچہ میں چوں کہ یہ است راہ نہیں ہے وہ جتنی بھی کوش کرتا ہے ماں باپ کی توقع کے مطاب نمبر نہیں لا پاتا۔ بچہ چونکہ چاہتا ہے ماں باپ کی خوشنودی حاصل کرے اور ان کی ڈپہ سے ڈرتا ہے تو وہ مجبور ہو جاتا ہے کہ۔ بھسی بھی جھوٹ بولے یا کہے کہ امتحان کے موع پر میرے سر میں درد ہونے لگا تھا۔ میں اچھے طریقے سے امتحان نہیں دے سکا۔

کہتا ہے میرے لاس فیلونے ایسی باتیں کہیں جس سے میرے حواس کھو گئے، یا کہتا ہے استاد کو سے غرضی تھی

اس لیے اس نے مجھے اچھے نمبر نہیں دے۔ یا کہتا ہے آج میں نے پورے سو نمبر لیا آئیں۔ اگر اس بچے کے ماں باپ اس کی
لاحیت اور طاقت کو سب لیتے اور اس سے بے جا توقعات نہ رکھتے تو اسے دروغ گوئی پر آمادہ نہ کرتے اور اس طرح اسے رفتہ-رفتہ
جھوٹ بولنے کی عادت نہ پڑتی۔

6۔ بعض ماں باپ جب اپنے ننھے بچے سے کوئی برا کام دیکھتے ہیں تو اس کو بری ازمنہ قرار دیتے ہیں اور یہ برا کام دوسروں کے ذمے
لگا دیتے ہیں یہاں تک کہ بعض اوقات حیوانات اور جمادات پر الزام دے لیتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ حسن تو لچھا بچہ ہے اس نے یہ کام
نہیں کیا یہ کسی بلی چوہے نے کیا ہے۔ ہمسایہ کے بچے نے کیا ہے۔ یا کسی درخت نے کیا ہے۔ گندی بلی نے کیوں یہ کام کیا۔
ہے؟

یہ نادان ماں باپ اپنے ننھے بچے کو برا کام کرنے کی بات کو کھولنا چاہتے ہیں۔ لیکن
اس کے اخلاقی نقصانات اور بد آموزیوں سے غافل ہیں۔ اسی کام کے دو بڑے نقصانات ہیں۔
ایک طرف تو یہ بچے کو غلط بیانی کی تقلید کرنے کے مترادف ہے اور اسے جھوٹ بولنا سکھاتا ہے۔ دوسری طرف ۱۰۰
یہ بتاتا ہے کہ غلط اور برے کام انجام دے کر انہیں دوسروں کی گردن پر ڈالا جا سکتا ہے۔ اور یہ کام جھوٹ بولنے سے بھی زیادہ برا
ہے اور اس کا نقصان بھی زیادہ ہے۔

اگر اتفاقاً آپ کے بچے جھوٹ بولیں تو کوشش کریں کہ اس کی وجہ معلوم کریں اور اس کے علاج کے درپے ہوں۔ البتہ اس بات پر
زور نہ دیں کہ تحقیر و جستجو سے ان کا جھوٹ بولنا ثابت کیا جائے اور انہیں شرمندہ اور رسوا کیا جائے۔ کیونکہ جھوٹ بولنا اگر ثابت
ہو جائے تو اس کا اس کے سوا کوئی فائدہ نہ ہوگا کہ بچے کو شرمندہ اور رسوا کیا جائے اور الٹا وہ اس سے اور بھی بے باک ہو جائے گا۔
اور اس کی جرات بڑھ جائے گی۔

وفائے ہمد

انسانی زندگی کا نظام عہد و پیمان کے بیخیر نہیں چل سکتا۔ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ قول و قرار کرتے ہیں یہ عہد و پیمان اس لیے ہے جس کے ساتھ خاندان تشکیل پاتا ہے۔ شہروں اور ملکوں کو مہلے ن ایک دوسرے سے مربوط کرتے ہیں۔ لوگ اس قول و قرار کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور یہ ان کی اجتماعی زندگی کی بنیاد ہے۔ وفائے ہمد کا ضروری ہونا ایک فطری چیز ہے اور ہر انسان فطرتاً اس کو سمجھتا ہے اور عہد و پیمان کی خلاف ورزی کو برا اور تہمت سمجھتا ہے۔ ہر شخص جو دوسرے سے عہد و پیمان باندھتا ہے توقع کرتا ہے کہ وہ اس کی پاسداری کرے گا۔ جو گروہ بھی اپنے عہد و مہلے کا وفادار ہوگا ان کا اجتماعی نظام اچھے طریقے سے چلے گا۔ کیوں کہ ان کو ایک دوسرے پر اعتماد اور حسن ن ہوگا۔ وہ نفسیاتی درد پر آرام اور اطمینان سے رہیں گے۔ ان کے درمیان زیادہ لڑائی نہ ہوگی۔ وہ اعصاب کی کمزوریوں اور نفسیاتی پریشانیوں میں کم مبتلا ہوں گے۔ ان کی زندگی سہولت و خوش محنتی سے ہمکنار ہوگی۔ لوگ جس قدر بھی اپنے عہد کے زیادہ وفادار ہوں گے وہ زیادہ سکون و آرام سے زندگی گزار سکیں گے۔ جب کہ اس کے برعکس جن ملک کے لوگ اپنے عہد کے وفادار نہ ہوں اس کا نظم و ضبط درست نہیں ہوگا۔ لوگ باہمی لڑائیں گے۔ گھبرائے ہوئے ہوں گے۔ ان کے درمیان نفسیاتی پریشانیاں، اضطراب اور بے چینی زیادہ ہوگی۔ ایک دوسرے پر اعتماد نہیں کریں گے اور بدگمان رہیں گے۔ ہر شخص یا ہر وہ مہلے کو جو اپنے عہد و پیمان کا پابند ہو دوسروں کے نزدیک عزیز، محترم اور قابل اعتماد ہوگا۔ جب کہ عہد شکن لوگ دوسروں کے نزدیک ذلیل اور گھیا سمجھے

جائیں۔ اسلام کا مہترس دین ایک فطری دین ہے اس میں اس حیات آفرین امر پر بہت تاکید کی گئی ہے۔ اور ایفلائے عہد کو واجب اور ایمان کی نشانیوں میں سے قرار دیا گیا ہے۔ مثال کے ور پر اللہ تالی قرآن حکم میں فرماتا ہے :

" اوفو بالعہد ان العہد کان مسئولا"

اپنے وعدے کو پورا کرو کیوں کہ وعدے کے بارغ میں پوچھا جائے گا۔ (اسراء ، آیہ 34)

اللہ تالی قرآن صیم میں ایک دوسری جہ فرماتا ہے :

والذین ہم لامانائهم و عہدہم راعون

(اور کامیاب مومنین کی ایک نشانی یہ ہے کہ) وہ امانت ادا کرتے ہیں اور عہد کی پاسداری کرتے ہیں۔ (سورہ مومنون۔ آیہ 8)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا:

" لا لہ دین لمن لاعہد"

"جن شخص کا عہد نہیں اس کا دین ن نہیں ہے " (1)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا: جو شخص بھی اللہ اور روز جزا پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنا وعدہ و فہا کرے

(2) حضرت علی علیہ السلام مالک اشتر سے فرماتے ہیں ہیمان شنی سے خدا بھی ناراض ہوتا ہے اور لوگ بھی (3) حضرت علی علیہ السلام

فرماتے ہیں :

1_ بحار ، ج 75 ، ص 96

2_ کافی ، ج 2 ، ص 364

3_ بحار ، ج 77 ، ص 96

جس مقام پر اپنا وعدہ پورا نہیں کر سکتا وہاں وعدہ نہ کر اور جہاں تو ضمانت پوری نہیں کر سکتا وہاں ضامن نہ بن (1)

اس لئے کہ پورے م اثرے میں ایفائے عہد کا احیاء ہو اور وہ لوگوں کی ایک ذمہ داری کے ور پر جانا جائے تو آپ اس اچھے عادت کو قانون فطرت کی خلاف ورزی سمجھیں تاکہ انہیں ایفائے عہد کی عادت پڑے۔ اور وعدہ خلافی کو قانون فطرت کس خلاف ورزی سمجھیں۔ ایفائے عہد کی تربیت بچپن میں اور گر کے ماحول سے شروع کی جانا چاہیے۔ بچہ ماں باپ کی طرف احترام کس نظر سے دیکھتا ہے اور گفتار و کردار میں ان کی تقلید کرتا ہے۔ ماں باپ بچے کے لیے نمونہ ہیں، بچے کا ذہن بہت حساس ہوتا ہے اور بہت چھوٹی چھوٹی چیزوں کی تصویر بھی اس کے ذہن میں نش ہو جاتی ہے۔ وہ ماں باپ کے کاموں کو بہت گہرے نظر سے دیکھتا ہے اور آئندہ کی نزدیکی میں اس سے استفادہ کرتا ہے۔ بچہ اپنی بیعت اور فطرت کے باعث ایفائے عہد کے ضروری ہونے کو سمجھتا ہے جب ماں باپ اس سے وعدہ کرتے ہیں تو اسے ان سے توقع ہوتی ہے کہ وہ اپنے وعدہ پر کریں۔ اگر وہ کریں تو بچہ ایفائے عہد کا عملی درس ان سے حاصل کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ اپنا وعدہ پورا نہ کریں تو اسے دکھ ہوتا ہے اور ماں باپ کو غلط کام کرنے والا سمجھتا ہے۔ جس گر میں ماں باپ اپنے وعدے پر کریں آپس میں اپنے بچوں سے اور دوسرے لوگوں سے وعدہ خلافی نہ کریں اس گر کے بچوں میں بھی ایفائے عہد کی عادت ہوگی۔ جب کہ اس کے برعکس جس گر میں ماں باپ اپنے وعدوں ہر روز ماں باپ کی عہد شکنی کو دیکھتے ہیں ان کی نظر میں ایفائے عہد کی کوئی حیثیت نہیں۔ اور وعدے کو فقط چکر اور فریب دینے کا ہمانہ سمجھتے ہیں۔

اگر ماں باپ خود عہد شکن ہوں اور جھوٹے وعدوں سے بچے کو فریب دیں اور اپنے وعدے پر نہ کریں۔ یا اپنے غلط طرز سے معصوم بچوں کو عہد شکنی کا سبب دیں اور

علاؤ انہیں سمجھائیں کہ انسان اپنے مفادات کے لیے جھوٹے وعدے کر سکتا ہے اور پر انہیں توڑ سکتا ہے جو معصوم اور سادہ بچے اپنے ماں باپ سے سینکڑوں جھوٹ اور وعدہ خلافیاں دیکھتے ہیں۔ کیا ایسے بچوں سے توقع ہوسکتی ہے کہ وہ باوفا ہوں ماں بچے کو چھ کرانے کے لیے اس سے وعدہ وعید کرتی ہے کہ میں تمہارے لیے ٹھائی لاؤں گی آس کریم لے کے دوں گی ، ٹانی کھلاؤں گی۔ پھر کے کے دوں گی جو تانیا خریدوں گی نئے کپڑے لاؤں گی، کونے خریدوں گی ، تمہیں دعوت پر اور سیر پر لے جاؤں گی۔ وعدے وہ بھی صرف اس لیے کرتی ہے کہ بچہ کڑوی دوائی پے لے۔ اس لیے کہ بچہ ڈاکٹر کے پاس اور اڈکشن لگانے والے کے پاس چلا جائے اسے خوشخبریاں دیتی ہے۔ اس سے کہتی ہے اگر تو نے ناں کام کیا تو تجھے پیٹوں گی ، ماڈ ڈالوں گی ، پولیس کے حوالے کر دوں گی۔ گر سے نکال دوں گی۔ تر خانے میں بند کر دوں گی۔ تم سے کوئی بات نہیں کروں گی۔ بچے نہیں دوں گی عید پر تمہارے لیے نئے کپڑے نہیں خریدوں گی۔ تمہیں دعوت پہ نہیں لے جاؤں گی تمہارے او سے شکایت کروں گی اور ایسی سینکڑوں دہمکیاں۔ اگر آپ مختلف خاندانوں اور خود اپنی زندگی پر غور کریں تو دیکھیں۔ کہ ہر روز سادہ لوح بچوں سے کتنے وعدے کیے جاتے ہیں کہ جن میں سے اکثر پر نہیں ہوتا۔ کیا ماں باپ جانتے ہیں کہ ان وعدہ خلافیوں کی بچوں کی حساس روح پر کتنی بیری تاثیر ہوتی ہے اور اس طریقے سے وہ ان کے بارے میں کتنی بڑی خیانت کے مرتب ہوتے ہیں۔ بچہ ماں باپ سے جو ناپسندیدہ دیکھتا ہے۔ سنا ہے وہ اس سے اس قدر متاثر ہوتا ہے کہ اس کے اثرات آخر عمر تک نہیں جاتے۔

خاندان ماں باپ کہ جو وعدہ خلافی کرتے ہیں ایک تو وعدہ خلافی کے گناہ کے مرتب ہوتے ہیں دوسرا وہ ان وعدہ خلافیوں سے اور جھوٹ سے بچے کی بھی تربیت کرتے ہیں کہ جس کا گناہ اور پر عہد شکنی سے بھی بڑا ہے۔ اس وجہ سے اسلام ماں باپ سے کہتا ہے کہ آپ جو وعدہ اپنے بچوں سے کریں اسے حتماً ایفا کریں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم فرماتے ہیں :

بچوں سے پیار کریں ، ان سے مہربانی سے پیش آئیں اور اگر ان سے کوئی وعدہ کریں تو اسے حتماً پورا کریں ۔ بچے یہ خیال کرتے ہیں

کہ آپ ان کو روزی دیتے ہیں" (1) ۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

جب آپ بچوں سے کوئی وعدہ کریں تو اسے حتماً پورا کریں ۔

1_ وسأُ ، ج 15 ، ص 201 ، بحار ج 104 ، 92

2_ مستدرک ج 2 ، ص 606_

ملکیت

ماں سے محبت اتان کی بیعت کا حصہ ہے جن چیزوں کی انسان کو ضرورت ہوتی ہے انہیں ہی ملکیت بنالینا ہے۔ اور اپنے تئیں اس کا مالک سمجھتا ہے۔ دوسروں سے بھی وہ توقع رکھتا ہے کہ اس کی ملکیت کا احترام کریں اور اس کے مزام نہ ہوں۔ ملکیت کسی خواہش انسان کی فطرت میں اس طرح سے، موجود ہے کہ اسے کالا ختم نہیں کیا جاسکتا۔ جد سے بھی اس کا مقابلہ کیا جائے وہ کسی اور صورت میں ظاہر ہو جائے گی۔ ملکیت اگرچہ ایک امر اتباری ہے لیکن ایسا امر اتباری کہ جس نے حقیرت کی صورت اختیار کر رکھی ہے اور انسان کی فطرت میں جاگزیں ہو چکا ہے اور اس کے بنیر انسانی کا نظام چلنا ممکن نہیں ہے۔ جب سے بچہ اپنے آپ کو بچانے لیتا ہے اور اپنے احتیاجات کو سمجھنے لیتا ہے تو اس کا اشیاء سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور اس کا احساس اس کے وجود میں پیرا ہو جاتا ہے۔

بچے کو جو چیز زمین پہ پڑی جائے یا کسی کے ہاتھ سے لے لے وہ اسے اپنے آپ سے منحصر سمجھتا ہے۔ اسے مضبوط سے تھام لیتا ہے اور آسانی سے تیار نہیں ہوتا کہ کسی کو دے دے۔ وہ اپنے جوتے، لباس اور کولونوں کا اپنے آپ کو مالک سمجھتا ہے اور کسی کو اجازت نہیں دیتا کہ ان میں تصرف کرے اور اگر کوئی اجازت کے بنیر انہیں استعمال کرے تو اسے غا اور تھوڑا سمجھتا ہے اور اس کے خلاف قیام کرتا ہے اور لڑتا ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ بچے اپنے کولونوں سے یہاں تک کہ نلیت بنیر اہم سی چیزوں سے کتنی محبت کرتے ہیں اور ان کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کے لیے لڑتے

گرتے ہیں اور یہ ان کا ہے کیوں کہ وہ مالک ہیں اور اپنے کا دفاع کرتے ہیں۔ اگر کوئی اپنے کے حصول کے لیے قیام کرے تو اسے شریک اور غلط نہیں سمجھنا چاہیے۔ احساس ملکیت کوئی غلط چیز نہیں ہے بلکہ ہر انسان کے لیے فطری ہے۔ ماں باپ کو چاہیے کہ بچے کے اس فطری احساس کو قبول کر لیں اور اس کی خلاف ورزی نہ کریں۔

ایسا بہت ہوتا ہے کہ بچے ایک دوسرے کی ملکیت میں تجاوز کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دوسروں کی چیزوں اور رکھناؤں میں تصرف کریں یا انہیں غلط کر لیں ماں باپ کو چاہیے کہ ایسے کاموں کی بچوں کو اجازت نہ دیں۔ کیوں کہ جن میں زیادہ طاقت ہوگی انہیں دوسروں کے حقوق اس طرح غلط کرنے کی عادت پڑ جائے گی۔ اور چھوٹے مظلوم بن جائیں۔ اور ان کے دل اس پر ملول ہوں۔

اگر ماں باپ ایسے امور میں غلطی کی حتمیت کریں تو وہ شریک جرم ہوں۔ اور جو بچہ مظلوم ہوگا ان کے بارے میں بدگمان ہو جائے گا۔ اگر وہ ایسے مسئلے پر چڑھیں تو اپنے سکوت سے بھی وہ زیادتی کرنے والے کے عتاب کی تائید کریں۔ اور اسے تقویٰ کریں۔

اور اس طرح سے وہ بچوں کو تجاوز پر سکوت اور کا دفاع نہ کرنا سکھائیں۔ اور یہ بھی ایک بہت بڑا جرم ہے۔

باپ کو ایسے امور میں دخیل ہونا چاہیے۔ زیادتی کرنے والے بچے کی زیادتی کو روکنا چاہیے اور اسے اجازت نہیں دینا چاہیے کہ وہ طاقت سے کسی دوسرے بچے کے رکھناؤں چھین لے۔ لیکن یہ کام ماریٹ اور گالی گلوچ کے ذریعے نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ شروع میں اچھے انداز سے اور مشفقانہ طریقے سے اسے سمجھائیں کہ یہ چیز تہاں کی ہے یا تہاں بھائی کس ہے۔ اور تہاں ان میں تصرف کا نہیں پہنچنا۔ اور ازاں پوری قاطعیت سے کہیں کہ ہم اجازت نہیں دے سکتے کہ تم ہنی بن یا بھائی کس چیزوں پر زبردستی قبضہ جمالو۔ اور اگر یہ طریقہ بھی موثر نہ ہو تو پتھر اور ڈانڈے سے روکیں اور جس بچے کے ساتھ زیادتی ہوتی ہو اس کی حتمیت کریں یہ صحیح ہے کہ احساس ملکیت کا احترام کیا جانا چاہیے اور جائز حدود میں اس کی حتمیت کی جانا چاہیے لیکن اس بالکل آزاد اور مشروط نہیں چھوڑ دینا چاہیے۔ انسان کی نفسانی خواہشات ہمیشہ بڑھتی رہتی ہیں اور کسی معین حد پر جا کر ٹرتی نہیں۔ اگر ان پر کنٹرول نہ کیا جائے تو انسان کی تباہی اور لالچ کا سبب بن جاتی ہیں۔

اصول ملکیت انسانی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ہے۔ اور ملکیت کے حصول کے لیے کام اور محنت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اور حب مال جائز حدود میں نہ فقط عیہ نہیں ہے بلکہ انسان کے لیے ایک فطری امر شمد ہوتا ہے لیکن اگر ہالک آزادی دے دی جائے تو پر یہ مال پرستی کی صورت اختیار کرے گی۔ ایہ بہت سے لوگ ہیں کہ جو مال و دولت پہ مرے جاتے ہیں۔ بیہر ضرورت کے ش و روز دیوانہ وار اس کے لیے رہتے ہیں، یہاں تک کہ بعض لوگ حصول دولت کے لیے اپنا آرام و راحت و عزت و آبرو، دین و اکرام اور احترام و شرافت پر فردا کر دیتے ہیں ایہ لوگوں کو عقدا مند انسان نہیں سمجھا جا سکتا۔ مال پرستی بھس ایک طرح کا جنون ہے وہ لوگ کہ جنہیں نہ ضرورت ہوتی ہے نہ خود کھاتے ہیں نہ دوسروں کو دیتے ہیں فقط اور فقط جمع کیے جاتے ہیں اور ڈیر لگائے جاتے ہیں ایہ لوگوں کو عات اور خردمند نہیں سمجھا جا سکتا۔

لہذا مال باپ بچے کے احساس ملکیت کے احترام کے ساتھ ساتھ اس کی زیادہ طلبی کی خواش کو بھی روکیں۔ اس کے ک لونے ضرورت کے مطا ہونا چاہئیں۔ زیادہ نہیں۔ بس اتنے کہ ان سے وہ کھس سکے اور کوئی کام سیک سے۔ نہ اتنے کے بس جمع کر رکھے اور دوسرے بچوں کے مقابلے میں خزر کرتا رہے۔ اگر اس کے پاس اتنے ک لونے ہوں کہ اسے ان کی ضرورت نہ ہو اور انہیں اس نے بس جمع کر کے رک چھوڑا ہو تو بہتر یہ ہے کہ مال باپ اسے شوق دلائیں کہ وہ دوسرے بچوں کو دے دے جنہیں ان کس ضرورت نہیں جب کہ دوسرے بچوں کے پاس ک لونے نہیں ہیں او ران کو ضرورت بھی ہے۔ منا نہیں ہے کہ تم ان کا ذخیرہ کر رکھو اور دوسروں کو نہ دو۔ جن ک لونوں کی ہیں ضرورت نہیں ہے وہ دوسرے ضرورت مند بچوں کو دے دو۔ وہ خوش ہوں۔ خرا بھی خوش ہوگا او رمال باپ بھی۔ بچہ چون کہ صاف ذن ہوتا ہے اور فطری ور پر خیر خواہ ہوتا ہے اور اس کی خواش ہوتی ہے کہ۔ مال باپ کی خوشنودی حاصل کرے وہ ان کی بات سنتا ہے اور یوں اس کے اندر جو دو عطا کی ایک پسندیدہ عادت پیدا ہو جائے گی۔ اس صورت میں جب کہ بچے کو ک لونے کی ضرورت نہیں۔

سختوت

جو دو سخت ایک اچھی اور پسندیدہ صفت ہے۔ ایک سنی انسان مال و دولت جمع کرنے میں محنت کرتا ہے لیکن مال سے دل بستگی نہیں رکھتا۔ وہ دولت چاہتا ہے لیکن خرچ کرنے کے لیے دوسروں کو دینے کے لیے۔ وہ مال کو ذخیرہ اندوزی کے لیے جمع نہیں کرتا۔ وہ اپنے خاندان کے ساتھ اچھی زندگی گزارتا ہے اور ناجی کاموں میں شرت بھی کرتا ہے۔ وہ محروم اور بے نوا لوگوں کو کسب و کسب کرتا ہے۔ اب لوگ اپنے مال سے صحیح استفادہ اٹھاتے ہیں۔ جو شخص مال کو جمع کرنے اور ذخیرہ اندوزی کے لیے اٹھا کرتا ہے، خرچ کرنے کے لیے نہیں اس سے نہ وہ خود فائدہ اٹھاتا ہے اور نہ اس کا خاندان۔ نہ ن دل اسے راہ خیر میں خرچ کرنے کو چاہتا ہے۔

ایسا ذخیرہ اندوز شخص ایک ایسا لازم ہے جو! نیر خواش کے مال و ثناء کے لیے اٹھا کرتا ہے۔

اسلام نے سختوت اور سختوت کی تعریف کی ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم فرماتے ہیں:

سختوت ایمان کا حصہ ہے اور ایمان بہشت میں لے جاتا ہے۔⁽¹⁾

نبی اکرم (ص) فرماتے ہیں:

سختوت ایک ایسا شجر بہشت ہے کہ جس کی شاخیں زمین تک پہنچی ہوئی ہیں۔

جس نے بھی ان میں سے کوئی ایک شاخ پکڑ لی وہ اسے جنت تک لے جائے گی۔ (1)

پیغمبر اکرم (ص) فرماتے ہیں: بہشت اہل سخاوت کا گھر ہے۔ (2)

پیغمبر اسلام (ص) فرماتے ہیں: اللہ جو اوور سنی ہے اور وہ سخاوت کو پسند کرتا ہے (3)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم فرماتے ہیں:

"سخاوت وہ درخت ہے کہ جو آتش دوزخ میں لگتا ہے۔ اور نجس لوگ دوزخ میں جائیں گے۔" (4)

پیغمبر اکرم (ص) فرماتے ہیں: "مومن کے لیے منا نہیں کہ وہ سخاوت اور بزدلی ہو۔" (5)

جو دوسرا دلوں اور محبتوں کو انسان کی طرف جذب کر لیتے ہیں، لوگ ایک شنی شخص کو پسند کرتے ہیں اس کا احترام کرتے ہیں اور

اس کی عزت کرتے ہیں۔ جو دوسرا دلوں کو تخریب کیا جا سکتا ہے اور ان پہ حکومت کی جاسکتی ہے۔

پیغمبر اکرم (ص) نے فرمایا: سنی شخص اللہ کے بندوں اور بہشت کے نزدیک ہے اور آتش دوزخ سے دور ہے۔ اور سخاوت انسان خیرا

سے دور ہے اور انسانوں سے بھی دور ہے،

1_ جامع ال اوت ، ج 2، ص 113

2_ جامع ال اوت ، ج 2، ص 114

3_ جامع ال اوت ، ج 2، ص 113

4_ جامع ال اوت ، ج 2، ص 110

5_ جامع ال اوت ، ج 2، ص 111

بہشت سے دور ہے ، لیکن آگ سے نزدیک ہے۔⁽¹⁾

بچہ شخص اپنے اموال سے واجب حقوق ادا نہیں کرتا اور اس وجہ سے بھی وہ عذاب اخروی کا حراسر ہوگا سخاوت انسان کی دنیا و آخرت کو آباد کرتی ہے اور بچہ انسان کی دنیا و آخرت کو تباہ کردیتا ہے جو دو سخا کی بنیاد دیگر تمام اچھی صفات کی طرح سے فطری ہے۔ لیکن اسے پروان چہ ہلانا بہت حد تک ماں باپ کے اختیار میں ہے۔ یہ درت ہے کہ ہر بچہ لیک خاص مزاج رکھتا ہے ، بعض مزاج جوود و عطا کے لیے زیادہ تیار ہوتے ہیں اور بعض بچہ اور نجوسی کے لیے زیادہ تیار ہوتے ہیں۔ لیکن بہر حال ماں باپ کسی تربیت۔ سلا شک بہت اہم اثرات مترتب کرتی ہے۔ ماں باپ اگر ہاندبیر اور داناہوں تو وہ بچہ کے اسباب و عوا کو روک سکتے ہیں اور بچوں کسی بیت میں جوود سخا کی پرورش کر سکتے ہیں۔

جو چیز ان میں سے زیادہ اثر رکھتی ہے وہ ماں باپ کا کردار ہے۔ ماں باپ بچے کے لیے نمونہ اور سرمش ہیں۔ اگر ماں باپ سنی ہوں خود خرچ کرنے والے ہوں اور نیک کاموں میں شرت کرنے والے ہوں تو ان کے بچے بھی ماں باپ کا کردار دیکھیں سے اور ان کی تقلید کریں۔ او ررفنہ رفته ان کے ندر بھی اس کی عادت پڑ جائے گی۔ اس کے برعس اگر وارین بچہ اور نجوس ہوں تو ان کے بچے بھی زیادہ تر انہیں کا نمونہ اپنائیں۔ اور نجوسی کے عادی بن جائیں۔ اخلاق کو پروان چڑھانے میں عاوت بہت کردار ادا کرتی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: "اپنے زنس کو بچہ کا عادی بناؤ اور ہر خلا میں سے بہتر کا انتخاب کرو کیونکہ خوبی عادت کی شکا اختیار کر لیتی ہے۔"⁽²⁾ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: "سخاوت اچھی عادتوں میں سے ہے" ⁽³⁾

1_ مہجۃ البیضاء ، ج 3 ، ص 248

2_ بحار، ج 77 ، ص 213

3_ غرر اکم ، ص 17

حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"ان کی گنہ گاری کے لیے یہی کافی ہے وہ اپنے خاندان کے لیے خرچ نہ کرے اور اسے محروم رکھے" (1)

ماں باپ بچے میں سخاوت اور بخشش کے جذبے کو فروغ دینے کے لیے مندرجہ ذیل طریقوں سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

1۔ بچوں سے کہیں کہ جو چیزوں ان کی ہیں ان میں سے کچھ ماں باپ کو یا بھی بھائی کو دے دیں اور جب ایسا کریں تو ان کی تعریف و ستائش کریں۔ اور ان کا شکریہ ادا کریں تاکہ آہستہ آہستہ انہیں سخاوت کی عادت پڑ جائے۔ البتہ اس امر کی طرف توجہ رکھیں کہ۔ ممکن ہے شروع شروع میں یہ بچوں کے لیے مشکل ہو۔ لہذا یہ علم بھی اور کم مترار میں ہونا چاہیے۔ اور اس میں زبردستی بھی نہ کی جائے کہیں الہ نتیجہ نہ لکھا آئے اور بچے سرکشی نہ کرنے لگیں۔

2۔ بھی بھی بچوں سے کہیں کہ وہ اجازت دیں کہ ان کے کونوں سے دوسرے بچے کھیلیں۔ اسی طرح انہیں نصیحت کریں کہ ان کے پاس جو کھانے کی چیزیں ہیں وہ اپنے دوستوں اور ہم جولیوں کو دیں اور اس امر پر ان کو شاباش بھی دیں۔

3۔ بھی بھی انہیں نصیحت کریں کہ وہ اپنے جیب خرچ میں سے پھر غریب لوگوں کو دیں۔ یا کسی کار خیر میں صرف کریں۔ اور اگر یہ کام ایک دائی شکر اختیار کرے تو اس کا اثر بہتر ہوگا۔

4۔ اپنے بچوں سے کہیں کہ وہ اپنے دوستوں کی گھر پہ دعوت کریں اور پھر ان کی خاطر تواضع کریں۔

5۔ آپ ہر روز پھر بچے کو دے سکتے ہیں کہ وہ کسی غریب کو دے یا کار خیر میں صرف کرے۔

6_ غریب لوگوں کی مشکلات اور ان کی زندگی کی دشواریوں کو بچوں سے بیان کریں ممکن ہو تو انہیں اپنے ہمراہ ہسپتال ، یتیم خانوں اور غریب مین اور گروں میں لے جائیں اور ان کی موجودگی میں ضرورت مندوں کی مدد کریں۔

اس طریقے سے آپ بچوں کے احساسات کو تحریک کر سکتے ہیں اور ان کی بیعت میں سخاوت کا جذبہ پیدا کر سکتے ہیں تاکہ آہستہ آہستہ وہ قوی ہو جائے اور ایک عادت اور اخلاق کی شکا اختیار کرے البتہ ہم اس بات کے مدعی نہیں ہیں کہ اس طرح کے کام بچوں پر سو فیصد کامیاب اثر ڈالیں۔ اور کے اندر جو دوسرا جذبہ پیدا کر دیں۔ آپ کو بھی روشن امید نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ ہر شخص کی ایک خاص استعداد ہوتی ہے اور خصوصی مزاج ہوتا ہے کہ شاید جب انہوں نے ماں باپ سے پابزرگوں سے درمیان پایا ہو۔ لیکن یہ دعویٰ یقیناً کیا جا سکتا ہے کہ بچوں کے لیے ماں باپ کی تربیت اور کوشش بے اثر نہیں رہے گی۔ اور پانچ۔ ان پر ضرور اثر کرے گی۔ کا نتیجہ نہ بھی ملے تو بھی بے نتیجہ تو نہیں رہے گی۔ ایک خاتون اپنے ایک خطر میں لکھتی ہے :

... ایک پر فضا مقام پر ہمارا ایک باغ تھا اس میں مختلف قسم کے پھل تھے امی اور ہماری دادی اماں پھل حاجت مندوں کو دیتی تھیں۔ جو خدمت گزار ہوتے ان پر ان کی خصوصی عنایت ہوتی تھی۔ اور یہ کام وہ میرے ذریعے سے انجام دیا کرتی تھیں۔ پانچ ، سات سال کی عمر سے مجھے اس کام کی عادت پڑ گئی ، گاؤں میں دو ناہننا خاندان تھے۔ میرا دل ان کی حالت پر بہت کڑھتا تھا۔ ہر روز جب میں ان کے گھر جاتی ان کا ہاتھ پکڑتی ، کمرے سے انہیں صحن میں لے آتی اور پھر صحن سے انہیں کمرے میں لے جاتی اور چشمے سے ان کے برتن بھی کر ان کے کمرے میں رکھ دیتی وہ میرے لیے دعا کرتے جب میں نے یہ بات اپنی امی کو بتائی وہ بہت خوش ہوئے۔ میرے ایلو نے یہ شعر پڑھا

شکر خدای کن کہ مونہ شدی بہ خیر
ز نام و فہ خود نہ معراشتت

میری امی نے کہا جو نابینا ہو جائے وہ واقاً ن مست ہے ۔

وہ ہمیشہ اپنے کاموں میں مجھے تشویق کرتے ۔ میں اپنا جیب خرچ جمع کرتی اور فقرا کو دے دیتی آہستہ آہستہ اس کام کی مجھے عادت ہو گئی ۔ اس وقت میں سماجی خدمت کے ایک ادارے میں ام کرتی ہوں اور چودہ خاندانوں کی سرپرستی کر رہی ہوں ۔

میرے طرز علم نے میرے بچے پر بھی اچھا اثر کیا ہے ایک دن کہنے لگا کہ ہر روز مجھے پ دیا کریں مس نے کہا کیا کروں ؟ او کتنے بچے کہنے لگا ہر روز دو روپے مین چاہتا ہوں جمع کروں ہر روز میں اسے دو روپے دے دیتی ہوں ۔ اور کہتی دعتن رکھنا فضول خرچی نہ کرنا ۔ چند دنوں ! ر وہ اپنا گلا لے آیا اس میں اڑتالیس روپے تھے کہنے لگا امی مجھے اجازت دیں یہ بچے میں لان نابینا کرو دے آؤں وہ ہمدے سکول کے راستے میں رہتا ہے ۔ مجھے بے حد خوشی ہوئی اور میں نے بے اختیار اس کو چوم لیا ۔

نیک کا دل میں تعاون

بعض کا خصوصاً اہم اور بڑے کام اکیلا شخص نہیں کر سکتا۔ البتہ دوسروں کے تعاون اور ہمکاری سے اہم اور بڑے کام انجام دے جاسکتے ہیں۔ اگر انسان اکیلا اور تنہا کام کرنا چاہے تو بہت سے اہم اور نہایت مفید کام کرنے سے محروم رہ جائے گا اور وہ کام پڑے رہ جائیں۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص تنہا سماجی بھلائی کا کوئی اورہ بنا سکے مثلاً ہسپتال، شہ-فاخانہ، سکول، مہر، یتیم خانہ، لائبریری اور تربیت گاہ و غیرہ۔ بلکہ بیشتر اوقات اکیلا شخص کسی ایسے ادارے کا نظام بھی نہیں چلا سکتا۔ البتہ دوسروں کے تعاون اور مدد سے ایسے اور زیادہ اہم کام انجام دے جاسکتے ہیں۔ کسی قوم میں امداد باہمی اور "ج" کر کام کرنے کا جذبہ۔ جتنی ترقی ہو گا اتنا ان کا اجتماعی امور کا نظام بہتر چل سکے گا۔

اس ابتداء سے دین اسلام ایک کا اجتماعی نظام ہے کہ جو لوگوں کو باہمی اور پر ایک دوسرے سے تعاون کی دعوت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے۔

"تعاونوا علی البر و التقوی ولا تعاونوا علی الاثم و العداوان"

"ایک دوسرے سے بھلائی اور پرہیزگاری کے کاموں میں تعاون کریں اور گناہ اور سرکشی کے کاموں میں تعاون نہ کریں" (1)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

" کے قیام کے لیے تاون کرنا امانت اور دیانت ہے " (1)

تاون اور ہمکاری کا جذبہ بچپن سے ہی پیدا ہونا چاہیے۔ خوش قسمتی سے انسان فطری طور پر مہاشرتی مزاج رکھتا ہے۔ لیکن اس سے صحیح طریقے سے استفادہ کرنا چاہیے جو ماں باپ اپنے بچوں کی تربیت کے خواہش مند ہیں وہ مختلف طریقوں سے بچوں کے اندر سے یہاں تک کہ منہ کھلیوں سے تاون اور ہمکاری کا جذبہ پیدا کر سکتے ہیں اور ان کی توجہ امور خیر کی طرف جذب کر سکتے ہیں اور اس خداداد فطرت کو پروان چڑھا سکتے ہیں۔ مثلاً بچوں کے لیے منہ کھلنے خرید کر ان کو باہم * جب کر ایسا ہسپال یا سکول یا پڑھانے کی دعوت دین بچوں کے لیے وہ ایک مشترک گلا بنا سکتے ہیں اور ان سے کر سکتے ہیں کہ اپنے جیب خرچ میں سے پانچ پے لے میں ڈالیں۔ پانچ عرصہ بر نکالیں اور ماں باپ کی نگرانی میں امور خیر میں صرف کریں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے وہ پیسوں سے بچھ۔ یا ٹھائی خریدیں اور ماں باپ سے * کر یا تنہا بیماروں کی عیادت کے لیے جائیں۔ وہ غریب لوگوں کی مدد بھی کر سکتے ہیں۔ ماں باپ انہیں پانچ دے سکتے ہیں تاکہ وہ طے شدہ طریقے سے یا بھی کسی اور امور خیر کے ادارے کو دیں یا کسی عمومی کنسٹریکشن خانے کے لیے کتاب خریدیں، بچوں کو یہ تجویز بھی دی جاسکتی ہے کہ وہ خود سے ایک کمیٹی بنائیں اور اس کی میٹنگ کریں اور کسی اچھے کام کے لیے کوٹھ کریں۔ اور اس سلسلے میں ان کی مدد کی جاسکتی ہے۔

اگر ماں باپ سماجی خدمت کے کسی ادارے میں شرت کرتے ہوں تو اپنے بچوں کو بھی ان میں شریک کر سکتے ہیں اور پانچ رقم ان کے حوالے کر سکتے ہیں کہ وہ خود سے اس ادارے کو دیں اور اس کے باقاعدہ ممبر بن جائیں۔

انسان دوستی اور نپے

لوگ اللہ کے بندے ہیں۔ کا ماں باپ ایک ہے اور دراصل ہر انسان ایک خاندان کا فرد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا ہے اور انہیں پسند کرتا ہے۔ ہر کسی کو روزی دیتا ہے ان کی ضروریات کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور پر انہیں ان کے اختیار میں دیا ہے۔ عتق اور طاقت دی ہے تاکہ اللہ کی نعمت سے استفادہ کریں۔ اللہ نے ان کی روح کو کمال تک پہنچانے اور ان کی اخروی سے۔ اوت کی طرف بھی توجہ فرمائی ہے ان کی ہدایت کا سلمان بھی فراہم کیا ہے ان کی ہدایت و راہنمائی کے لیے انبیاء کو بھیجا ہے۔ امور اور دنی رہبروں کو مامور کیا ہے تاکہ وہ انسانوں کی سے اوت اور انہیں کمال تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ یہ اس لیے ہے کہ اللہ۔ اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے اور کی بھلائی اور سے اوت کا آرزومند ہے۔ اس نے انسانوں سے چاہا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ہمدرد، مہربان، خیر خواہ خوں اور ایک دوسرے کے لیے سودمند بنیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کریں اور ایک دوسرے کسی ضروریات پوری کریں۔ مشلوں اور مصیبتوں میں ایک دوسرے کی فریاد کو پہنچیں۔ انسانوں کے خدمت گزار بنیں اور کسے فائدے کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ انسان کی خدمت گزار اور خیر خواہ اللہ کے خاص بندے ہوتے ہیں اور بلند مرتبے کے حامل ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے بہت زیادہ جزا مقرر کی گئی ہے۔ دین اسلام کہ جو ایک مہتمم اجتماعی نظام ہے اس نے اس بارے میں توجہ دی ہے اور ان امور کو کی ذمہ داری قرار دیا ہے۔

پیغمبر اسلام (ص) نے فرمایا:

" بندے اللہ کا رزق کھاتے ہیں _ پس انسانوں میں سے اللہ کے نزدیک محبوب ترین وہ ہے جو انسانوں کو فائدہ پہنچائے یا کسی خاندان کو خوش کرے " (1) _

امام صادق (ع) نے فرمایا: "خدا فرماتا ہے کہ لوگ میرا رزق کھاتے ہیں اور بندوں میں سے میرے نزدیک محبوب ترین وہ ہے کہ جو میرے بندوں کے لیے زیادہ ہمدرد ہو اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے زیادہ کوشش کرے " (2) _

رسول خدا سے پوچھا گیا: کہ لوگوں میں سے اللہ کے نزدیک محبوب ترین کون ہے، آپ نے فرمایا: وہ کہ جو لوگوں کے لیے - سے زیادہ فائدہ رساں ہو _ (3) پیغمبر اکرم (ص) نے فرمایا: دین کے بارے سے اہم دہائی لوگوں سے محبت اور نیکی ہے ہر کسی سے اگر چہ۔ وہ لچھا ہو یا برا ہو _ (4)

پیغمبر اسلام (ص) نے فرمایا: " من اصبح و لم یهتم بامور المسلمین فلیس بمسلم: "

جو مہمان کے امور کے اصلاح کی فکر میں نہ ہو وہ مہمان نہیں ہے " (5)

حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا:

1_ بحار، ج 74، ص 317

2_ بحار، ج 74، ص 337

3_ بحار، ج 74، ص 339

4_ بحار، ج 74، ص 392

5_ بحار، ج 74، ص 337

اللہ کے خاص بندے وہ ہیں کہ لوگ اپنی ضروریات کے وقت ان کی پناہ میں آئیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو قیامت میں اللہ کی امان میں ہوں۔ (1)

رسول اکرم (ص) نے فرمایا: "جو شخص کسی مہمان کی فریاد سے اور اس کا جواب نہ دے وہ مہمان نہیں ہے" (2)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا: "اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اور وہ مہربان لوگوں کو دوت رکھتا ہے" (2)

پیغمبر اکرم اور اہل اطہار (ع) سے ایسی سینکڑوں احادیث مروی ہیں کہ جو حدیث کی کتاب میں موجود ہیں۔

شارع مدرس اسلام نے ایک وسیع نظر سے پورے انسانی مہربانوں کو اور باخصوص ایمان کے مہربانوں کو ایک کائی کے ور پر جاننا ہے اور اپنے پیروکاروں سے خواہ اس کی ہے کہ وہ کی بھلائی اور سہادت کی کوشش کریں اور کے خیر خواہ بنیں۔ اسلام سوس فیصد ایک مہربان دین ہے اور وہ افراد کی بھلائی کو مہربانوں کی بھلائی سمجھتا ہے اور وہ ہر طرح کی خود غرضی کے خلاف جہاد کرتا ہے۔ ایک مہمان اور دیندار شخص خود غرض نہیں ہو سکتا اور یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ دوسروں کے مفادات کو نظر انداز کر دے۔

انسان دوستی ایک بہت ممتاز انسانی صفت ہے اور یہ انسان کے مزاج میں داخل ہے البتہ تربیت کے ذریعے سے اسے کمال تک پہنچایا جا سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ختم بھی ہو جائے۔ یہ عادت بھی تمام پسندیدہ انسانی صفات کے مانند ہے کہ جس کی بنیاد بچپن میں رکھی جانا چاہیے۔ ماں باپ کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو انسان دوت مہربان اور خیر خواہ

1_ بحار، ج 74، ص 318

2_ بحار، ج 74، ص 339

3_ بحار، ج 74، ص 394

بنائیں۔ اگر ماں باپ خود مہربان اور خیر خواہ ہوں اور خیر خواہ کے آثار ان کی گفتار و کردار میں نظر آئیں تو وہ اپنے بچوں کو بھی مہربان اور انسان دوستانہ بنا سکتے ہیں۔

فرض شناس اور آگاہ ماں باپ بھی بھی اپنے بچوں کے سامنے ان کی حالت بیان کر سکتے ہیں جو محتاج ہوں، غریب ہوں، ناتوان ہوں اور ممکن ہو تو ایسے لوگوں سے انہیں ملوا بھی سکتے ہیں اور بچوں سے کہہ سکتے ہیں یہ انسان ہیں اور ہمارے بھائی ہیں۔ ان کے حقوق پامان کیے گئے ہیں یہ محروم و بے نوا ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ان کا دفاع کریں اور ان کے پامان شدہ حقوق انہیں واپس دلوائیں اور اب وقتی در پر جو ہمارے بس میں ہے ان کی مدد کریں۔ وہ بچوں کی موجودگی میں بلکہ خود بچوں کے ذریعے سے ایسے افراد کی مدد کریں۔ ماں باپ بھی بھی ظالموں کے ظلم اور مظلوموں کی غم ناک حالت بچوں سے بیان کریں نیز ایک مسلمان انسان کی اس بارے میں ذمہ داری بھی انہیں بتائیں۔ وہ بچوں کو ہسپتال اور شفاخانوں میں بھی لے جا سکتے ہیں اور محتاج بیماروں کو انہیں دکھا سکتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں اسلام ذمہ داریاں انہیں بیان کر سکتے ہیں اور اپنی طاقت کے مطابق ان کی مدد بھی کر سکتے ہیں۔ نئے پیٹیم بچے کہ جن کے سر پر کوئی نہ ہو کی حالت بھی وہ بچوں کے سامنے بیان کر سکتے ہیں اور ممکن ہو تو ان سے ملوا بھی سکتے ہیں۔ اور بچوں کو بتا سکتے ہیں کہ ان کی حمایت اور مدد کس قدر ضروری ہے۔

عدل و مساوات

چند افراد پر مشتمل خاندان ایک چھوٹے سے ملک کی طرح ہے اور ماں باپ اس چوٹے سے ملک کو چلاتے ہیں۔ جیسے ایک ملک کا بچہ۔ نظام عدل و مساوات کے بنیہ ممکن نہیں ایک گھر کے نظام کے لیے بھی عدل و مساوات ضروری ہے۔ صاف دلی اور خلوص، محبت و امانت، اہتمام و حسن ان، آرام و راحت، عدل و مساوات کے ماحول میں ناسیر آسکتی ہے۔ ایسا ماحول میں صحیح بچے پرورش پاسکتے ہیں اور انکی داخلی لاجبیتیں نکال سکتی ہیں اور وہ ماں باپ سے عملی ور پر عدل و مساوات کا درس لے سکتے ہیں۔ جیسے بڑے عدل و انصاف کے احتیاج مند ہیں ایسا ماحول بھی عدل و مساوات کے پیاسے ہیں۔

حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

ایک پیاسے انسان کے لیے جیسے ٹھنڈا اور اچھا پانی بہت اچھا لتا ہے اس سے کہیں زیادہ لوگوں کے لیے عدل و انصاف کا ذائقہ شیرین تر اور عمدہ تر ہوتا ہے۔ کاموں کو چلانے کے لیے اگرچہ کوئی چھوٹا سا کام ناس کیوں نہ ہو عدل سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔⁽¹⁾

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

تین طرح کے لوگ قیامت میں خدا کے قریب ترین ہوں۔

اول۔ وہ کو جو غصے کے عام میں اپنے ماتحتوں پہ ستم نہ کرے۔
 دوم۔ کہ جو دو افراد میں صلح کے لے ان کے پاس آئے جائے لیکن کی ذرا بھی خلاف ورزی نہ کرے۔
 سوم۔ کہے اگر چہ خود اس کے اپنے نقصان میں ہو " (1) اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:

"انّ الله يامر بالعدل و الاحسان"

"اللہ عدل اور رنکی کا حکم دیتا ہے" (2)

عادل اور منصف ماں باپ چوں سے ایک جیسا سلوک کرتے ہیں۔ اور کسی کو دوسرے پر ترجیح نہیں دیتے، بیٹس ہو یا بیٹا۔
 خوبصورت ہو یا بدشک، بڑا ہو یا چھوٹا، لاجت ہو یا کم استرا، جسمانی ور پر سام ہو یا نیر سام کو اپنی اولاد سمجھتے ہیں اور
 ان کے درمیان تفاوت کے قائم نہیں ہوتے، مہربانی، اظہار محبت، پیار، احترام، کھانے پینے لباس، جیہ خرچ، گر میں کاموں
 کی تقسیم اور زندگی کے باقی تمام امور میں بچوں کو برابر سمجھتے ہیں اور سے ایک طرح کا سلوک کرتے ہیں۔
 پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عدم موجودگی میں بھی اپنی اولاد میں عدل کو ملحوظ رکھیں۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ۔
 ہماری اولاد تم سے احسان، محبت اور عدالت کے ساتھ آئے تو وہ بھی تم سے اسی بات کی توقع رکھتے ہیں (3)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ جو اپنے ایک بچے سے پیار کر رہا تھا اور دوسرے سے نہیں تو آپ نے
 اس سے فرمایا:

1۔ بحار، ج 75، ص 33

2۔ سورہ نحا، آیہ 90

3۔ مکالم الاخلاق، ج، ص 252

تم عدل و مساوات کا خیال کیوں نہیں رکھتے (1) ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ اس کا بنا ہاں پر آگیا۔ اس شخص نے اپنے پیٹے کو چوم کر اپنے زانو پر بٹھا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی بیٹی آئی تو اس شخص نے بیٹی کو اپنے سامنے بٹھا لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس سے فرمایا:

تم نے اپنی اولاد کے درمیان عدالت کو برابری کا لحاظ کیوں نہیں رکھا (2)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: عدالت و مساوات کی پاسداری بہترین سیاست ہے (3)

ایک عورت اپنے دو چھوٹے بچوں کے ہمراہ زوجہ رسول حضرت عائشہ کے پاس آئی۔ حضرت عائشہ نے اس عورت کو تین کھجوریں دیں۔ ان بچوں کی ماں نے ہر بچے کو ایک ایک کھجور دے دی۔ پھر تیسری کھجور کے بھی دو حصے کر کے آدھی آدھی دونوں کو دے دی۔ جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے انہیں واقف سنا لیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

کیا تجھے اس عورت کے پر حیرت ہوئی ہے؟ اللہ عدالت و مساوات کا خیال رکھنے کی بناء پر اس عورت کو جدت میں داخل کرے گا (4) اگر ماں باپ اپنی اولاد کے ساتھ عادلانہ برتاؤ کے بجائے امتیازی طرز کا مظاہرہ کریں اور ایک کو دوسرے پر ترجیح

دیں تو ان بچوں پر اخلاقی لحاظ سے ناقابل تلافی برے اثرات پڑیں گے۔ مثلاً

1۔ گھر کے ماحول میں بچے عملی طور پر ماں باپ سے ناانصافی کا سبق سیکھیں اور

1۔ مکالم الاطلاق، ج 1، ص 252

2۔ مجمع الزوائد، ج 8، ص 156

3۔ عزراکم ص 64

4۔ سنن ابن ماجہ، ج 2، ص 1210

رفتہ رفتہ اس کے عدی ہو جائیں۔

2۔ جن بچوں سے نا انصافی کی گئی ہو ماں باپ کے بارے میں ان کے دل میں کینہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے وہ کسی ردء کا مظاہرہ کریں اور نا فرمانی و سرکشی پر اتر آئیں

3۔ نیر عادلانہ سلوک سے بن بھائیوں کے درمیان حسد اور دشمنی پیدا ہو جائے گی اور وہ ہمیشہ لڑتے۔ گڑتے رہیں۔ سے ممکن ہے وہ کسی سخت ردء کا اظہار کریں اور کسی مسئلے پر شرارت اور زیادتی کے مرتب ہوں

4۔ وہ بچے جن سے نا انصافی کی گئی ہے، احساس محرومی و مظلومی کا شکار ہو جاتے ہیں اور بات ان کے دل میں بیٹھ جاتی ہے۔ ممکن ہے یہی بات ان کی پریشانی، اضطراب، بے چینی، اعصاب کی کمزوری اور مزہد نفسیاتی بیماریوں کا باعث بن جائے۔ ان تمام قباحتوں کے ذمہ دار وہ ماں باپ ہیں جنہوں نے عدل و مساوات کے لازمی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے فریق رو رکھا۔ ہو۔

البتہ ماں باپ اپنی تمام اولاد کے ساتھ ایک جیسا سلوک نہیں کر سکتے۔ محض عمر میں بچوں کی ضروریات مختلف ہوتی ہیں۔ مختلف ادوار اور مختلف جنس ہونے کے اعتبار سے بھی ان کی ضروریات ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ عدل و مساوات کا قانون بھی ایسا موافق نہیں ہے۔ جیسے سلوک کا تقاضا نہیں کرتا۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ بڑے بچے کو گود میں لیا جائے اور اس سے دودھ پیتے بچے کو کس طرح پیلا کر لیا جائے؟ اسی طرح کیا ہو سکتا ہے کہ تین سالہ بچے کو اتنا دیا جائے جتنا اٹھارہ سالہ بچے کو دیا جاتا ہے؟ کیا بیٹی بھی بیٹے کی طرح آزادی سے آنے جانے اور ملنے جلنے کا رکتی ہے عدالت و مساوات بھی اس بات کا تقاضا نہیں کرتی اور ہم بھی اس بات کا مشورہ نہیں دیتے۔ بہر حال ماں باپ کو چاہیے کہ وہ پوری طرح سے عقیدت و تدبیر کے ساتھ ایسا سلوک کا انتخاب کریں کہ جس سے ان کے بچے نا انصافی کا احساس نہ کریں یہ بات حسد کی محبت میں بیان کی گئی ہے اس لئے اس کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

ایک صاحب اپنی یادداشتوں میں لکھتے ہیں:

... .. بچپن کی یہ یاد تو بہت تلخ ہے کہ جے میں فراموش نہیں کر سکتا۔ ابو میرے اور بھائی کے درمیان فسرق روار کھتے تھے۔ اس کی پوری خواہشوں پر کرتے اور میری طرف اتنا نہ کرتے۔ اس کا احترام کرتے اور میری توہین کرتے۔ اسے جے سے زیادہ پیدا کرتے اور اس پر نواز نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابو اور بھائی مجھے بہت برے لنے۔ میرا دل چاہتا کہ اس نیر انسانی سلوک پر ابو سے بدلہ لوں لیکن یہ کام میرے بس میں نہ تھا۔ پریشانی کے مارے ہر وقت میں تنہا تنہا رہتا۔ مہمان خانے میں چلا جاتا۔ دیواروں میں کہیں تھوکتا اور انہیں خراب کر کے رہتا۔ شمش تُوڑ دیتا۔ اور کیا کرتا؟ پ اور کر نہیں سکتا تھا۔ لیکن اِسو کو اس بات کا خیال بھی نہ تھا اور انہیں ہرگز پتہ نہ تھا کہ میں یہ نقصان ان کو پہنچا رہا ہوں۔

ایک خاتون ہنی ڈائری میں لکھتی ہیں:

... ہمارے قریبی عزیزوں میں سے ایک خاتون کو دو بیٹیاں تھیں۔ ایک زیادہ لاء تھی اور دوسری پ کم۔ دونوں سکول جاتیں۔ بڑی بیٹی جو زیادہ لاء تھی اور دوسری پ کم۔ دونوں سکول جاتیں۔ بڑی بیٹی جو زیادہ با لاحتیت نہ تھی کم نمبر لاتی اور چھوٹی زیادہ نمبر لاتی۔ ماں جس کے پاس بھی بیٹھتی چھوٹی کی تعریف کرتی رہتی اور بڑی کو برا کھلا کہتی۔ چھوٹی کو زیادہ نوازتی، شاباش کہتی اور بڑی سے کہتی تہاے سر میں خاک کیا فضول پئی ہو۔ عہ حرام کرتی ہو اور سب یاد نہیں کرتی ہو۔ کھانا کھانے اور لباس پہننے کا نہیں کیا فائدہ۔ بد سخت، ست آخر کیا ہوگی،

ون بڑی بیٹی اب شادی شدہ ہے۔ اس کے چند بچے ہیں۔ وہ ایک معمول کی خاتون نہیں ہے۔ بیماری لگتی ہے۔ اس کمتری کا شکار ہے۔ او رڈری ڈری رہتی ہے۔ کسی دعوت میں ہو تو کونے میں جا بیٹھتی ہے اور بات نہیں کرتی۔ جب میں اس سے کہتی ہوں تو تم بھی پ کہو۔ تو آہ برتی ہے۔ کہتی ہے کیا کہوں اس کی شادی سے پہلے کی بات ہے کہ میں ایک مرتبہ اس سے اعصاب کے ڈاکٹر کے پاس لے گئی۔

ڈاکٹر نے مانہ اور اس سے گفتگو کے بار کہا یہ صاحبہ مریض نہیں ہے بلکہ اس کے ماں باپ مریض ہیں جنہوں نے اس بے گناہ بیٹی کو ان دنوں تک پہنچایا ہے۔

ایک دن ڈاکٹر نے اس سے پوچھا کہ کھانا پکالیتی ہو وہ رونے لگی اور اس نے کہا پکالیتی ہوں لیکن جب بھی کھانا پکاتی ہوں تو اُمس اِسو پر واہ نہیں کرتے کہتے ہیں ماشاء اللہ اس کی بہن خوب کھانا پکاتی ہے۔

بچوں کا احترام

بچہ بھی ایک انسان ہوتا ہے اور ہر انسان کو اپنے آپ سے محبت ہوتی ہے۔ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ دوسرے اس کی قدر کر جائیں اور اس کا احترام کریں۔ دوسرے جب اس کا احترام کرتے ہیں تو وہ اسے اپنی بڑائی سمجھتا ہے اور اسے ایک طرح کس قدر دانی سمجھتا ہے۔ جن ماں باپ کو اپنی اولاد سے محبت سے انہیں چاہیے کہ ہمیشہ ان کا احترام ملحوظ رکھیں اور ان کے وجود کو اہمیت دیں۔ بچے کی تربیت میں اس کا احترام اہم عوا میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ جس بچے کو عزت و احترام میسر ہو وہ بزرگوار، شریف اور باوقار بنتا ہے۔ اور اپنے مقام کی حفاظت کے لیے برے کاموں سے بچتا ہے۔ وہ کوشش کرتا ہے کہ اچھے اچھے کام کر کے دوسروں کی نظر میں اپنے مقام کو اور بھی بڑھائے تاکہ اس کی زیادہ سے زیادہ عزت کی جائے۔ جس بچے کا ماں باپ احترام کرتے ہوں وہ اپنے میں ان کی تقلید کرتا ہے اور ماں باپ کا اور دوسرے لوگوں کا احترام کرتا ہے۔ بچہ ایک چھوٹا سا انسان ہے اسے اپنی شخصیت سے پوری محبت ہے۔ توہین اور حقیر سے آزرده خاطر ہو جاتا ہے۔ ماں باپ جس بچے کی توہین و حقیر کرتے ہوں اس کے دل میں ان کے بارے میں کینہ پیدا ہو جاتا ہے اور جر یا بدیر و ہ سرکش اور نافرمان بن جاتا ہے اور ان سے انتقام لیتا ہے۔ نادان ماں باپ کہ بد قسمتی سے جن کی تراکم نہیں سمجھتے ہیں کہ بچوں کا احترام ان کی تربیت کے منافی ہے۔ ماں باپ کے شایان شان نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر ہم نے بچے کا احترام کیا تو وہ بگڑ جائے گا۔ اور پھر ہماری احترام نہیں کرے گا۔ وہ بچوں سے بے اتنائی

اور ان کی بی احترامی کو ان کی تربیت کا ذریعہ شمار کرتے ہیں اس طرح وہ ان کی شخصیت کو بچا دیتے ہیں اور ان کے دل میں احساس کرمتری پیدا کر دیتے ہیں۔ جب کہ یہ روش تربیت کے حوالے سے بہت بڑا اشتباہ ہے اگر ماں باپ بچے کا احترام کریں تو اس سے نہ صرف یہ کہ ان کا مقام بچے کی نظر میں کم نہ ہوگا بلکہ اس طرح سے اس کے اندر بھی بزرگواری اور وقار کس روح پر وان چوھے گی۔ بچہ اسی بچپن سے سمجھنے لگتا ہے کہ ماں باپ اسے ایک انسان سمجھتے ہیں اور اس کی اہمیت کے قائل ہیں۔ اس طرح سے جو کام مائثرے میں اچھے نہیں سمجھتے جاتے وہ ان سے بچتا ہے۔ وہ اچھے کام کرتا ہے تاکہ اپنے مقام کو محفوظ رکھے۔ یہ بات باعث افسوس ہے کہ ہمدے مائثرے میں بچوں کا جس طرح سے احترام ہونا چاہیے نہیں کیا جاتا اور انہیں خاندان کا ایک باقاعدہ جزو شمار نہیں کیا جاتا۔ یہاں تک کہ دعوتوں میں بچے ماں باپ کے طفلی ہوتے ہیں انہیں باقاعدہ دعوت نہیں دی جاتی۔ اور انہیں کسی ٹپلی جا۔ پر یا کمرے کے دروازے کے ساتھ جا۔ ملتی ہے اور ان کے لیے باقاعدہ پلیہ، چچہ و نیرہ پیش نہیں کیا جاتا۔ آتے وقت اور جاتے وقت کوئی ان کا احترام نہیں کرتا۔ گاڑی میں ان کے لیے مخصوص نشست نہیں ہوتی۔ یا تو وہ کھے ہوں یا ماں باپ کی گود میں بیٹھے ہوں۔ مفسد میں انہیں بات کرنے کا نہیں ہوتا اگر وہ بات کریں بھی تو کوئی ان کی سنتا نہیں بے احترامی سے لایا جاتا ہے، مسی لاقات اور بات چیت میں ان سے مؤدبانہ سلوک نہیں کیا جاتا۔ ان کے لیے سلام خوش آمدید، خدا حافظ اور شکریہ نہیں ہوتا۔ ان کی خواہش کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ گریلو امور میں ان سے مشورہ نہیں لیا جاتا۔ گھٹیٹ اور توہین آمیز کام کرنے کے لیے ان سے کہا جاتا ہے۔

دین مدرس اسلام نے بچوں کی طرف پوری توجہ دی ہے اس نے بچوں کا احترام کرنے کا حکم دیا ہے۔

رسول اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا:

ہنی اولاد کی عزت کرو اور ان کی اچھی تربیت کرو تاکہ اللہ تمہیں بخش دے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

سے گھٹیا انسان وہ ہے جو دوسروں کی توہین کرے۔⁽¹⁾

رسول اللہ ہمیشہ اور ہر جا بچوں سے محبت اور شفقت سے پیش آتے۔ جب وہ سفر سے واپس آتے تو بچے ان کے استقبال کے لیے دوڑتے۔ رسول اللہ ان سے پیدا کرتے، محبت کرتے اور ان میں سے بعض کو اپنے ساتھ سوار کر لیتے اور اپنے اصحاب سے بھیس وہ کہتے کہ دوسروں کو وہ سوار کر لیں۔ اور اس حال میں شہر کے اندر لوٹتے۔

بچوں سے یہاں تک شیرخوار بچوں کی توہین سے بھی سختی سے پرہیز کرنا چاہیے۔ ام الف۔ کہتی ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے حسین علیہ السلام کو جب کہ وہ شیرخوار تھے۔ سے لے لیا۔ اور سینہ سے لگایا۔ حسین علیہ السلام نے رسول (ع) کے کپوں پر پیشاب کر دیا میں نے حسین (ع) کو رسول اللہ (ص) سے زبردستی لے لیا۔ اس طرح سے کہ وہ رونے سے رسول اللہ (ص) نے۔ سے فرمایا۔ ام الف۔ آرام سے اس پیشاب کو پانی پاک کر دے گا لیکن حسین علیہ السلام کے دل سے ناراضی اور ناراحتی کون دور کرے گا؟⁽³⁾ ایک صاحب لکھتے ہیں: ماں باپ کی نظر میں میری کوئی اہمیت نہ تھی۔ نہ صرف وہ میرا احترام نہ کرتے تھے بلکہ اکثر میری توہین اور سرزنش کرتے رہتے کاموں میں مجھے شریک نہ کرتے اور اگر میں کوئی کام انجام دیتا تو اس میں سے کپے نکالتے۔ دوستوں کے سامنے یہاں تک کہ میرے دوستوں کے سامنے میری بے عزتی کر دیتے۔ مجھے دوسروں کے سامنے بولنے کی اجازت نہ دیتے۔ اس وجہ سے ہمیشہ میرے دل میں اپنے بارے میں احساس ذلت و حقارت رہتا۔ میں اپنے تئیں ایک فضول اور اضافی چیز سمجھتا۔ اب جب کہ میں بڑا ہو گیا ہوں

1_ بحار، ج 104، ص 25

2_ غرر الکم، ص 189

3_ ہدیۃ الاحباب، ص 176

اب بھی میری دن کیفیت باقی ہے ۔ بڑے کام سامنے آجائیں تو میں اپنے آپ کو کمزور سمجھنے لیتا ہوں ۔ کاموں کی انجام و س میں فیصلہ نہیں کر پاتا ۔ میں اپنے تئیں کہتا ہوں میری رائے چونکہ درت نہیں ہے اس لیے دوسروں کو میرے بارے میں اظہار رائے کرنا چاہیے ۔ اپنے تئیں حیر و ناچیز سمجھتا ہوں سمجھے اپنے آپ پر اتملا نہیں ہے یہاں تک کہ دوستوں کی موجودگی میں ۔ میں بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی اور اگر یہ کہ بیٹھیوں تو گھٹے سوچتا رہتا ہوں کہ کیا میری بات درت تھی اور صحیح موقع پر تھی ۔

خودشناسی اور ہامقصد زندگی

حیوان کی ساری زندگی کھانے ، سونے ، خواہشات زنس کی تکمیلی اور اولاد پیدا کرنے سے عبارت ہے ۔ حیوان کی عقہ اور آگاس کا۔
نہیں ہوتی وہ لچھائی اور برائی میں تمیز نہیں کر سکتا ۔ اس لیے اس پر کوئی فرض اور ذمہ داری نہیں ہے اس کے لیے کوئی حساب و
کتاب اور ثواب و عذاب نہیں ہے ۔ اس کی زندگی میں کوئی عالمانہ پروگرام اور مقصد نہیں ہوتا ۔ لیکن انسان کہ جو اشرف المخلوقات
ہے وہ حیوان کی طرح نہیں ہے ۔ انسان عقہ ، شور اور آگاس رکھتا ہے ۔ اچھے ، برے ، خوبصورت اور بد صورت میں تمیز کر
سکتا ہے ۔ انسان کو ایک دائی اور جاوید زندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے نہ کہ نابودی اور فنا کے لیے ۔ اس اتباد سے اس کے سر پر
ذمہ داری بھی ہے اور فرض بھی ۔ انسان خلیفۃ اللہ ہے اور امین الہی ہے ۔ انسان کی زندگی کا حاصل فقط کھانا ، سونا ، خواہشات کس
تکمیلی اور بڑھانا نہیں ہو سکتا انسان کو ایب راستے پر چلنا چاہیے کہ وہ فرشتوں سے بالاتر ہو جائے ۔ وہ انسان ہے اسے چاہیے کہ
ہنی انسانیت کو پروان چڑھائے اور اس کی تکمیلی کرے انسان کی زندگی کا کوئی مقصد ہے البتہ ایک بلند ہدف نہ کر پست حیوانی ہدف ۔
انسان رضائے خدا کے لیے اور منقود خدا کی خدمت کے لیے کوشش اور جد و جہد کرتا ہے نہ کہ زود گزر دنیاوی مفادات کے حصول
کے لیے ۔ انسان مصلاشی اور بیرو ہے ۔

ہاں انسانی وجود ایسا گوہر گران بہا ہے کہ جو حیوانات سے بہت ممتاز ہے یہ امر بہت افسوس ناک ہے کہ بہت سے انسانوں نے ہنی
اس انمول انسانی قیمت کو گنوا دیا ہے ۔

اور ہنی قیمتی زندگی کو ایک حیوان کی طرح سے گزار رہے ہیں اور ان کی نظر میں حیوانوں کی طرح سے کھانے ، پینے ، سونے اور خواہشات نفسانی کی تکمیلی کے علاوہ کوئی ہدف نہیں ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ ایک انسان سو سال زندہ رہے لیکن ہنی انسانی قیمت کو نہ پہچان سکے اور اپنے بارے میں جاہل ن مر جائے ۔ دنیا میں ایک حیوان کی صورت آئے اور ایک حیوان کی صورت چھ سے بے مقصد اور سرگردان رہے اور اس کی ساری جد و جہد کا نتیجہ بدبختی کے علاوہ پ نہ ملے ۔

انسان کو جاننا چاہیے کہ وہ کون ہے ؟ کہاں سے آیا ہے ؟ اور کہاں جانا ہے ؟ اس کے آنے کا مقصد کیا ہے ؟ اور اس کو کس راستے پر چلنا چاہیے ۔ اور اس کے لیے حقیقی کمال اور سادت کیا ہے ۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں : بہترین معرفت یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو پہچان نے اور سے بڑی نادانی یہ ہے کہ اپنے آپ کو نہ پہچانے ۔⁽¹⁾ امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں : جس نے اپنے آپ کو نہ پہچانا وہ راہ نجات سے دور اور جہالت و گمراہی کے راستے پر رہا ۔⁽²⁾ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں :

خدا کے نزدیک انسانوں میں سے ناپسندیدہ ترین شخص وہ ہے کہ جس کا زندگی میں مقصد شکم سیری اور خواہشات نفسانی کی تکمیلی کے علاوہ پ نہ ہو ۔⁽³⁾ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں :

1_ غرراکم ، ص 179

2_ غرراکم ، ص 707

3_ غرراکم ، ص 205

"جس نے اخروی سادت کو اپنا مقصد بنالیا وہ بلندترین خوبیوں کو پالے گا" (1)

ماں باپ کو چاہیے خودشناسی اور بامقصدیت کا درس بچے کو دیں ، وہ تدریجاً اپنی اولاد کی تعمیر کر سکتے ہیں اور انہیں بامقصد اور خودشناس بنا سکتے ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ اپنی اولاد کو انسانیت کا بلند مقصد سمجھا سکتے ہیں اور ان کے سامنے زندگی کا مقصد واضح کر سکتے ہیں۔ بچے کو ماں باپ کے ذریعے رفتہ رفتہ سمجھنا چاہیے وہ کون ہے؟ کیا تھا؟ کہاں سے آیا ہے۔

اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے۔ آخر کار اسے کہاں جانا ہے۔ اس دنیا میں اس کی ذمہ داری اور فریضہ کیا ہے۔ اور اس سے کس پروگرام اور ہدف کے تحت زندگی گزارنا چاہیے اس کی خواہش نصیبی اور بد نصیبی کس میں ہے۔ اگر ماں باپ خودشناس ہوں اور ان کی اپنی زندگی بامقصد ہو اور وہ اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہوں تو وہ خودشناس اور بامقصد انسان پر دان چڑھا سکتے ہیں۔

مرکی آمدنی اور خرچ

کسی گر کے اعطای امور میں سے اہم ترین اس کا م اشی پہلو ہے اور گر کی آمدن اور خرچ کا حساب ہے اور با سبب خاندان آمدن و خرچ کے حساب کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ اور آمدنی کے مطا۔ خرچ کرتے ہیں۔ ہر خاندان کو جاننا چاہیے کہ بی۔ کس راستے پر خرچ کرے سبج رار خاندان قرض سے ہمیشہ بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور پریشانیوں میں گرفتار نہیں ہوتے اور زندگی آرام سے اور دردسر کے بغیر گزارتے ہیں۔ ان کے اقتصادی حالات خراب بھی ہوں تو تدریجاً انہیں بہتر بناتے ہیں۔ اور زندگی کو فقیر و بے سروسامانی سے نکال لیتے ہیں۔

اس کے برعکس جس خاندان کا م اشی اتباد سے، اور آمدن و خرچ کے اتباد سے نظام درست نہ ہو اور اس کے افراد بغیر کسی حساب کے خرچ کرتے ہوں تو ایسا خاندان عموماً دوسروں کا مقروض اور مرہون رہتا ہے۔ اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے ایسا خاندان ناچار سودی قرض لیتا ہے۔ یا قرض پر مہنگی چیزیں خریدتا ہے۔ یعنی دوسروں کے لیے زخمت اٹھاتا ہے۔ ایسا خاندان کی زندگی زیادہ تر خوش نہیں گزرتی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زندگی کی ابتدائی ضروریات سے محروم رہے اور ان کی زندگی کی حالت مناسبت نہ ہو، اگرچہ اس کی آمدنی اچھی نہ کیوں نہ ہو لیکن چونکہ ان کے گر میں کوئی عقیدہ و تدبیر نہیں ہوتی اور ایسا گر کے لسوگ ہوس اور بلنسر پروازی کا شکار ہوتے ہیں لہذا زیادہ تر گرفتار بلان رہتے ہیں۔ کسی خاندان کی خوش حالی اور آسائش صرف کمال کرلانے پر منحصر نہیں ہے بلکہ اس سے بھی اہم عقیدہ و تدبیر اور کسی منظم م اشی پروگرام کے مطا۔ اس کو خرچ کرنا ہے۔

امام صدق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"جب اللہ کسی خاندان کے لیے بھلائی اور سہ اوت چاہتا ہے تو انہیں زندگی میں تدبیر اور سلیقہ عطا کر دیتا ہے" (1)۔

امام صدق علیہ السلام فرماتے ہیں: "تمام کمالات تین چیزوں میں جمع ہیں ان میں سے ایک زندگی میں نہم و تدبیر (سے) اور مہاشی امور میں عقہ (سے کام لینا) ہے" (2)۔

حضرت صدق علیہ السلام فرماتے ہیں: "فضول خرچی غربت و ناداری کا باعث بنتی ہے اور زندگی میں اعتدال اور میانہ روی بے نیازی اور استغناء کا باعث بنتے ہیں" (3)۔

حضرت علی علیہ السلام فرمایا: اعتدال سے آدمی ضروریات پوری کی جا سکتی ہیں (4)۔

امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں: فضول خرچ کی تین نشانیاں ہیں:

1_ جو چیز اس کے پاس نہیں ہوتی وہ کھانا ہے

2_ جس چیز کے لیے اس کے پاس بچہ نہیں ہوتے وہ خریدتا ہے اور

3_ جس لباس کی قیمت ادا نہیں کر سکتا اسے پہنتا ہے (5)۔

1_ کافی ، ج 5، ص 88

2_ کافی ، ج 5، ص 87

3_ وسأ ، ج 12 ، ص 41

4_ مصدرک ، ج 2 ، ص 424

5_ وسأ ، ج 21، ص 41

گر کے مالی امور کو منظم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ سے پہلے میں بیوی کے درمیان ہم آہنگی پائی جائے اگر میاں یا بیوی گر کی آمدنی کو مد نظر نہ رکھیں اور بنیر کسی حساب کتاب کے خرچ کریں تو ان کے گر کا کام نہیں چھو سکتا۔ دوسرے درجے پر بچوں میں بھی باہمی تعاون اور ہم آہنگی کی ضرورت ہوتی ہے۔ گر کے بچے بھی اگر آمدنی کو پیش نظر نہ رکھیں اور بنیر کسی حساب کتاب کے خرچ کریں تو بھی خاندان میں لات اور مصائب کا شکار ہو جائے گا۔

ماں باپ کو چاہیے کہ مالی امور میں اپنے بچوں کے ساتھ ہم نگری پیدا کریں اور انہیں گر کی آمدنی اور خرچ سے آگاہ کریں۔ بچوں کو تدریجاً یہ بات سمجھنا چاہیے کہ بھائی اور رابہ نہیں آجاتے بلکہ اس کے لیے محنت صرف ہوتی ہے۔ انہیں جاننا چاہیے کہ باپ زحمت اٹھاتا ہے اور ہر روز کام پر جاتا ہے تاکہ بھائی کما کر لائے اور گر کے اخراجات پورے کرے۔ اور اگر ماں بھئی کہیں کام یا ملازمت کرتی ہو تو یہ بات بھی بچوں کو سمجھنا چاہیے اور اگر ماں خانہ دار ہو تو بچوں کو یہ بھی جاننا چاہیے کہ گر کا نظام آسانی سے نہیں چلتا بلکہ اس کی ماں زحمت و روز محنت کرتی ہے۔

چاہیے کہ بچے آہستہ آہستہ ماں باپ کے کام اور گر کی آمدنی کی مقدار کو جانیں انہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ ماں باپ کی آمدنی سے گر کے سارے اخراجات پورے ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ ان کے لیے کوئی اور راستہ نہیں اور انہیں سمجھنا چاہیے کہ گر کے تمام اخراجات کو ان پیسوں کے اندر پورا ہونا چاہیے اور سارے اخراجات ایک سطح کے نہیں ہوتے بلکہ بعض اخراجات کو ترجیح دینا پڑتی ہے مثلاً مکان کا خرچ یا مکان کا کرایہ، پانی اور بجلی کا، روٹی اور کپڑے کے بھ، گر میں روزمرہ کی ضروریات کا سامان اور ڈاکٹر کسی دوسرے دیگر ضروریات پر مہتمم ہیں۔ پہلے مرحلے میں زندگی کی ضروریات پوری کرنا چاہئیں باقی چیزیں! ر میں آتی ہیں۔ باقی چیزیں بھئی ایک سطح کی نہیں ہوتیں بچوں کو یہ بات سمجھنی چاہیے اور ماں باپ کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔

بچوں کو ابتدائی زندگی میں سے اس امر کا عادی بنایا جانا چاہیے کہ ان کی خواہشات

اور توقعات کو گر کی آمدنی سے ہم آہنگ ہونا چاہیے۔ انہیں بے جا خواہشات اور بڑھ چڑھ کر خرچ کرنے سے بچنا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ اپنے آپ کو گر کا ایک باقاعدہ فرد سمجھیں اور گر کا خرچ چلانے میں اپنے آپ کو شریک سمجھیں۔ وہ یہ نہ سمجھنے لگ جائیں کہ ہم کوئی بلند مرتبہ لوگ ہیں اور ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ ہمارے خرچے پورے کریں۔ بچوں کو صرف اپنی خواہشات کو پیش نظر رکھ کر گر کی باقی ضروریات کو نظر انداز نہیں کر دینا چاہیے۔ بچے کو اوائل عمری سے اپنی خواہشات سے چشم پوشی کس کرے گر کی ضروریات کو ترجیح دینے کی عادت پڑنی چاہیے۔

انہیں بچوں نے آئندہ بڑے ہو کر نظام چلانا ہے۔ لہذا انہیں ابھی سے فضول خرچ نہیں ہونا چاہیے گر کی مالی حالت خوب اچھی سی کیوں نہ ہو پر بھی ماں باپ کو نہیں چاہیے کہ وہ بچوں کو اجازت دیں کہ وہ بے حدو حساب خرچ کرتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ بچوں کو سمجھائیں کہ لوگ ایک خاندان کے فروہیں اور امیروں کو چاہیے کہ غریبوں کی مدد کریں اور اگر کوئی کم آمدنی والا خاندان ہے اور مشکل سے روزانہ کے اخراجات پورے ہوتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ اپنی روزانہ کی آمدن کے مطابقتاً اخراجات کریں البتہ انہیں نہیں چاہیے کہ اپنی مشکلات کی شکایت اپنے بچوں سے کریں بلکہ انہیں برواستقامت کا درس دیں اور انہیں آئندہ زندگی کو بہتر کرنے کے لیے آمادہ کریں۔ جب بچے میں کام کرنے کی لاجحیت پیدا ہو جائے تو اسے کام کرنے پر ابھاریں بچے سے کہا جاسکتا ہے کہ اگر تم بھی کام کرو تو اس سے آمدنی ہوگی اور پر ہمارے گر کے حالات بھی بہتر ہو جائیں گے۔ بچے کو یہ عادت ڈالیں کہ وہ اپنی آمدنی کا حصہ گر میں دے دے کیونکہ وہ اسی خاندان کے ساتھ کر رہتا ہے بچے میں منت خوری کی عادت نہیں پیدا ہونی چاہیے۔ بچوں کا جیہ خرچ بھی گر کی آمدنی کے مطابقتاً ہونا چاہیے۔

قانون کا احترام

لوگ قانون کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتے۔ م اشرف کے نظام کو چلانے کے لیے برائیوں کو روکنے کے لیے لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کے لیے اور عوام کے آرام و آسائش کے لیے قانون ضروری ہے جن ملکوں میں قانون بنانے والے افراد اور عوام۔ کتے اچھے باہمی ربط ہوتے ہیں اور جہاں لوگوں کے لیے قانون بنائے گئے ہیں وہاں لوگ قانون کا احترام بھی کرتے ہیں اور قانون کے احترام سے ان ملک میں امن و امان اور عوام کی زندگی کے لیے آرام و راحت وجود میں آتا ہے۔

لیکن جن ملکوں میں قانون بنانے والے لوگ حکومتوں کے مفادات کے لیے قانون بناتے ہوں اور عوام کے حقیقی مفادات ان کی نظر میں نہیں ہوتے وہاں عوام کی نظر میں قانون کا کوئی احترام بھی نہیں ہوتا اور یہ بھی امن اور رنجین سے محروم رہتا ہے۔ بد قسمتی سے پہلے ہمارے ملک کی بھی یہی حالت تھی۔ بیشتر دین اسلام اور عوامی نہ تھے بلکہ حکومتوں کی خواہش پر اور مغرب و مشرق کی سامراجی طاقتوں اور ان کے چیلوں کے فائدے میں قانون بنتے تھے۔ مزدور، محنت کس اور محروم افراد کے حقیقی مفادات کس طرف کوئی توجہ نہ تھی۔ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ رع و دبدبہ سے اور مکر و فریب سے عوام دشمن دین ان کے عوام پر نازل کسریں۔ لیکن لہذا ان کے ممان عوام چونکہ ان دین ک و اسلامی اور اپنے مفادات کا محافظ نہیں سمجھتے تھے۔ لہذا ان کی نظر میں ان کی کسوٹی حیثیت نہ تھی۔ البتہ ان دین میں پ عوامی فائدے کے دین بھی موجود تھے لیکن چونکہ عوام کا ان پر اتما نہیں تھا لہذا ان کا احترام بھی نہیں کرتے تھے۔ البتہ جائز

صحیح اور سودمند قانون کا احترام ضروری ہے اور ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ یہ بات اپنی اولاد کو سمجھائیں۔ جب بچے اپنے ماں باپ کو دیکھتا ہے کہ وہ سرک پار کرتے ہوئے سرک پار کرنے کی معینہ جا رہا (نہیرا کراسنگ) ن سے سرک پار کرتے ہیں تو اس میں بھی اس کی عادت پڑ جاتی ہے اور پھر وہ اس کی خلاف ورزی کو لچھا نہیں سمجھتا۔

خصوصاً ماں باپ کو چاہیے کہ بچوں کو سمجھائیں سرک کو استعمال کرنا ڈرائیوروں کا ہے اور نہیرا کراسنگ پیدال چلنے والوں کا۔ ہے اور دوسرے کے پہ تجاوز درت نہیں ہے۔ جب بچہ یہ سمجھتا ہے کہ قانون پر عمل درآمد خود اس کے اور م اثر سے کئے فائدے میں ہے تو پھر تدریجاً ماں باپ کے عمل کو دیکھتے ہوئے اس کے اندر بھی اس بات کی عادت پڑ جاتی ہے

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"عادت فطرت ثانیہ ہے" (1)

ادب

ہر ماں باپ کی یہ حق خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بچے مہذب ہوں، اچھے اور باادب بچے ہر ماں باپ کی سر بلندی کا ذریعہ ہوتے ہیں اور وہ ان پر خیر کرتے ہیں۔ جو بچے دوسروں سے لاقات کے موقع پر سلام کرتے ہیں اور جدا ہونے پر خداحافظ کرتے ہیں۔ مصائبہ کرتے ہیں۔ حال پوچھتے ہیں، پیار سے انداز سے بات کرتے ہیں، بزرگوں کا احترام کرتے ہیں، ان کے آنے پر احتراماً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ صاحبان علم، با تقویٰ اور نیک افراد کا احترام کرتے ہیں۔ مہنگے میں رُودب رہتے ہیں شور نہیں کرتے اور اگر کوئی چہ دے تو اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کسی کو گالی نہیں دیتے، دوسروں کو تالیف نہیں پہنچاتے، دوسروں کی بات نہیں کاٹتے، کھانے کے آداب ملحوظ رکھتے ہیں۔ بسم اللہ کہتے ہیں۔ چھوٹے نوالے لیتے ہیں، آہستہ آہستہ چباتے ہیں، اپنے سامنے سے کھاتے ہیں، زیادہ نہیں کھاتے، کھانا زمین پر نہیں پھینکتے، اپنے ہاتھوں اور لباس کو خراب نہیں کرتے، صاف سترے اور پاکیزہ رہتے ہیں۔ کس کس توہین نہیں کرتے۔ دوسروں کا حاط کرتے ہیں اور صحیح طریقے سے بیٹھتے اور اٹھتے ہیں، صحیح انداز سے چلتے ہیں۔ اطاعت شہار اور فرمان بردار ہوتے ہیں۔ کسی کا تمخر نہیں اڑاتے۔ اور دوسروں کی بات کان لگا کر سنتے ہیں اب بچے باادب ہوتے ہیں۔

نہ صرف وارثین بلکہ لوگ باادب بچوں سے پیار کرتے ہیں اور ستاخ اور بے ادب بچوں سے نفرت۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اوب انسان کا کمال ہے" (1) _

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اوب انسان کے لیے خوبصورت لباس کے مانند ہے" (2) _

"لوگوں کو اچھے آداب کی سونے اور چاندی سے زیادہ ضرورت ہے" (3) _

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "اوب سے بڑھ کے کوئی زینت نہیں" (4) _ امیر المؤمنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "پاپ کسی

بہترین وراثت اپنے بچے کے لیے یہ ہے کہ اسے اچھے آداب کی تربیت دے" (5) _

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "بے اوب شخص میں برائیاں زیادہ ہوں گی" (6) _ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے

ہیں: "سات سال تک اپنے بچے کو کھیلنے کی اجازت دو اور سات سال سے آداب زندگی سکھاؤ" (7) _

1_ غرر اکرم ، ص 34

2_ غرر اکرم ، ص 21

3_ غرر اکرم ، ص 242

4_ غرر اکرم ، ص 830

5_ غرر اکرم ، ص 393

6_ غرر اکرم ، ص 634

7_ بحار، ج 104، ص 95

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم فرماتے ہیں: "بچے کے وارثین پر تین ہیں ،

1_ اس کے لیے لچھا نام منجھ کریں

2_ اسے با اوب بنائیں اور

3_ اس کے لیے لچھا شریک حیات انتخاب کریں " (1)

ہر ماں باپ کی انتہائی آرزو یہ ہوتی ہے کہ ان کی اولاد با اوب ہو لیکن یہ آرزو خود بخود اور بظہر کو ش کے پوری نہیں ہو سکتی اور نہ ن زیادہ و عظ و نصیحت سے بچوں کو مؤدب بنایا جا سکتا ہے ۔ اس مقصد تک پہنچنے کے لیے بہترین راستہ ان کے لیے لچھا نمونہ ۶ مہیا کرنا ہے ۔ ماں باپ کو خود مؤدب ہونا چاہیے ۔ تاکہ وہ اپنی اولاد کو عملی سب دے سکیں ۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "بہترین اوب یہ ہے کہ اپنے آپ سے آغاز کرو" (2) امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "اپنے کردار کو مؤدب بنائیں پر دوسروں کو وعظ و نصیحت کریں" (3)

بچہ تو نرا مقرر ہوتا ہے تقلید کی فطرت اس کے اندر بہت اہم اور طاقتور ہوتی ہے ۔ بچہ ماں باپ اور دوسرے لوگوں کے گفتار و کردار کی پیروی کرتا ہے ۔ یہ صحیح ہے کہ تلقین بھی تربیتی عوا میں سے ایک ہے ۔ لیکن تقلید انسانی جبلت میں زیادہ قوی اور طاقتور ہوتی ہے خصوصاً بچپن میں جن ماں باپ کی خواہش ہے کہ ان کے بچے مؤدب ہوں انہیں چاہیے کہ پہلے اپنے طرز ۶ کی اصلاح کریں وہ با اوب ماں باپ بنیں ۔ انہیں چاہیے کہ

1_ وسأ ، ج 15 ص 123

2_ غرر اکلم ، ص 191

3_ حُج البلاغ ، ج 3 ، ص 166

ایک دوسرے سے ، اپنے بچوں سے اور تمام لوگوں سے مؤدبانہ طرز ۶ اختیار کریں۔ اور آداب زندگی کی پابندی کریں تاکہ بچے ان سے سب حاصل کریں ان سے درس حیات حاصل کریں۔ اگر ماں باپ آپس میں ایک دوسرے سے باپ ہوں ، گر میں آداب واقف-رار کو ملحوظ رکھتے ہوں بچوں سے بھی با اوب رہتے ہوں لوگوں سے مؤدبانہ طریقہ سے میا لاقات کرتے ہوں اب گر کے بچے فطری ور پر مؤدب ہوں۔ وہ ماں باپ کا طرز ۶ دیکھیں۔ اور اسے اپنے لیے نمونہ ۶ بنائیں۔ اور اس کے لیے ان کو وعظ و نصیحت کی ضرورت نہیں ہوگی۔

جو ماں باپ خود آداب کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ انہیں بچوں سے بھی اوب کی توقع نہیں کرنی چاہیے اگر چہ سینکڑوں مرتبہ انہیں نصیحت کریں۔ جو ماں باپ ایک دوسرے کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آتے ہیں اور خود اپنے بچوں کے ساتھ نیر مؤدبانہ سلوک کرتے ہیں وہ کیسے توقع کر سکتے ہیں کہ ان کے بچے با اوب ہوں۔

اب گر کے بچے زیادہ تر ماں باپ کی طرح یا ان سے بھی زیادہ بے اوب ہوں۔ اور انہیں اچھی تلقین اور وعظ و نصیحت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ بچے بھی سوچتے ہیں کہ اگر ماں باپ کی بات صحیح ہوتی تو وہ خود ۶ نہ کرتے لہذا یہ ہمیں دھوکا دے رہے ہیں۔

البتہ تلقین بالک بے اثر نہیں ہوتی لیکن اس کا پورا اثر اس وقت ہوتا ہے کہ جب بچے اس کا نمونہ ۶ دیکھیں۔ با اوب ماں باپ بچوں کو اچھے آداب کی نصیحت بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن اچھے انداز سے۔ اوب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ، بندی ، بدتمیزی اور بے اوبی سے نہیں۔ بعض ماں باپ کی عادت ہوتی ہے کہ جب وہ بچوں کا کوئی خلاف اوب کام دیکھتے ہیں تو دوسروں کی موجودگی میں ڈاڈا- ڈپہ کرتے ہیں اور برا بھلا کہتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں اوبے اوب نے سلام کیوں نہیں کیا خدا حافظ کیوں نہیں کیا؟ گونہ ہو ا؟ اور بے شو و رنجے تو نے دوسروں کے سامنے پاؤں کیوں پھیلائے؟ کسی کے ہاں آکر شور کیوں مچا رہے ہو حیوان کہیں کے دوسروں کی باتوں میں بولتے کیوں ہوں۔ یہ نادان ماں باپ اپنے متین اس طرح سے اپنے بچوں کی تربیت کر رہے

ہوتے ہیں جب کہ بے ادبی سے ادب نہیں سکھایا جا سکتا۔ اگر بچے سے کوئی بے ادبی سرزد ہو جائے تو اسے نصیحت کرنی چاہیے۔
لیکن بے ادبی سے نہیں۔ نہ دوسروں کے سامنے بلکہ تنہائی میں اور نلے انداز سے۔
پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ بچوں کو سلام کرتے تھے اور فرماتے تھے "میں بچوں کو سلام کرتا ہوں کہ سلام کرنا ان کا معمول بن جائے"

چوری پکاری

نی دفتر ایسا ہوتا ہے بچہ دوسروں کے ماں کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے کھانا، پھل یا کسی اور بچے کے کلوٹے زبردستی لے لیتا ہے۔
باپ کی جیب سے یا ماں کے پرس سے چوری چھپے ہتھ نکال لیتا ہے۔ ماں نے کھانے کے لیے چیزیں چھپا کے رکھی ہوتی ہیں اس میں ہاتھ مارتا ہے۔ دکان سے چمکے سے چیز اٹھا لیتا ہے۔ بن یا بھائی یا ہم جماعت کی پین، پین، رہبر یا کاپس اٹھا لیتا ہے۔
اکثر بچے بچپن میں اس طرح کے کم زیادہ کام کرتے ہیں۔ شاید ایسا شخص کوئی کم ن ملے کہ جسے بچپن کے دنوں میں اس طرح کے واقعات ہر گز پیش نہ آئے ہوں، بعض ماں باپ اس طرح کے واقعات دیکھ کر بہت ناراحت ہوتے ہیں اور بچے کے تارک سے مستقب کے بارے میں اظہار افسوس کرتے ہیں، وہ پریشان ہوجاتے ہیں کہ ان کا بچہ آئندہ ایک قاتل یا چور بن جائے گا اس وجہ سے وہ اپنے آپ میں کڑھتے رہتے ہیں۔

سے پہلے ان ماں باپ کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہیے کہ زیادہ ناراحت نہ ہوں اور اس پر اظہار افسوس نہ کریں۔ کیونکہ یہ۔
چھوٹی چھوٹی چیزیں اٹھا لینا یا چرا لینا اس امر کی دلیل نہیں کہ آپ کا بچہ آئندہ شریر، غا اور چور ہوگا، کیونکہ بچہ ابھی رشد و تمیز کے اس مرحلہ پر نہیں پہنچا کہ کسی کی ملکیت کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھ سکے اور اپنے اور دوسرے کی ملکیت میں فرق کر سکے۔
بچے کے احساسات اس کی عقید سے زیادہ قوی ہوتے ہیں اس لیے جو چیز بھی اسے اچھی لگتی ہے انجام سوچے بغیر اس کس طرف لپکتا ہے۔ بچہ فطری طور پر شریر نہیں ہوتا اور بچے کی یہ غلیاں اس کے بان سے پیدا نہیں ہوتی۔ یہ تو عارضی سی چیزیں ہیں۔
جب بڑا

ہوگا تو پَر ان کا مرتب نہیں ہوگا۔ ایسے کتنے ہی پرہیزگار، امین اور رات باز انسان ہیں کہ جو بچپن میں اس طرح کس ننھیں نہی
 خطائیں کرتے رہے ہیں۔ البتہ میرے کہنے کا یہ مقصد نہیں کہ آپ ایسی خطاؤں کو دیکھ کر کوئی ردِ ظاہر نہ کریں اور اس سے
 بالکل لاتعلیٰ رہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کو دیکھ کر بچے کو شریہ اور نفاق، لالچ نہ سمجھ لیں۔ ایسے داد و فریاد نہ کرنے لگیں
 بلکہ بر اور بردباری سے ان کا علاج کریں۔

خاص طور پر دو تین سالہ بچہ اپنے اور نیر کے مال میں فرق نہیں کر سکتا اور ملکیت کی حدود کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا۔ جس
 چیز تک اس کا ہاتھ پہنچ جائے اس اپنا بنا لیتا چاہتا ہے۔ جو چیز بھی اسے اچھی لگتی ہے اٹھا لیتا چاہتا ہے اس مرحلے پر ڈاڈے، ڈپے اور
 مادیہ کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس مرحلے پر ماں باپ جو بہترین روش اپنا سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ بچے کو علاوہ اس کام سے روک دیں۔
 اگر وہ زبردستی کوئی چیز دوسرے بچے سے لینا چاہے تو اسے اجازت نہ دیں اور اگر وہ لے لے تو اس سے لے کر واپس کر دیں۔ جو
 چیز وہ چاہتے ہیں کہ بچہ نہ اٹھائے اسے اس کی دسترس سے دور رکھیں۔ زیادہ تر بچے جب رشد و تمیز کی حد تک پہنچ جاتے ہیں
 اور ملکیت کی حدود کو اچھی طرح جان لیتے ہیں تو پَر دوسروں کے مال کی طرف وہ ہاتھ نہیں بڑھاتے اور چوری نہیں کرتے البتہ۔
 بعض بچے اس عمر میں بھی اس غلط کام کے مرتب ہو جاتے ہیں۔ اس موقع پر ماں باپ کو خاموش اور لاتعلیٰ نہیں رہنا چاہیے۔ یہ
 درست نہیں ہے کہ ماں باپ اپنے بچے کی چوری پکاری کو دیکھیں اور اس کی لالچ نہ کریں اور یہ کہتے رہیں کہ ابھی بچہ ہے۔ اس
 کی عقوبت آتی ہے جب بڑا ہوگا تو پَر چوری پکاری نہیں کرے گا۔ البتہ یہ احتمال ہے کہ جب وہ بڑا ہو تو چوری نہ کرے لیکن
 یہ احتمال بہت ہے کہ ان چھوٹی چھوٹی چوریوں سے اسے چوری کی مستحق عادت پڑ جائے اور وہ ایک چورا اور غائب بن کر اس سے۔
 علاوہ انہیں یہ بات بھی درست نہیں ہے کہ بچہ کسی کا مال باپ کا مال اٹھالے اور کوئی اس سے پناہ نہ کہے۔ اور اس سے بھی بدتر
 یہ ہے کہ ماں باپ اپنے بچے کے غلط کام پر اسے منع کرنے کی بجائے اس کا دفاع اور اس کی حمایت کرنے لگیں۔ اگر کوئی ان سے
 شکایت کرے کہ ان کے بچے نے اس کا مال چرایا ہے تو یہ شور و غوغا کرنے لگیں کہ ہمارے

بچے پر یہ الزام لگا یا کیوں گیا؟

اس طرح کے نادان ماں باپ اپنے طرز سے اپنی اولاد کو چوری چکاری کی تفہیم کرتے ہیں اور علائقہ انہیں سب دیتے ہیں کہ وہ چوری کریں اور مکر جائیں اور اپنے آپ کو درت ثابت کرنے کے لیے شور مچائیں۔

اس بنیاد پر ماں باپ کو نہیں چاہیے کہ وہ اپنے اولاد کے غلط کاموں سے لاتعلیٰ رہیں بلکہ انہیں کوشش کرنا چاہیے کہ وہ انہیں ایسے کام سے روکیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ برائی ان کے اندر جڑ پکڑے اور عادت بن جائے اور عادت کو ترک کرنا بہت مشکل ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "عادت کو ترک کرنا انتہائی ٹھن کام ہے" (1)۔

ماں باپ کو پہلے مرحلے پر کوشش کرنا چاہیے کہ ان عوام کو دور کریں جو بچے کی چوری کا سبب بنے ہیں تاکہ یہ عوام لا پیش نہ آئے۔ اگر بچے کو پتہ نہ ہو، رٹ، کاپی یا تلم کی ضرورت ہے تو ماں باپ کو چاہیے کہ اس کی ضرورت کو پورا کریں۔ کیونکہ اگر انہوں نے اس کی ضروریات کو پورا نہ کیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے ہم درس کی چیز اٹھالے یا ماں باپ کی جیب سے پتے چوری کرے۔ اگر اسے کھینچنے کے لیے گیند کی ضرورت ہے اور ماں باپ نہ لے کر دیں تو ممکن ہے کہ وہ کسی دوسرے بچے کا گیند زبردستی لے لے۔ یا ملے کی دوکان سے چوری کرے۔ ماں باپ کو چاہیے کہ حقیقی ضروریات کو پورا کریں۔ اور اگر ممکن نہ ہو تو بچے کو پیدا سے سمجھائیں اور اس کا خود اس پر چھوڑ دیں۔ مثلاً اسے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں۔ ہمارے لیے رنگوں والی پینیں خریدیں۔ تم فلاں دوکان سے اٹھالے لو۔ اور میں اسے دے دیں۔ یہ آج اپنے دوست سے عادتاً لے لو بچے پر زیادہ سختیاں اور کنٹرول اور سخت پابندیاں اس کے ذہن میں چوری کا راستہ پیدا کر سکتی ہیں۔ اگر ماں باپ کھانے پینے کی چیزیں کسی ملاری میں یا کسی اور ڈبے میں رکھیں

کر اس کو تا لگائیں اور اس کی چالی چھپالیں تو بچہ اس سوچ میں پڑ جائے گا کہ کسی طرح سے چالی ڈھونڈے اور منا - مونتہ پکرا اس چیز کو نکالے۔ یہ بات خاص ور پر اس وقت ہوتی ہے جب ماں باپ خود کھائیں اور بچے کہ نہ دیں ۔

جب ماں باپ اپنے بچے سات تہوں میں کسی ج . چھپائیں تو ممکن ہے بچے میں تحریک پیدا ہو اور وہ اتنا انہیں تلاش کرے کہ۔ آخر پالے ۔ ممکن ہو تو ماں باپ کو بچہ زیادہ بھی باندھ باندھ کر نہیں رکھنے چاہئیں ۔ انہیں بچوں سے ۔ ج کر اور ہم رنگ ہو کر رہنا چاہیے اور ان کے ساتھ انہما و تفہیم پیدا کرنا چاہیے ۔ انہیں سمجھائیں کہ زندگی کس حساب کے تحت ن بسر ہوسکتی ہے کھانے پینے کی چیزوں کی معین وقت پر ن استعمال کرنا چاہیے اور بچہ ضرورت زندگی کی تکمیل کے لیے ہیں انہیں کسی حساب کے مطا۔ س خراج کرنا چاہیے ۔

بچوں کہ چوری ، ڈاکے اور قتل کی فلمیں نہیں دکھانا چاہئیں ۔ ریڈیو اور کتابوں کی ایسی کہانیوں سے بھی بچوں کو دور رکھنا چاہیے ۔ نئی دفرا ایسا ہوا ہے کہ چوری کرنے کے جرم میں عدالت میں پیش ہونے والے بچوں نے یہ بیان دیا ہے کہ۔ یہ کام انہوں نے سینما یا ٹیلی وین میں ہوتے دیکھا ہے ۔

سے اہم یہ ہے کہ ماں باپ اور گر کے سارے افراد کو ش کریں کہ ان کے گر کا ماحول امانت داری اور سچائی پر مبنی ہو ۔ دوسروں کی ملکیت کا احترام کیا جائے اور اس پر تجاوز نہ کیا جائے ۔ ماں باپ کی اجازت کے بغیر ان کی جیب سے بچہ نہ نکالے اور اسے بتائے بغیر اس کے اموال میں بے جا تصرف نہ کرے ۔ شوہر بھی بتائے بغیر زوجہ کی الماری اور سوٹ کمیں کو ن چھپے۔ ے اور اس کے لیے مخصوص چیزوں میں تصرف نہ کرے ۔ ماں باپ کو بھی بچوں کی ملکیت کا احترام کرنا چاہیے اور بچوں کی اجازت کے بغیر ان سے مخصوص الماری ور اٹنی کمیں کو ہات نہ لگائیں اور ان کے کھیلوں کے سامان میں تصرف نہ کریں ۔

بچے کے چھوٹے سے تجاوز پر اس کی عزت و آبرو کو نابود کر کے اسے ذلی و خوار نہ کریں اسے یہ نہ کہیں اسے چور اسے خیانت کرے تم چور بن جاؤ ۔ اور جیب خانے میں جاؤ ان توہین خطابت کے ساتھ آپ بچے کو چوری سے نہیں روک سکتے بلکہ

اسے سے وہ ڈھیہ بن جائے گا اور ممکن ہے کہ ان باتوں کا انتقام لینے کے لیے وہ بڑی بڑی چوریاں شروع کر دے۔
وہ بہترین طریقہ کہ ماں باپ کو جس کا انتخاب کرنا چاہیے یہ ہے کہ محبت اور نرمی کے ساتھ بچے کو سمجھائیں چوری کی برائی کسویں۔ ان
کریں اور ملکیت کی وضاحت کریں۔ مثلاً اسے کہیں تم نے جو نان چیزا ٹھائی ہے وہ کسی اور شخص کی ہے اسے ذرا واپس لوٹا لو۔
اور آئندہ ایسا نہ دہرائیں۔
لیکن اگر اس طرز سے بھی کوئی مثبت نتیجہ حاصل نہ کیا جاسکے تو مجبوراً بچے کو سختی اور ڈانڈ ڈپے سے روکا جائے اور اگر ناگزیر
ہو تو بعض مواقع پر ماہیہ سے بھی بچے کو چوری سے روکا جاسکتا ہے۔

حسد ایک بری صفت ہے حاسد شخص ہمیشہ دوسروں کی خوشی اور آرام و سکون کو دیک کر رنج اور دک میں مبتلا رہتا ہے کسی اور شخص کے پاس کوئی نعت دیکھنے کے بر غمگین ہو جاتا ہے اور اس سے نعت کے چھن جانے کی آرزو کرتا ہے۔ چونکہ عموماً یہ کس کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اس سے وہ نعت بھی نہیں چھین سکتا لہذا غمگین رہتا ہے اور حسد کی آگ میں دن رات جلتا رہتا ہے۔ حاسد شخص دنیا کی زت اور آسائے سے محروم رہتا ہے حسد اور کینہ پروری انسان پروری انسان پر عرصہ حیات تنگ کر دیتے ہیں۔ اور انسان سے راحت و آرام چھین لیتے ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا: "حاسد انسان کو لوگوں سے کم زت اور خوشی محسوس ہوتی ہے" (1)۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "حسد حاسد کی زندگی کو تاریک کر دیتا ہے" (2)۔

امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "حسد شخص کو ہرگز راحت اور مسرت نصیب نہیں ہوتی" (3)۔

1_ مستدرک ، ج 2، ص 327

2_ مستدرک ، ج 2، ص 328

3_ مستدرک ، ج 2، ص 327

حسد انسان کے دل اور اعصاب پر بے اثر مرتب کرتا ہے اور انسان کو بیمار اور علیہ کر دیتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "حاسد شخص ہمیشہ بیمار اور علیہ رہتا ہے" (1)۔

حسد ایمان کی بنیادوں کو تباہ کر دیتا ہے اور انسان کو گناہ اور نافرمانی پہ ابھارتا ہے بہت سے قتل، جرم، جگڑے، لڑائیاں اور تلفیہاں

حسد کی بنیاد پر ہوتی ہیں۔ حاسد بھی محسود کی نیت اور بدگوئی کرتا ہے اور اس پہ تہمت بھی لگاتا ہے اس کے خلاف باتیں بتاتا ہے۔ اس کا مال ضائع کرتا ہے۔

امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

"حسد ایمان کو یوں تباہ کر دیتا ہے جیسے آگ لہدھن کو جلا دیتی ہے" (2)۔

حسد انسان کی نیت کا حصہ ہے۔ ایسا شخص کوئی کم نہ ہوگا کہ جو اس سے خالی ہو۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ و

سلم فرماتے ہیں: "تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن سے کوئی شخص نہ ہوگا۔

۔ گمان بد، فال بد، اور حسد" (3)

ہذا اس بری صفت کا پوری قوت سے مقابلہ کیا جانا چاہیے اور اسے بڑھنے اور پلنے پھولنے سے روکنا چاہیے۔ اگر اس بری صفت کو

نظر انداز کر دیا جائے تو چوں کہ اس کا ریشہ انسان کی نیت کے اندر ہوتا ہے لہذا یہ پلنے پھولنے لگتی ہے اور اس حد تک

1_ مصدرک، ج 2، ص 328

2_ خانی، ج 1، ص 173

3_ مہجۃ البیضاء، ج 3، ص 189

جا پہنچتی ہے کہ اس کا مقابلہ کرنا اور اس کا تع تع کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ بہترین موقع کہ جب اچھے اخلاق کس پرورش کس جاسکتی ہے اور برے اخلاق کو کچھ پھولنے سے روکا جاسکتا ہے بچپن کا زمانہ ہے۔ اگرچہ یہ چھوٹی عمر میں ہی بچوں کی نیت میں موجود ہوتا ہے لیکن ماں باپ اپنے اعمال اور طرز سے اس بری عادت کو تحریک بھی کر سکتے ہیں اور اس کا تع تع بھی۔ اگر ماں باپ اپنی ساری اولاد سے عادلانہ سلوک کریں اور کسی کو دوسرے پہ ترجیح نہ دیں۔ لباس، خوراک کے معاملے میں، اگر کسی کاموں کے معاملے میں۔ جیہ خرچ اور اظہار محبت کے معاملے میں میا جول کے معاملے میں عدالت و مساوات کو ملحوظ نظر رکھیں چھوٹے بڑے میں۔ خوبصورت اور بدصورت میں۔ بیٹے بیٹی میں۔ با للاحیت اور بے للاحیت میں کوئی فرق نہ کریں تو بچوں میں حسد پروان نہیں چڑھے گا اور ممکن ہے حد درجہ ختم ہو جائے۔ بچوں کی موجودگی میں بھی کسی ایک کی تعریف و ستائش نہ کریں اور ان کا آپس میں موازنہ نہ کریں۔ بعض ماں باپ تعلیم و تربیت کے لیے اور بچوں کی تقویٰ کے لیے ان کا آپس میں موازنہ کرتے ہیں مثلاً ہتے ہیں احمد بیٹا دیکھ تمہاری بے کتنا اچھا ہے۔ پڑھا ہے کتنے اچھے نمبر لاتی ہے۔ اگر کے کاموں میں ماں کی سرد کرتی ہے، کتنی با ادب اور ہوش مند ہے۔ تم بھی بے کتنا اچھا ہے۔ ن کی طرح ہو جاؤ تا کہ امی ابو تم سے بھی پیدا کریں۔ یہ نادان ماں باپ اس طرح چاہتے ہیں کہ اپنے بچے کی تربیت کریں جب کہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ اس طریقے سے مقصد حاصل ہو۔ جب کہ اس کے برعکس معصوم بچے کے دل میں حسد اور کینہ پیدا ہو جاتا ہے اور اسے حسد اور دشمنی پر آمادہ کر دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس طرح سے بچے کے دل میں ہتھیاری بے کتنا اچھا ہے کے لیے کینہ پیدا ہو جائے اور وہ اسے نقصان پہنچانے پر توجہ دے اور حسد اور دشمنی باقی رہے۔ بھی اپنے بچوں کا دوسرے بچوں سے موازنہ نہ کریں اور اپنی اولاد کے سامنے دوسروں کی تعریف نہ کریں۔ یہ درت نہیں ہے کہ ماں باپ اپنی اولاد سے کہیں لڑائی کے بیٹے کو دیکھو کتنا اچھا ہے کتنا با ادب ہے۔ کتنا اچھا ہے۔ پڑھتا ہے۔ کتنا فرمانبردار ہے اگر کے کاموں میں با امی ابو کا کتنا ہاتھ بٹاتا ہے۔ اس کے ماں باپ کس قدر خوش قسمت ہیں۔ ان کے حال پر رشک آتا ہے۔ ای ماں باپ کو سمجھنا چاہیے کہ اس طرح کا موازنہ اور

اس طرح کی سرزنش کا نتیجہ حسد کے علاوہ اور پ نہیں ہوتا۔ زیادہ تر ان کا نتیجہ الہ ن ملتا ہے اور انہیں ڈھڑکتی اور انتقام پر ابھارتا ہے۔ ماں باپ کو ای طرز ۶ سے سختی ہے پرہیز کرنا چاہیے۔ البتہ سارے بچے ایک سے نہیں ہوتے۔ کوئی بیٹا ہے کوئی بیٹی ہے۔ کوئی با لاحتیت ہے کوئی نہیں ہے کوئی خوش اخلاق ہے کوئی بد اخلاق ہے کوئی خوبصورت ہے کوئی نہیں ہے۔ کوئی فرمانبردار ہے کوئی نہیں ہے۔ کوئی تیز کوئی ست ہے۔ ہو سکتا ہے ماں باپ ان میں سے کسی ایک سے دوسروں کسی نسبت زیادہ محبت کرتے ہوں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ دل کی محبت اور پسند انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ اور جب تک اس فرق کا ۶ لا اظہار نہ ہو تو یہ نقصان دہ نہیں ہے۔ لیکن ماں باپ کو ۶ اور زبان سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے سے سختی سے بچنا چاہیے۔ ۶ ، گفتار، اور اظہار محبت کرتے ہوئے مساوات اور برابری کو پوری طرح سے ملحوظ رکھنا چاہیے اس طرح سے کہ بچہ محسوس نہ کرے کہ دوسرے کو ۶ پر ترجیح دی جا رہی ہے۔ اگر آپ کسی بچے کو اس کے کام پر تشویق کرنا چاہیے ہیں تو منفی اور پسر کریں۔ دوسرے بن بھائیوں کی موجودگی میں نہ کریں۔ البتہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ماں باپ عادلانہ طرز ۶ اور مساوات بن بھائیوں کو موجودگی میں نہ کریں۔ البتہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ماں باپ عادلانہ طرز ۶ اور مساوات سے بن بھائیوں کے درمیان محبت سے حسد پاک ختم کر دیں۔ کیونکہ حسد انسان کے با نی مزاج میں موجود ہوتا ہے۔ ہر بچے کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ ماں باپ کو زیادہ لاؤ لاہو اور اس لے علاوہ دوسرا ان کے دل میں نہ سمائے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ ماں باپ دوسرے سے اظہار محبت کر رہے ہیں تو اسے اچھا نہیں لگتا اور اس کے دل میں حسد پیدا ہوتا ہے لیکن اس کا کوئی چارہ نہیں ہے۔ بچے کو آہستہ آہستہ یہ بات سمجھنی چاہیے کہ وہ تنہا ماں باپ کا محبوب نہیں بن سکتا۔ دوسروں کا بھی اس میں ہے۔ ماں باپ اپنے عادلانہ اور عادلانہ طرز ۶ سے بچے کو دوسرے بن بھائیوں کو قبول کرنے کے لیے آمادہ کر سکتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہو سکے اس ک حسد سے بچا سکتے ہیں۔

اگر آپ دیکھیں کہ آپ کا بیٹا دوسرے بھائی یا بن سے حسد کرتا ہے۔ اسے اذیت کرتا ہے۔ مارتا ہے، چٹکیاں لیتا ہے۔ گالی دیتا ہے اس کے ک لونے توڑتا ہے، ان

کے صے کے پھ اور کھانا چھین لینا ہے۔ اس صورت میں ماں باپ خاموش نہیں رہ سکتے کیوں کہ ہو سکتا ہے ان کس خاموشی کے اچھے نتائج نہ دلیں۔ ناچار زیادتی کرنے والے بچے کو انہیں روکنا چاہیے لیکن ماں سے لاج نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس طریقے سے ممکن ہے صورت حال اور بھی بگڑ جائے اور اس کے حسد میں اضافہ ہو جائے۔ بہتر ہے کہ اسے سختی سے روکیں اور کہیں میں اجازت نہیں دے سکتا کہ ہنی یا بھائی کو تنگ کرو۔ آخر یہ تہمدی بن ہے اگر تم اسے پیدا نہ کرو تو کون کرے گا اور یہ تہمدی بھائی ہے تہمدی تو چاہیے کہ دوسرے ان پہ زیادتی کریں تو تم ان کی حفاظت کرو۔ یہ تم سے کتنا پیدا کرتے ہیں۔ اللہ نہ تہمدی کتنے پیارے بن بھائی د ہیں اور ہمیں تم سے پیار ہے۔ تہمدی نہیں چاہیے کہ ایک دوسرے کو سناؤ اور تنگ کرو۔

آخر میں ضروری ہے کہ اس بات کا ذکر کیا جائے کہ بچوں کے درمیان کا مساوات کو ملحوظ رکھنا شاید ممکن نہ ہو۔ ماں باپ چھوٹے بڑے، بیٹی اور بیٹے کے ساتھ ایک جیسا سلوک کئے کر سکتے ہیں۔ بڑے بچوں کو نسبتاً زیادہ آزادی دی جا سکتی ہے۔ لیکن چھوٹوں کو آزادی نہیں دی جا سکتی۔ بڑے بچوں کو زیادہ جیہ خرچ کی ضرورت ہوتی ہے اور چھوٹوں کو نہیں چھوٹے بچوں کو زیادہ ضرورت ہوتی ہے کہ ان کی رکھوالی کی جائے اور ماں باپ ان کی طرف زیادہ توجہ دیں۔ کہیں آتے جاتے ہوئے بیٹیوں کی نسبت بیٹوں کو زیادہ آزادی دی جا سکتی ہے اور منہ بھی نہیں کہ بیٹیوں کو زیادہ آزادی دی جائے۔ لہذا مساوات اور عدالت کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ عمر اور جنس کے اختلاف کے تقاضوں کو بھی ماں باپ کو ملحوظ رکھنا ہوتا ہے اور ان کی ضروریات کے فرق کا بھروسہ رکھنا پڑتا ہے۔ اس وجہ سے خواہ مخواہ فرق پیدا ہوتا ہے لیکن سب ر ماں باپ اس طرح کے فرق کو ہنی اولاد کے سامنے بیان کر سکتے ہیں اور انہیں سمجھا سکتے ہیں کہ یہ اس لیے نہیں ہے کہ ہم لیک کو دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں بلکہ عمر اور جنس کے فرق کس وجہ سے ایسا ہے مثلاً بڑے بیٹیوں سے کہا جا سکتا ہے۔ تہمدی یہ بھائی چھوٹا اور کمزور ہے۔ خود سے کام نہیں

کر سکتا۔ اپنے آپ کو گندا کر لیتا ہے۔ خود سے کھانا نہیں کھا سکتا۔ اسے امی اور ابو کی زیادہ ضرورت ہے لیکن تم ماشاء اللہ۔ بڑے ہو گئے ہو۔ تم میں توانائی زیادہ ہے اور تھے کی طرح سے تمہاری دیکھا بھال کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہم اس پر زیادہ وقت لگاتے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ہمیں اس سے زیادہ محبت ہے۔ بلکہ چاہہا نہیں ہے۔ مطمئن رہو کہ ہماری تم سے محبت کم نہیں ہوگی۔ جب تم چھوٹے سے تھے تو اسی طرح سے تمہارا بھی خیال رکھنا پڑتا تھا۔

آخر میں اس نکتے کا ذکر بھی ضروری ہے کہ اسلام کی نظر میں حسد اگرچہ تقبیح اور برا ہے اور اسے گناہوں میں سے شمار کیا گیا ہے لیکن رشک نہ صرف یہ کہ برا نہیں ہے بلکہ جدوجہد، کوشش اور انسانی ترقی کے عوام میں سے ہے۔ رشک اور حسد میں فرق یہ ہے کہ دوسروں کے پاس کسی نعمت کو دیکھا کر اگر انسان ناراحت ہو جائے اور یہ آرزو کرے کہ یہ ان کے پاس نہ رہے تو یہ حسد ہے۔ جب کہ رشک یہ ہے کہ انسان دوسروں سے اس نعمت کے چھین جانے کی آرزو نہ کرے۔ بلکہ یہ آرزو کرے کہ یہ نعمت اس کو بھی میسر آئے۔ اور یہ آرزو بری نہیں ہے۔

ایک صاحب لکھتے ہیں:

میری ایک بہن تھی جس سے دو سال بڑی تھی امی ابو بن کی نسبت جس سے زیادہ پیار کرتے تھے۔ جو بھی میں آرزو کرتا۔ نوراً سے پورا کر دیتے۔ ہر جا، میرے تعریف کرتے لیکن میری بہن کی طرف کوئی توجہ نہ دیتے۔ جب کہ بہن مجھے تنگ کرتی اور اسے جب بھی اسے موقع ملتا مجھے ملتی ہمیشہ مجھے تنگ کرتی رہتی۔ برا بھلا کہتی۔ مذاق اڑاتی۔ میرے کالونے خراب کر دیتی۔ اسے اپنا نہ لیتا کہ میں ایک مرد بھی خوش رہوں میں ہمیشہ سوچتا رہتا کہ بہن مجھے آخر تنگ کیوں کرتی ہے آخر میں نے کیا کیا ہے وہ جس سے بہت

حسد کرتی تھی اور شاید اس کی وجہ وہ ماں باپ کا بُ سے ترجیحی سلوک تھا۔ وہ اپنے متین بُ سے بھلائی کرنا چاہتے تھے۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ بُ سے انتقام لے گی اور صبح و شام مجھے ستائے گی۔ اب جب کہ میرے وارثین دینا سے جا چکے ہیں میری بُ پر انتہائی مہربان ہے۔ وہ تیار نہیں ہے کہ بُ ذرہ بُر بھی تالیف پہنچے۔

غصہ انسانی بیعت کا حصہ ہے اس کی بنیاد انسانی جہالت میں موجود ہے اس نیر معمولی نفسیاتی کیفیت کا آغاز انسان کے دل و دماغ سے ہوتا ہے ، پر یہ کیفیت شعلہ آگ کے مانند پورے جسم پر چھا جاتی ہے ۔ آنکھیں اور چہرہ سرخ ہو جاتا ہے ۔ ہاتھ پاؤں کا پھینے لگتے ہیں ۔ منہ سے جھاگ لگتی ہے ۔ انسان کے اعصاب اس کے کنٹرول سے نکل جاتے ہیں ۔ غصیلے شخص کی عقدا کام نہیں کرتی اور اس حالت میں اس میں اور کسی پاگ میں کوئی فرق نہیں ہوتا ۔ ایہ عام میں ممکن ہے اس سے ایسی غلایاں سرزد ہوں جن میں کسی سزا سے پوری عمر گتتا پڑے ۔

حضرت علیہ علیہ السلام فرماتے ہیں:

غصے سے بچو کیونکہ اس کی ابتداء جنون سے ہوتی ہے اور اجہاء پشیمانی پر ⁽¹⁾۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

غصہ تمام برائیوں اور جرائم کی بی ہے ⁽²⁾۔

غصہ انسان کے دین اور ایمان کو بھی نقصان پہنچاتا ہے اور اس کے نیک اعمال کو بھی غارت کر دیتا ہے ۔

1_ مستدرک ، ج 2 ، ص 326

2_ اصول کافی ، ج 2 ، ص 303

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں:

غصہ ایمان کو یوں ختم کر دیتا ہے جھٹ سر کہ شہد کو تباہ کر دیتا ہے (1)

غصہ ایمان کے عام میں انسان احمقانہ باتیں کرتا ہے اور اس سے ایسا غلط کام صادر ہوتے ہیں جو اس کے بان کو آشکار کر دیتے ہیں اور اسے دوسروں کی نظر میں رسوا کر دیتے ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

غصہ ایک برا ساتھی ہے کہ جو انسان کی خامیوں کو آشکار کر دیتا ہے۔ انسان کو برائی سے قریب اور نیکی سے دور کر دیتا ہے۔ (2)

داغی غصہ انسان کے دل اور اعصاب پر برے اثرات مرتب کرتا ہے اور انہیں کمزور مضمحل کر دیتا ہے۔ لہذا جو شخص ہنس چہیت، صحت اور دین کا خیر خواہ ہے اسے چاہے کہ اس بری صفت کا سختی سے مقابلہ کرے اور اس امر کے لیے خبردار ہے کہ کہیں غصہ۔ اس کے اعصابی کنٹرول کو چھین لے اور اس کا دین و دنیا اور عزت و آبرو برباد کر دے۔ اس نکتے کی یاد دہانی بھس ضروری ہے کہ۔ غصہ ہر جا، اور ہر حال میں برا، ناپسندیدہ اور نقصان دہ نہیں ہے بلکہ اگر اس سے صحیح موقع پر صحیح طریقے سے استفادہ کیا جائے تو یہ۔ انسانی زندگی کے لیے بہت فائدہ مند ہے۔ اسی جہلت سے انسان اپنی جان، مال، اولاد، دین، و ن اور دیگر انسانوں کا دفاع کرتا ہے۔ اس جہلت کی موجودگی کے بغیر انسان آبرو مندانہ زندگی نہیں گزار سکتا۔ یہ جہلت اگر عقدا کے اختیار میں رہے تو نہ فقط نقصان دہ نہیں ہے بلکہ مفید ہے۔

راہ خدا میں جہل، دین و ن کا دفاع، امر بالمعروف و نہی المنکر عزت و ناموس کی حفاظت، ظلم کے خلاف قیام، مظلوموں کی حمایت، کفر اور بے دینی سے مقابلہ اور ستم رسیدہ انسانوں کی حمایت۔ یہ کام اسی وقت کی برت سے انجام پاتے ہیں۔

1_ اصول کافی، ج 2، ص 302

2_ مستدرک، ج 2، ص 326

ایک مندرین اور ذمہ دار مہمان زندگی کے تلخ و ناگوار حوادث کے سامنے ، ظلم اور کشتی کے سامنے ، استبداد اور آمریت کے سامنے ، برائی اور گناہ کے سامنے ، لوگوں کے اموال پر تجاوز کے مقابلے میں ، سامراج اور استعمار کے مقابلے میں ، ملتوں کو غلاموں کے وق پہناتنے کے مقابلے میں ، بے دینی اور مادہ پرستی کے مقابلہ میں خاموش اور لاتعلی رہے ، اسلام اس کس اجازت نہیں دیتا۔ لیکن اس کے غصے کو اس کی عقید پر بالادستی حاصل نہیں ہونا چاہئے کیونکہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

اگر تونے غصے کی پیروی کی تو یہ تجھے لات تک جا پہنچائے گا۔⁽¹⁾

یہ درت نہیں ہے کہ اس قوت کو بالک عمم کر دیا جائے اور انسان لاتعلی ، بے حس اور بے نیرت ہو جائے۔ بلکہ۔ افراط و تفریط سے احتیاب کرنا چاہیے اور اس قوت کو صحیح طریقے سے پران چڑھانا چاہیے۔ تاکہ ضروری مواقع پر اس سے استفادہ کیا جاسکے۔ غصہ۔ دیگر صفت کی طرح بچپن ن سے انسان میں نشوونما حاصل کرتا ہے۔ یہ تمام انسانوں کی سرشت کا حصہ ہے لیکن ، اس کی کس زیادتی کا تعلی تربیت ، ماحول اور ماں باپ سے ہے ماں باپ اپنے طرز سے اس قوت کو حالت اعتدال میں بھی رکھ سکتے ہیں اور افراط یا تفریط کی طرف بھی لے جاسکتے ہیں۔ اس امر کی طرف توجہ بھی ضروری ہے کہ انسانوں کا مزاج ایک سا نہیں ہوتا کسی میں غصہ زیادہ ہوتا ہے اور کسی میں پیدائشی ور پر کم۔ عقلمند اور بلندبیر ماں باپ بچے کے خاص مزاج کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کی تربیت کرتے ہیں اور اس کی جنلی قوتوں کو اعتدال پر لاتے ن اور اسے افراط و تفریط کے عوا سے بچاتے ہیں۔

بچہ غصے میں چیخنا چلانا ہے ، اس کا بدن کا پنتا ہے ، چہرے کا رنگ متنزیر ہو جاتا ہے زمین پر پاؤں مارتا ہے اور لوٹتا ہے ایب عام میں وہ سخت ست جملے بولتا ہے کون میں جالتا ہے لیکن اس کا مقصد شرارت نہیں ہوتا۔ ضروری ہے کہ بچے کے غصے کس وجہ۔ دریافت کی جائے اور اسے دور کیا جائے۔

غصہ کھلی ور پر کسی پریشانی اور ناراحتی سے پیدا ہوتا ہے۔ شدید درد تھکاوٹ زیادہ بے خوابی، بھوک، شدید پیاس اور گرمی اور سردی کا غیر معمولی احساس نو مولود اور چھوٹی عمر کے بچوں کو بے آرام کر دیتا ہے اور اس کے غصے کو بڑھاتا ہے بچے کی توہین کرنا اور اسے اذیت دینا۔ اس کی خواہشوں کے خلاف قیام کرنا، اس کی آزادی کو کرنا، خواہ مخواہ اس پر پابندیاں عائد کرنا، دوسرے کو تہمتیں دینا اور جانے کا احساس اور ناانصافیاں، اس امر کا احساس کہ مجھ سے پیار نہیں کیا جاتا، اس پر زبردستی بات ٹھونسنا، بچے کی خود اتمادی کو نقصان پہنچانا، ناتوانی کا احساس اور کامیاب نہ ہونے کا احساس، مشاک اور طاقت فرسا اکالات، سخت ڈانڈہ ڈپہ ان میں سے ہر امر بچے کا پھین چھین لینا ہے اور اس کے غصے کو بڑھاتا ہے اور اگر ایسی چیزوں کا تکرار ہوتا رہے تو بچے کے اندر غصے کی سرشت کو تقویت ملتی ہے اور وہ ایک غصیلہ اور چڑا شخص بن جاتا ہے۔ بعض ماں باپ بچوں کو غصے کا سبب دیتے ہیں۔ ان پر چیختے ہیں اور سختی کرتے ہیں۔ ان کے غصے کے مقابلے میں غصے ہو جاتے ہیں۔ اس طرح سے انہیں زیادہ غصیلہ بناتے ہیں۔

اگر آپ کا بچہ غصے میں آیا ہو تو آپ اس کے مقابلے میں غصہ نہ کریں۔ اس بات کا اطمینان رکھیں وہ کسی برائی کا ارادہ نہیں کرتا۔ آپ اس امر کی کوشش کریں کہ اس کی ناراضگی کی وجہ معلوم کریں۔ اگر اس درد دہے تو اس کا علاج کریں۔

اگر بھوکا اور پیاسا ہے تو اسے کوئی چیز کھانے پینے کے لیے دیں۔ اگر تھکا ہوا ہے تو اسے سلا دیں۔ اگر آپ کے کاموں یا طرز عمل کی وجہ سے وہ غصے میں ہے تو آپ تلافی اور اصلاح کریں۔ اگر اس کا غصہ خیال اور ادراک بھٹکنے کی وجہ سے پھیرا ہو گیا ہے تو اس کے اشتباہ کو دور کریں۔ اگر اسے روحانی ور پر تقویت کی ضرورت ہے تو آپ وہ مہیا کریں۔ اگر اس کس کوئی جائز خواہش ہے اور آپ اسے پورا کر سکتے ہیں تو پورا کریں لیکن جب وہ معمول کی حالت پر آجائے تو کہیں کہ انسان کو جو چیز چاہیے تو اسے زبان سے ماننا چاہیے نہ کے غصے اور زور سے اس دفتر تو میں نے تمہاری خواہش پوری کر دی ہے لیکن آئندہ اگر تم نے غصے اور زور سے کوئی بات منوانے کی کوشش کی تو پوری نہیں کی جائے گی۔

حضرت علیہ علیہ اسلام فرماتے ہیں:

"غصے سے بچو کہیں یہ تم پر م ط ن نہ ہو جائے اور ایک عادت ن نہ بن جائے" (1)۔

چوچڑے بچے زود رنج ہوتے ہیں اور چھوٹی سی بات پر غصے میں آجاتے ہیں۔ کیونکہ ان کی روح قوی نہیں ہوتی۔ لہذا وہ کوئی بھسی
نہیں دیکھتے۔ بات برداشت نہیں کر سکتے اور معمولی سی چیز پر بھی متاثر ہو جاتے ہیں اور غصے میں آجاتے ہیں۔

1۔ غرراکم ص 809

بدزبانی

بدگوئی ایک بری عادت ہے۔ بدزبان ہنی بات کا پابند نہیں ہوتا۔ جو پ۔ اس کے منہ میں آتا ہے کہے جاتا ہے، گالی بکتا ہے، نار-زا کہتا رہتا ہے، شور مچاتا ہے، برا بھلا کہتا رہتا ہے۔ ط ن زنی کرتا ہے، زبان کے چر کے لگتا ہے۔

بدزبانی حرام ہے اور گناہان کبیرہ میں سے ہے۔

رسول اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا:

بد زبانی کرنے والے پر اللہ نے بہشت کو حرام قرار دیا ہے اور گالی دینے والے، بے حیا اور بد تمیز پر بھی جنت حرام ہے۔ پ-رگو شخص جو پ۔ دوسروں کے بارے میں کہتا ہے نہ اس کا خیال رکھتا ہے اور جو پ۔ دوسرے اس کے بارے میں کہتے ہیں ن اس پر دھیان دیتا ہے۔⁽¹⁾ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

دشنام طرازی، بدگوئی اور زبان درازی نفاق اور بے ایمانی کی نشانیوں میں سے ہے۔⁽²⁾

اللہ تالی قرآن میں فرماتا ہے:

1_ اصول کافی، ج 2، ص 323

2_ اصول کافی، ج 2، ص 235

وَيْلٌ لِّكُلِّ هَمَزَةٍ لُّمُزَةٍ۔

افسوس ہے ایہ افراد پر کہ جو لوگوں کی عیرو جوئی اور طن و تمخر کرتے ہیں۔ (ہمزہ 1)۔

بدزبانی افراد گھٹیا اور کم ظرف ہوتے ہیں اس بری عادت کی وجہ سے لوگوں کو اپنا دشمن بنالیتے ہیں۔ لوگ ان سے نفرت کرتے ہیں۔

لوگ ان کی زبان سے ڈرتے ہیں اور ان سے مسی لاقات سے دور بھاگتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا: لوگوں میں سے بدترین وہ ہے کہ لوگ جس کی زبان سے ڈریں اور اس کے ساتھ ہم نشینی کو پسند نہ کریں۔⁽¹⁾ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا: لوگوں میں سے بدترین وہ ہے کہ لوگ جس کی زبان سے ڈریں اور اس کے ساتھ ہم نشینی کو پسند نہ کریں۔⁽¹⁾ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا: لوگ جس کی زبان سے بھی ڈریں وہ جہنم میں جائے گا۔

رسول اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا: مومن طن زنی نہیں کرتا، برا بھلا نہیں کہتا رہتا، دشنام طرازی نہیں کرتا۔

اور بدزبانی نہیں کرتا۔⁽³⁾ بچہ فطری ور پر بدزبان نہیں ہوتا۔ یہ بری صنت وہ اپنے ماں باپ، بن بھائی یا، دوستوں، ہم جولیوں اور ہم جماعت بچوں سے سیکھتا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں ماں باپ کا اثر سے زیادہ ہوتا ہے۔ ماں باپ اپنے بچے کے لیے مؤثر ترین نمونہ ہوتے ہیں۔ لہذا ماں باپ نہ فقط اپنے قول و فعل کے ذمہ دار ہیں بلکہ بچوں کی تربیت کے بھی ذمہ دار ہیں۔ یہ۔

ماں باپ ن ہیں جو بچے کو خوش لام یا بدزبان بنا دیتے ہیں۔ بعض ماں باپ مذاق

1_ اصول کافی، ج 2، ص 325

2_ اصول کافی، ج 2، ص 327

3_ مہجۃ البیضاء، ج 3، ص 127

کے ور پر یا غصے میں اپنے بچوں کو بدزبانی کا عملی درس دیتے ہیں۔ بعض گروں میں اس طرح کے کلمات روز مرہ کا معمول ہیں:

کتے کا بچہ ، کتے کی ماں ، کبیتا کی بیٹی، ا ، بے وقوف ، بے شعر ، رہا ، حیوان ، حرام زواہ ، پاگد ، سست ، بے ادب ، بے نیرت ، خدا ہمیں موت دے ، گاڑی کے نیچے آؤ نیرہ ۔ بھی ماں باپ ایک دوسرے کی عیہ جوئی کرتے ہیں ، ایک دوسرے کا مذاق اڑاتے ہیں یا ایک دوسرے کو گالی دیتے ہیں ۔

ماں باپ جن کا فرض یہ ہے کہ بچوں کی کمزوریوں کو چھپائیں وہ بھی خود بچوں کی عیہ جوئی کرنے لگتے ہیں ، انہیں طے دیتے ہیں ، ان پر نر کرتے ہیں اور انہیں سخت ست کلمات کہتے ہیں ۔ کیا اب ماں باپ کو توقع ہے کہ اب خاندان کا بچہ خوش زبان ہوگا ۔ ایسی توقع عموماً پوری نہیں ہوتی ۔ اب ماں باپ کو توقع رکھنا چاہے کہ ان کے بچے انہی کی طرح بلکہ اسے بڑھ کر بر زبان ہوں ۔ انہیں امید رکھنا چاہے کہ وہ بعینہ یہی الفاظ بچوں کے منہ سے سنیں ۔ وعظ و نصیحت اور مارپیہ سے بچے کو اس بری عادت سے نہیں روکا جا سکتا ۔ بہترین طریقہ یہ ہے کہ ماں باپ اپنی لاج کریں اور پرنچے کی لاج کی طرف متوجہ ہوں ۔

بھی بچے یہ بری عادت اپنے ہمجولیوں سے سیکھتے ہیں لہذا ماں باپ کو اس امر کی طرف توجہ رکھنا چاہیے کہ ان کے بچوں کے دو ت کس طرح کے ہیں ۔ انہیں اس بات کی اجازت نہ دیں کہ بد زبان بچوں سے مسیہ جول رکھیں ۔

اگر آپ بھی اپنے بچے سے کوئی نش یا بری بات سنیں تو ہنس کر یا مکر کر اس کی تائید نہ کریں ۔ گالی اور غصے کے ذریعے سے بھی بچے کو ایسی بات سے نہ روکیں کیونکہ اس طریقے کا نتیجہ زیادہ تر الہ ن ملتا ہے بلکہ اسے اچھے انداز سے اور پیار سے سمجھائیں ۔

اس سے کہیں گالی دینا بری عادت ہے اچھے بچے بھی گالی نہیں دیتے ۔

چٹ خوری

چٹ خوری ایک اہمائی بری عادت ہے کہ جو بد قسمتی سے بہت سے افراد میں پائی جاتی ہے اگر کوئی شخص کسی کے بارے میں بری بات کرتا ہے اور اسے اے پہنچانا ہے اور کہتا ہے 'لان نے تیرے بار میں ایسا ویسا ہا ہے' چٹ خوری پست کسری اور شہرت کسی صفات میں سے ہے۔ اس سے ایک دوسرے کے درمیان کینہ اور دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔ دوستوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتی ہے۔ بہت سے جرائم، گڑھے، قتل، لڑائیاں اسی چٹ خوری کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ کتنے گروں کو اس عادت نے خراب کر دیا ہے۔ میاں بیوی کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہے اورین سے بچوں کو جدا کر دیا ہے۔ دارین سے بچوں کو جدا کر دیا ہے۔ چٹ خور لوگوں کے راز فاش کرتا ہے۔ جب کہ خدا اس امر پر راضی نہیں ہے۔ چٹ خور کی لوگوں میں کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اسے شیطان، جاسوس اور بدذات سمجھا جاتا ہے، زیادہ تر لوگ اس سے ہم نشینی اور دوستی سے گریز کرتے ہیں اور اس پر اور اس کے دارین پر انتہا سے بدترین چٹ خوری ظالموں کے لیے جاسوسی کرنا اور ٹوہ لگانا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی ظالم کے لیے جاسوسی کرے اور کسی مہمان کو مصیبت میں پھنسا دے۔ اور اس کی قید، اذیت یا قتل کا سبب بنے تو وہ ظالم کے ظلم میں شریک ہے۔ روز قیامت اسے سزا ملے گی۔ اگرچہ وہ ظلم اور قتل کے جرم میں ظاہر شریک نہ ہو۔

رسول اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم فرماتے ہیں:

سے برا شخص وہ ہے جو اپنے مہمان بھائی کی بادشاہ کے پاس چغلی کرے

اور اس کی جاسوسی کرے۔ یہ جاسوسی اس کے لیے بھی باعثِ لات ہے

اس کے بھائی کے لیے بھی اور بلاشاہ کے لیے بھی۔ (1)

اسلام کے دینِ مترس نے جاسوسی اور چغّ خوری کو حرام قرار دیا ہے اور اس سلسلے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

چغّ خور پہ بہشت حرام کردی گئی ہے اور وہ اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ (2)

امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں: تم میں سے شریر اور برے وہ ہیں کہ جو چغّ خوری سے دوستوں کے درمیان جدائی ڈال دیتے

ہیں اور پاکدامن افراد کی عیب جوئی کرتے ہیں۔ (3)

چغّ خوری کی مختلف وجوہات ہوسکتی ہیں۔ بھی دشمنی اس کا باعث بنتی ہے۔ چغّ خور کو کسی ایک یا دونوں افراد سے دشمنی ہوتی

ہے اس لیے ایک سے دوسرے کی بات بیان کرتا ہے تاکہ ان میں پھوٹ پڑ جائے۔ اور وہ آپس میں لڑ پڑیں۔ بھیس کسوئی شخص

خود عمائی اور دوستی و خیر خواہی جتانے کے لیے چغّلی کھاتا ہے۔ اور بھی اس کا مقصد فقط مفسد آرائی ہوتا ہے۔ بہر حال مقصد چغّ

بھی ہو کام بہت برا ہے کہ ایک ممان کو جس سے بہر حال احتساب کرنا چاہیے۔ دینِ مترس اسلام نے چغّلی سننے تک کو حرام قرار

دیا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم فرماتے ہیں: چغّ خوری نہ کرو اور نہ چغّ خور کی بات پر کان لگاؤ۔ (4)

1_ بحار، ج 75، ص 266

2_ اصول کافی، ج 2 ص 369

3_ اصول کافی، ج 2، ص 379

4_ مجمع الزوائد، ج 8، ص 91

علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

ٹوہ لگانے والے اور چنّ خور کی بات کی تزیب کرو وہ غلط ہو یا صحیح۔⁽¹⁾

دراخ ہے کہ اگر کوئی شخص چنّ خور کی باتوں پر کان نہ دے گا تو وہ ناچار اس عادت سے دستبردار ہو جائے گا۔ جو شخص کس کس کی چغلی آپ کے سامنے کرتا ہے آپ اطمینان رکھیں کہ وہ آپ کا حقیقی دوست اور خیر خواہ نہیں ہے۔ اگر وہ آپ کا دوست ہوگا تو کھنے والے کے سامنے ہمارا دفاع کرتا نہ کہ اس کی بات آکر ہمارے سامنے نقل کرتا۔ تاکہ تم غصے میں جلو اور پریشان ہو۔ اور بھی وہ ہمیں غلط کاموں پہ ابھارتا ہے، مہمان کو چاہیے کہ وہ راز دار ہو اور اپنی زبان پر کنول کرے اور جاسوسی اور چنّ۔ خوری سے پرہیز کرے۔ بہت سے لوگ یہ ناپاک عادت بچپن میں ماں باپ کے ہاں سے حاصل کرتے ہیں۔ لہذا ماں باپ کی بھس اس سلسلے میں ذمہ داری ہے۔ اپنی اولاد کو اس بری عادت سے بچانے کے لیے پہلے ماں باپ کو چاہیے کہ وہ کسی کی چغلی نہ کھائیں۔ اس کو نہیں چاہیے کہ وہ پھوپھی، باجی، خالہ اور ہمسائیوں کی شکایتیں اپنے شوہر سے کرے۔ اور شوہر بھی بیوی سے دوسروں کی چغلی نہ کھائے کیونکہ اگر ماں باپ کو چنّ خوری کی عادت ہوگی تو ان کی اولاد بھی ان کی تقلید کرے گی۔ اور اس بری عادت کو ان سے سیکھے گی۔ بھی کوئی بچہ اپنی امی، نیا یا بھائی کی شکایت ان سے کرتا ہے اور چغلی کھاتا ہے۔ اس موقع پر باپ کس ذمہ داری ہے کہ درانچے کو روکے اور اس سے کہیں کہ چغلی کھانا برا کام ہے۔ کیوں امی امی کی بات میرے سامنے بیان کرتے ہو؟ مجھے لچھا نہیں لگتا کہ تم دوسروں کی باتیں سے بیان کرو۔ پر میں نہ دیکھوں کہ تو چغلی کھاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کی چغلیوں پر ردّ۔ بھس بالک ظاہر نہ کریں اور انہیں بالک نظر انداز کر دیں۔ بچوں کو یہ بری عادت نہ پڑے اس لیے

پیغمبر اسلام (ص) نے فرمایا: "چنّ خوری کی چغلیوں پہ کان نہ درو"

عیب جوئی

لوگوں میں یہیہنی کیے نکالنا بھی بری اور مذموم عادتوں میں سے ہے۔ عیہ جوئی کرنے والے شخص سے لوگ نفرت کرتے ہیں اور اس سے میہ لاپ پسند نہیں کرتے۔ عیہ جوئی دشمنی اور کینے کا باعث بن جاتی ہے، دوستیوں کے بندھن توڑ دیتی ہے اور دوستوں کے مابین جدائی ڈال دیتی ہے۔ اگر کسی کی نیر موجودگی میں اس کی عیہ جوئی کی جائے تو یہ نیت ہے اور سامنے کی جائے تو بھس برائی ہے۔ دین مٹرس اسلام نے اس بڑی عادت کو گناہوں کبیرہ میں سے شمار کیا ہے اس بارے میں بہت سی احادیث مروی ہیں۔
مضلا:

رسول اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے ایک > بہ دیتے ہوئے باآواز بلند فرمایا:

اے وہ لوگو کہ جو زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتے ہو۔ لیکن تمہارے دلوں میں ایمان داغ نہیں ہو ملمانوں کی نیت اور بدگوئی نہ۔ کرو اور ان کے عیہ تلاش نہ کرتے رہو کیونکہ ہر وہ شخص جو اپنے بھائی کے عیہ ڈھونڈے اللہ اس کے عیوب آشکار کر دے گا اور اسے لوگوں کی نظروں میں رسوا کر دے گا۔⁽¹⁾

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

جو شخص بھی کسی مومن سے متعلق کوئی ایسی بات کہے کہ جس سے اس کی عزت و آبرو جاتی ہو، اللہ اس سے اپنے دوستوں کے زمرے سے نکال کر شیطان کے دوستوں میں شامل کر دے گا اور شیطان بھی اسے قبول نہیں کرے گا۔⁽¹⁾

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا:

جو کوئی بھی کسی مہمان مرد یا عورت کی نیبت اور بدگوئی کرے گا، اللہ چالیس روز تک اس کی نماز روزہ قبول نہیں کرے گا مگر یہ۔ کہ جس کی اس نے نیبت کی ہے اس راضی کر لے۔⁽²⁾

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

نیبت اور بدگوئی حرام ہے اور نیکیوں کو یوں تباہ کر دیتی ہے جیسے آگ لہندھن کو جلا ڈالتی ہے۔⁽³⁾

بدقسمتی سے اتنا برا گناہ ہمارے لوگوں کا معمول بن چکا ہے۔ یہاں تک کہ اب یہ لوگوں کو برائی کا معلوم نہیں ہوتا اور لوگ اس کے عادی ہو چکے ہیں۔ ماں باپ کی برائی کرتی ہیں اور باپ ماں کی۔ ہمسائے اور رشتے دار ایک دوسرے کی عیب جوئی کرتے ہیں۔ معصوم بچے یہ بری عادت اپنے گھر اور ماں باپ کا سے پھرتے ہیں۔ بچے دوسرے بچوں کی عیب جوئی کرتے ہیں۔ سرسریجا بڑے ہو جاتے ہیں تو پھر اس خود کو چھوڑنا ان کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔

بعض ناسمجھ ماں باپ اپنے بچوں کی برائی بھی کرتے ہیں جب کہ انہیں اپنی اولاد

1_ جامع الادب، ج 2، ص 305

2_ جامع الادب، ج 2، ص 304

4_ جامع الادب، ج 2، ص 305

کی کوتاہیوں کو چھپانا چاہیے۔ بھی ماں باپ اپنی اولاد کی برائی اس کے سامنے مذاق کے ور پر یا غصے میں بیان کرتے ہیں۔
ایسی صورت میں بچے ماں باپ کے بارے میں بدن ہوجاتے ہیں، یا ان میں بھی یہ عادت پڑجاتی ہے اور یا پراپنے بارے میں وہ
احساس کمتری کا شکار ہوجاتے ہیں لہذا ماں باپ کو بچوں کی عیہ جوئی سے پرہیز کرن چاہیے۔

ر میں بچوں کا لڑائی جھگڑا

ایک بہت بڑی گریلو پریشانی بچوں کا لڑائی؟ گڑا ہے۔ بچے جب ایک سے زیادہ ہو جائیں تو پَر ان کے درمیان لڑائی جگہ بھی شروع ہو جاتا ہے۔ ایک دوسرے کو اپنے لیے بدشگون سمجھتا ہے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کو دکے دیتے ہیں، کالونے چھینچتے ہیں، ایک دوسرے کی کاپی پر لیریں کھینچ دیتے ہیں، مذاق اڑاتے ہیں، ایک شور مچاتا ہے تاکہ دوسرا اسکول کا سب یا دنہ کر سکے، ہر بچہ جانتا ہے کہ وہ کن طریقوں سے اپنے بھائی یا بن کو سنا اور لا سکتا ہے وہ ایک دوسرے کی خوب خبر لیتے ہیں۔ اس صورت حال پر ماں باپ بے چارے کڑھتے رہتے ہیں۔ لڑائی؟ گڑے کی شکایت ان کے پاس آتی ہے، خرابی تو اس وقت پیدا ہوتی ہے جب بچوں کس لڑائی ماں باپ پر اثر انداز ہو جاتی ہے۔ ماں باپ س کہتی ہے تم تو بچے کی تربیت کی طرف توجہ نہیں دیتے، وہ تم سے ڈرتے تھک نہیں، یہ تمہاری لا پرواہی کی وجہ سے گرامیدان جنگ بن چکا ہے۔

باپ، ماں سے کہتا ہے، اگر تو سبج رار عورت ہوتی تو یہ بچے اتنے شیطان اور نالائ نہ ہوتے۔ تیری حملت کی وجہ سے بچوں کس یہ۔ حالت ہے۔

یہاں پر ماں باپ کو یاد رکھنا چاہیے کہ بچے تو بچے ہوتے ہیں۔ ان سے اس بات کی توقع نہ رکھیں کہ وہ بیبتالیس سالہ کسی شخص کس طرح آرام سے کسی کونے میں بیٹھے ہوں۔ آپ اس حقیرت کو قبول کریں کہ بچوں کا لڑائی؟ گڑا تو ایک فطری سس بہت ہے۔ لڑائی تو بڑوں میں بھی ہو جاتی ہے۔ ایک گرام میں بچوں سے کسے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ ہمیشہ آرام و

سکون سے بیٹھے رہیں اور بھی لڑائی؟ گڑا نہ کریں۔ بچے تو شریہ ہوتے ہیں۔ وہ جاری پر آپس میں گھس جاتے ہیں بسڑوں کی طرح دیر تک ایک دوسرے سے منہ بسورے بیٹھے نہیں رہتے۔ ایک ماہر نفسیات اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ یہ بات ہمیں سوچنا نہیں چاہیے کہ ایک گر، اس میں چند بچے بھی ہوں مگر وہ ہمیشہ جگہ کر رہیں بھی لڑیں؟ گڑیں نہیں۔ ہم نے جس بچے سے بھی بات کی ہے وہ یہ کہتا ہے کہ امی لاو یہ سوپتے رہتے ہیں کہ ہم۔ سن بھائی جب اکٹھے ہوں تو ہمیں بہت زیادہ اتفاق و آرام سے رہنا چاہیے۔ اگر آپ حقیرت کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی اس توقع سے تھوڑا سا تیجھے جائیں تو بچوں کے اس لڑائی؟ گڑے سے اتنا پریشان نہیں ہوں۔ (1)

ہمیں یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیے کہ بچوں کے یہ عادت ہمیشہ نہیں رہے گی بلکہ عمر کے ساتھ ساتھ خود بخود ختم ہو جائے گی۔ اگر ماں باپ ان کے بچن کے طرز کو ایک حقیرت کے ور پر مان لیں تو پھر کسی حد تک انہیں اطمینان ہو جائے گا اور کم از کم وہ ان کے بچپن کے لڑائی؟ گڑے خود ان تک نہیں پہنچتے دیں۔

ایک ماہر نفسیات لکھتے ہیں:

شاید بچوں کے بہت سارے کام مثلاً آپس میں مذاق کرنا۔ ایک دوسرے سے لڑائی؟ گڑا کرنا۔ کشتی کرنا۔ صرف وقت کے ساتھ ساتھ اور ان کے بڑے ہونے سے ختم ہو جاتے ہیں۔ (2)

ہاں یہ درت ہے کہ زیادہ تر موقع پر ماں باپ بچوں کے لڑائی؟ گڑوں کو ختم نہیں کر سکتے لیکن عقدا اور تدبیر سے ان میں کس پیسرا کر سکتے ہیں۔ عقدا منہ ماں باپ بچوں کے

1_ روان شناسی کودک از تور تادہ سالگی ، ص 286

2_ روان شناسی کودک _ رفتار کودک از تور تادہ سالگی ص 286

لڑائی جگڑے پر بالکل تماشائی نہیں بنے رہ سکتے۔ بلکہ ان کی ذمہ داری ہے کہ عقیدہ و تدبیر سے اس کے عواہ کو ختم کریں۔ انہیں اجازت نہ دیں کہ وہ ایک دوسرے کو اذیت پہنچائیں۔ ماں باپ کو چاہیے کہ پہلے وہ اختلاف کے عواہ کو سمجھیں اور ان اسباب کو پیدا ہونے سے روکیں وگرنہ بر میں مسئلہ مٹکا ہو جائے گا۔ بچوں کے درمیان اختلاف کی ایک اہم وجہ ان کا آپس میں حسد ہے نظر انداز کرنے سے حسد ختم نہیں ہو سکتا۔ اور ڈاڈا ڈپا بھی اس کا علاج نہیں ہے۔ چاہیے کہ حسد پیدا ہونے کے اسباب کو روکا جائے۔

بچہ خود پرست ہے وہ چاہتا ہے کہ فقط وہ ماں باپ کا محبوب ہو اور کوئی اور ان کے دل میں جا نہ پائے۔ پہلا بچہ عموماً ماں باپ کو لاڈلا ہوتا ہے۔ وہ اس سے پیدا محبت کرتے ہیں۔ اس کی خواہشات کو پورا کرتے ہیں۔ لیکن جب دوسرا بچہ دنیا میں آتا ہے تو حالات بدل جاتے ہیں۔ ماں باپ کی پوری توجہ نو مولود کی طرف ہو جاتی ہے اب بڑا بچہ خطرہ کا احساس کرتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہ۔۔۔ ننھا بن بلا یا مہمان اب اس کا رقیب بن گیا ہے۔ اور ماں باپ کو اس نے اپنا بنالیا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس سے انتقام لینا چاہیے۔ لیکن نو مولود پر ماں باپ کی شفقت ہوتی ہے لہذا اسے قبول کیے بغیر چاہہ بھی نہیں ہوتا۔ ان حالات میں ممکن ہے بڑا بچہ اپنے آپ کو نیملا ظاہر کرے، زمین پر گر جائے، کھانا کھائے، غصہ کرے، روئے یا اپنے کپڑوں کو خراب کر دے تاکہ اس طرح سے وہ ماں باپ کی توجہ اپنی طرف مبذول کر سکے یہ بچہ اپنے آپ کو مظلوم سمجھتا ہے اور اسی وقت سے بھائی یا بہن کے بارے میں اپنے دل میں کینہ کر لیتا ہے۔ اور اس موقع کے انتظام میں رہتا ہے کہ اس سے انتقام لے سکے۔ اس کیفیت میں بچے پیسرا ہوتے ہیں اور گر کے دوسرے بچوں سے ملتے ہیں۔ انہیں حالات میں حسد اور کینہ پیدا ہوتا ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے کماں باپ شروع سے اپنے طرز پر توجہ رکھیں۔ اور بچوں میں حسد کے اسباب پیدا نہ ہونے دیں۔ سبب ماں باپ نو مولود کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی بڑے بچوں کو ذہنی طور پر اس کے استقبال کے لیے اور قبول کرنے کے لیے تیار کرتے ہیں۔ ان سے کہتے ہیں۔ انہیں پہلے ہی سمجھاتے ہیں کہ جو ننھا ننھا بھائی یا ننھی ننھی پیدا ہوگی۔ تعجب وہ بڑی ہوگی تو

تم سے پیدا کرے گی۔ تہارے ساتھ * کے کھیلے گی۔

اگر وہ نو مولود کے لیے کوئی چیز تیار کریں تو بڑے بچوں کے لیے بھی کوئی چیز خریدیں جب ماں نئی پیدائش کے لیے کسے میٹرک سٹیٹر میں داخل ہو جائے تو باپ بچوں کے لیے تحفہ لاسکتا ہے اور ان سے کہا سکتا ہے کہ یہ نھے کی آمد کی خوشی میں تہارے لیے تحفہ لایا ہوں۔ جب نو مولود آئے تو زیادہ شور و شرابہ نہ کریں اور دوسرے بچوں کی موجودگی میں اسی کی زیادہ تعریف نہ کریں۔ پہلے کی طرح بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ان کا خیال کریں۔ ان سے محبت کریں ایسا سلوک کریں کہ بڑے بچے مطمئن ہوں وہ سمجھیں کہ نئے بچے کہ آنے سے ان کی زندگی کو نقصان نہیں پہنچا۔ اس طرح سے وہ نئے بچے کے لیے ہنی گو دپھ۔ لاسکتے ہیں اور خوشی خوشی اس کا استقبال کرسکتے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر ماں باپ چاہیں کہ ان کے بچے آپس میں دوست ہوں اور ان میں لڑائی۔ گزبانہ ہو تو ان میں حسد کے اسباب پیدا ہونے دیں اور ان کو ایک آنگ سے دیکھیں۔ سے ایک جیسے سلوک کریں تاکہ وہ آپس میں دوست ہوں۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: انصاف اختلاف کو ختم کردیتا ہے اور دوستی کا سبب بنتا ہے۔ (1) امیر المؤمنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں: عادلانہ سلوک بہترین تدبیر ہے۔ (2) ممکن ہے بعض بچوں میں واقفیت خصوصیت ہو کہ جس کی وجہ سے ماں باپ کی محبت ان سے زیادہ ہو جائے۔ ہو سکتا ہے بعض بچے زیادہ ذہین ہوں، زیادہ خوبصورت ہوں۔ بعض کا اخلاق بہتر ہو۔ ہو سکتا ہے زیادہ محنتی ہو۔ ہو سکتا ہے بعض زیادہ خوش زبان ہوں، ہو سکتا ہے کسے کا سلوک دوسرے سے ماں باپ سے بہتر ہو۔ ہو سکتا ہے کوئی لاس سے دوسروں کی نسبت نمبر اچھے لائے۔ ہو سکتا ہے ماں باپ پیٹیں پاتا بیٹے

کو زیادہ پسند

1_ غرراکم، ص 64

2_ غرراکم، ص 64

کرتے ہوں۔

ممکن ہے اس میں کوئی حرج بھی نہ ہو کہ ماں باپ تلبا کسی ایک بچے کو زیادہ پسند کرتے ہوں لیکن ان کا سلوک سے ایک جیسے ہونا چاہیے اور اس میں فرق نہیں کرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ بچے ذرا بھی دوسرے کے بارے میں ترجیحی سلوک نہ دیکھیں۔ یہاں اس امر کا تذکرہ ضروری ہے کہ بچے ماں باپ کی محبت کے بارے میں بہت حساس ہوتے ہیں۔ اور اس پر بہت توجہ دیتے ہیں اور حقیرت کو جاسم لیتے ہیں۔ لہذا ماں باپ کو بہت محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔

بعض ماں باپ بچوں کی تربیت کے لیے ایک کی خصوصیت دوسرے کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں: حسنِ خوب سے۔ پڑھو تا کہ عباس کی طرح اچھے نمبر حاصل کر سکو۔ کہتے ہیں: زہرا تم اپنی ناز کی طرح ماں کی مدد کرو۔ کتنی اچھی پس ہے کہتے ہیں: رضا تم بھی اپنے بھائی علی کی طرح دسترخوان پر سلٹنے سے بیٹھو۔ دیکھو وہ کتنا باادب بچہ ہے۔ اب ماں باپ کا طرزِ عا بالکہ غلط ہے کیونکہ غلط ہے کیونکہ اس کا نہ فقط مثبت تربیتی نتیجہ نہیں ملتا بلکہ اس سے بچوں میں رقابت اور حسد پیدا ہو جاتا ہے اور انہیں انتقام اور دشمنی پر ابھارتا ہے۔ بھی بچے خود بھی ایسی باتوں کا اظہار کرتے ہیں۔

بچوں کے لڑائی۔ گڑے کی ایک وجہ ماں باپ کی ان سے بے جا توقع ہے۔ بچہ چاہتا ہے کہ اپنے بھائی یا ن کے کونوں سے ک لیے لیکن وہ اسے اس کی اجازت نہیں دیتے۔ لہذا لڑائی۔ گڑا شروع ہو جاتا ہے۔ اب وقت ماں یا باپ دخالت کرتے ہیں اور پیاز کے ساتھ سمجھاتے ہیں اور اگر پیدا کا اثر نہ ہو تو سختی سے انہیں سمجھاتے ہیں کہ وہ اپنے کونے اپنے بھائی کو دے دیں۔ مسئلہ کہتے ہیں: یہ تہدا بھائی ہے، کیوں اے کونے نہیں دیتے ہو کونے لائے وہم ن ہیں، کیا یہ تہدا ملکیت ہیں کہ جو اسے کھیلنے کی اجازت نہیں دیتے ہو اگر تم نے ایسا کیا تو پر تم سے ہم پیدا نہیں کریں۔ اور نہ ن آئندہ تمہیں کونے خرید کر دیں۔

بچہ بیچارہ مجبور ہو جاتا ہے۔ کونے دے تو دیتا ہے لیکن ماں یا باپ کو سخت مزاج

اور بھائی کو ظام سمجھنے لگتا ہے اور دل میں دونوں سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور جب بھی اسے موقع ملتا ہے پر وہ اس کا اظہار کرتا ہے کیوں کہ بچہ ان ک لونوں کو اپنا مال سمجھ رہا ہوتا ہے اور اس کا خیال ہوتا ہے کہ کسی کو نہیں کہ اس کس اجازت کے بیخبر انہیں ہات لگائے لہذا وہ اپنے آپ کو مظلوم اور اپنے بھائی اور باپ کو ظام سمجھتا ہے۔ اب موقع پر یہ بچہ پر ہے کیوں کہ ماں باپ کسی کو اجازت نہیں دیتے کہ ان کی مخصوص چیزوں کو کوئی چیرے پر یہ وہ بچوں کو کیوں نہیں دیتے اور ہر شخص کی پنی چیزیں ہوتی ہیں کہ جن کے استعمال سے وہ دوسروں کو روک سکتا ہے۔ البتہ عقلمند اور باتدبیر ماں باپ آہستہ آہستہ بچوں کے اندر تاون اور لٹار کا جذبہ پیدا کر سکتے ہیں۔ اور ایسی فضا پیدا کر سکتے ہیں کہ وہ خوشی خوشی اپنے بن بھائیوں کو اپنے ک لونوں سے کھیلنے اور پنی چیزوں کے استعمال کی اجازت دیں بھی اختلاف کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ بھس ماں باپ کوئی کام ایک بچے کے سپرد کر دیتے ہیں اور دوسروں کو اپنی چھوڑ دیتے ہیں اس صورت میں لڑائی گڑا شروع ہو جاتا ہے۔ اگر ماں باپ اس طرح کسی کشمکشوں سے بچنا چاہیں تو انہیں چاہیے کہ بچوں کو ایک نظر سے دیکھیں اور ان میں کوئی تفریق روانہ رکھیں۔ یا تو کس سے کوئی نہ کہیں۔ یا پر ان کی لاجت کو سمجھ کر ہر کسی کے لیے کوئی کام متعین کریں اور ان کے ذمہ لگائیں تاکہ اختلاف پیدا نہ ہو بیکاری بھی خرابیوں کی ایک وجہ ہے بچوں کی مشغولیت کے لیے کوئی کام ہونا چاہیے تاکہ ان میں گڑا کم سے کم ہو۔ خاص طور پر اگر ہ سکے تو انہیں کسی ایب کھیا پر ابھاریں کہ جے وہ کھیا سیں۔ یہ ان کے لیے بہت مفید ہوگا۔ بھس ماں باپ کی آپس کی لڑائی بھی بچوں میں گڑے کا باعث بن جاتی ہے۔ جب معصوم بچے دیکھتے ہیں کہ ان کے ماں باپ ہمیشہ ایک دوسرے سے وتکار اور لڑائی گڑا کرتے رہتے ہیں تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید لڑائی گڑا زندگی کے لازمی امور ہیں سے ہے۔ اور ایک ایسا کام ہے جس سے بچا نہیں جا سکتا۔ اس حاظ سے وہ ماں باپ کی تقلید کرتے ہیں۔ اور یہی کام وہ آپس میں کرتے ہیں۔ لہذا جو ماں باپ بچوں کے لڑائی گڑے سے تنگ ہوں انہیں پہلے پنی لاج

کرنا چاہیے۔ آپس کے نزاع اور کشمکش کو ترک کر دینا چاہیے۔ بچوں کی اصلاح کے درپے ہونا چاہیے۔ شاید ایسا کوئی خاندان کم سے ہو کہ جس میں بھی کوئی گڑا پیدا نہ ہو۔ لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ بچوں کی عدم موجودگی میں وہ آپس میں اس سلسلے میں بہت بات کریں۔ اور اگر کوئی بات بچوں کے سامنے ہو جائے تو وہ بچوں سے کہہ سکتے ہیں کہ کسی مسئلے پر ہمدا اختلاف رائے ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسے حل کریں۔

آخر میں ہم اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ ممکن ہے آپ ان تمام امور کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ لیکن پر بھی بچوں کے لڑائی، گڑے سے کا، اور پر نہ سہیں۔ آپ کو یہ توقع نہیں ہونی چاہیے۔ نہ ن ہم نے اس کس ضمیمات دی ہے۔ آپ کے بچے بھی عام بچوں کی طرح ہیں۔ بچوں کے گڑے ایک فطری سی بات ہے۔ بچوں میں توانائی زیادہ ہوتی ہے۔ جو وہ کاموں پہ خرچ کرتے ہیں۔ آپ متوجہ رہیں کہ وہ ایک دوسرے نقصان نہ پہنچائیں اور ایک دوسرے کو شدید اذیت نہ دیں بہتر یہ ہے کہ حتی الامکان بچوں کے چھوٹے موٹے جگڑوں میں آپ شریک نہ ہوں۔ انہیں آپ رہنے دیں کہ وہ اپنے مسئلے خود حل کریں۔ نہ ن آپ ایسی باتوں پر زیادہ پریشان ہوں۔ ان کا طرز خود ن ٹھیک ہو جائے گا۔

دوت اور دوستی

اچھا دوت اور مہربان رفیق اللہ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے۔ مصیبت میں دوت انسان کی پہلا ہوتا ہے اور تڑ- و روح کے آرام کا ذریعہ، مشکلات سے باری اس دنیا میں ایک حقیقی دوت کی موجودگی ہر انسان کی ضرورت ہے۔ جو شخص ایک مہربان دوت کی نعمت ہے محروم ہو وہ و ن سے دور تنہائی کی سی کیفیت میں ہوتا ہے اور کوئی اس کا غمخوار نہیں ہوتا کہ زندگی کی مشکلات میں وہ جس کا سہارا لے سکے۔

حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ دنیا میں آرام کا بہترین وسیلہ کیا ہے۔ فرمایا: کھلا گ-ر اور زیادہ دوت۔
(1) حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: کمزورترین شخص وہ ہے جو کسی کو دوت اور بھائی نہ بنا سکے۔ (2)

حضرت علی علیہ السلام ن فرماتے ہیں:

دوستوں کا نہ ہونا ایک طرح کی غریب الو نی او ر تنہائی ہے۔ (3)

1_ بحار، ج 74، ص 177

2_ نُج البلاغ، ج 3، ص 153

3_ بحار، ج 74، ص 178

جسے بڑوں کو دوستوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ بچوں کو بھی یاد دوت کی ضرورت ہوتی ہے جس بچے کا کوئی دوت نہ ہو وہ ہسر جا رہا ہے تنہا تنہا سا ، مرجھایا مرجھا یا سا اور افسردہ افسردہ سا رہتا ہے ۔ بچے کو فطری ور پر دوت کی خواہش ہوتی ہے اور اس فطری خواہش سے اسے محروم نہیں رکھا جا سکتا ۔ دوت اور ہم جولی میں فرق ہے ۔ ہو سکتا ہے اس کا ہم جولی تو ہو مگر دوت نہ ہو ۔ بھی بچہ ہم جولیوں اور لاس فیوژن میں سے کسی دوت کا انتخاب کرتا ہے ۔ شاید دوستی کا اصلی محرک اور عا زیادہ دانہ نہ ہو ۔ ہو سکتا ہے دو افراد کی باہن روحانی ہم آہنگی انہیں ایک دوسرے کے نزدیک کر دے ۔

امیر المونی علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

لوگوں کے دل بکتے ہوئے جنہلیوں کے مانند ہیں جو بھی ان سے محبت کرے اسی میں کھوجاتے ہیں ۔⁽¹⁾

دوت کسی پر ٹھونسا نہیں جا سکتا کہ ماں باپ اپنی اولاد سے کہیں کہ لانا بچے کو دوت بناؤ اور لانا کو نہ بناؤ ۔ دوت کتے انتخاب میں بچے کو آزادی ملنا چاہیے البتہ ہر طرح کی آزادی نہیں دی جا سکتی کیونکہ دوستوں کا اخلاق و کردار ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتا ہے اور ایک دوت دوسرے کے اخلاق اور طرز کو اپناتا ہے ۔ اگر بچے نے ایک خوش اخلاق اور لچھا دوت بنا لیا تو وہ اس سے لچھائیاں اپنائے گا اور برا دوت گیا تو اس کی برائیاں اس پر اثر انداز ہوں گی ۔ بہت سے معصوم بچے اور نوجوان ہیں کہ جو اپنے برے دوستوں کے باعث گناہ کی وادی میں جا پھنچے ہیں اور ان کی دنیا و آخرت تباہ ہو چکی ہے ۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا: انسان اپنے دوت کے مذ ، طریقے اور روش کا خوگر بن جاتا ہے ۔⁽²⁾

1_ بحار، ج 74، ص 178

2_ اصول کافی، ج 2، ص 375

حضرت علی علیہ السلام فرمایا ہیں :

لوگوں میں سے زیادہ خوش نصیب وہ ہے کہ جس کا میاں جو لاپھے لوگوں کے ساتھ ہو⁽¹⁾ اسی وجہ سے اسلام اپنے ماننے والوں کو اس امر کا حکم دیتا ہے کہ وہ برے دوست سے اجتناب کریں

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں :

فاسقوں اور گنہ گاروں کے ساتھ دوستی سے بچو کیونکہ برائی کہ تاثیر برائی ن ہے⁽²⁾

امام سجاد علیہ السلام نے اپنے فرزند و لبند امام باقر علیہ السلام سے فرمایا :

اے میرے بیٹے : پاٹھ طرح کے لوگوں سے رفاقت نہ رکھو :

1_ جھوٹے کے ساتھ رفاقت نہ کرو کہ وہ سراپ کے مانند ہے _ وہ تجھے فریب دے گا _ دور کو نزدیک اور نزدیک کو دور بتائے گا

—

2_ فاسق اور بدکار کو دوست نہ بناؤ کہ وہ تجھے بہت کم قیمت پر یہاں تک کہ ایک نوالے کے مول بتا دے گا _

3_ نجوس کو دوست نہ بناؤ کیونکہ وہ ضرورت پڑنے پر مدد نہیں کرے گا _

3_ کسی اچھے کو دوست نہ بناؤ کیوں کہ وہ اپنی بے وفائی کے باعث تمہیں نقصان پہنچائے گا _ بلکہ یہ تک ممکن ہے کہ وہ فائدہ

پہنچانا چاہے مگر نقصان پہنچائے گا _ بلکہ یہ تک ممکن ہے کہ وہ فائدہ پہنچانا چاہے مگر نقصان پہنچا دے _

5_ قریب کرنے والے کو دوست نہ بناؤ کیونکہ قریب کرنے والا خدا کی رحمت سے دور اور ملعون ہے⁽³⁾

لہذا سمجھنا اور فرض شناسی ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کے دوستوں سے لا تعلہ نہ دہیں کیونکہ ایسا کرنا نہ بچوں کے فائدہ میں ہے اور نہ ماں باپ کے البتہ ماں باپ کی اس معاملے میں بلا واسطہ دخالت بھی درست نہیں ہے۔

اگر ماں باپ اپنے بچوں کے لیے ایک اچھا اور نیک دوست مہیا کر سکیں تو انہوں نے بچے کی بھلائی کا انتظام کیا ہے اور اسے تباہی کے راستے سے بچایا ہے۔ لیکن یہ بھی کوئی آسان کام نہیں۔ اس کے لیے بہترین طریقہ یہ ہے کہ جب اچھے برے کس پر تمیز کرنے تو اسے پیدا محبت سے ایک اچھے اور برے دوست کی صفات بتائیں برے بچوں کے ساتھ دوستی کے نتائج بھی اس پر واضح کریں۔

پرانے بچوں کے دوستوں اور ان کے طرز پر فالے سے نگاہ رکھیں اگر ماں باپ دیکھیں کہ ان کے دوست اچھے ہیں تو ان کس تائید و تشویق کریں اور انہیں ملنے جلنے کے مواقع فراہم کریں لیکن اگر دیکھیں کہ ان کے بچے دھوکا کھا گئے ہیں اور برے بچوں کو دوست بنا رہے ہیں تو پیدا محبت سے ان کی خامیوں کی طرف متوجہ کر کے اپنے بچوں کو ان سے میں لاقات سے روکیں۔ پیدا محبت سے یہ کام نہ ہو سکے تو سختی سے منع کیا جاسکتا ہے۔ ایک اور طریقہ سے بھی ماں باپ بچے کے لیے اچھے دوست کے انتخاب میں مدد کر سکتے ہیں۔ اس کے ہجولہوں، ملے والوں، ہمسایوں، و نیزہ میں سے کسی اچھے دوست کو تلاش کریں اور ان کے درمیان بہتر راب کا وسیلہ فراہم کریں۔ اس طرح اگر وہ آپس میں دوست ہو جائیں تو ان کی تشویق کریں۔ اس طرح ماں باپ بہت اچھی خدمت سرانجام دے سکتے ہیں اور بچوں کی بہت سی خامیاں اچھے دوست کے انتخاب سے دور کر سکتے ہیں۔ مثلاً وہ ماں باپ جن کا بیٹا بزدل ہے وہ اس کے لیے کوئے شجاع بچہ انتخاب کریں کہ جس سے دوستی کے ذریعے اس کی بزدلی جاتی رہے۔

بہر حال ماں باپ کو نہیں چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کے دوستوں بانصوب نو جوانی کے دور میں ان کے دوستوں سے غائب رہیں اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں کیونکہ بچہ اور نو جوان کے لیے بدلنے کے زیادہ امکانات ہیں۔ حب کہ عمومی اخلاق اور اثر ہے کس حالت

بھی ٹھیک نہ ہو تو ممکن ہے تھوڑی سی غفلت سے آپ کا فرزند دلہندہ برائی اور بد بختی کے گڑھے میں جاگے۔ لہذا یہ سو رکھیں کہ پر ہنر علاج سے کہیں بہتر ہے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ہر چیز کے لیے ایک آفت ہے اور نیکی کے لیے آفت سرا دوت ہے ایک صاحب لکھتے ہیں:

میرے ماں باپ مجھے دوستوں سے ملنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ اگر دوت مجھے گر پر ملنے آتے تو میں مجبور ہوتا کہ ایک دو باتیں کسر کے انہیں رخصت کر دوں۔ ایک دوت ہمدے گر کے قریب ن رہتا ہے۔ امی ابو اسے جانتے تھے لیکن وہ ہمیں ایک دوسرے کے سے ہاں آنے جانے کی اجازت نہ دیتے۔ مجھے بہت خواہش ہوتی کہ دوستوں سے لموں، ان کے ساتھ بیٹھوں اور ان سے بات چیت کروں لیکن کیا کرتا امی ابو حائے تھے۔ مجھے اس کا بہت غم تھا۔ ایک روز میں نے ارادہ کر لیا کہ جھٹ بے ہو دوستوں سے ملنے ضرور جاؤں گا۔ میں نے امی سے کہا: میرا امتحان ہے اس کے لیے مجھے جانا ہے اجازت تو امتحان کے لیے لی لیکن اپنے دوت کے ہاں پہنچا۔ اس دوت کا گر پ دور تھا۔ ایک دین پر بیٹھا اور اس کے ہاں چلا گیا۔ وہاں اور دوت بھی تھے۔ دن ان کے ساتھ خوب خوش گلیوں میں گزرا۔ شام وہیں آیا تو امی نے کہا بہت دیر سے آئے ہو پُر۔ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے مجھے اور نئی جھوٹ بولنا پڑے۔ آج سوچتا ہوں کہ کیا امی جان کو معلوم نہ تھا کہ دوت اور رفیہ کی کسی بچے کو کتنی ضرورت ہوتی ہے۔ انہوں نے مجھے ای قدر پاندہ کیوں کر رکھا تھا۔

ایک لڑکی لکھتی ہے: ایک مرتبہ میں نے ہنی پ سہیلیوں کو گر بلا لیا۔ اور میرے پاس جو علف لے میں جمع تھے۔ وہ نکالے بھام بھاگ گئی اور ان کے لیے آس کریم لائی۔ ام کہیں

گئی ہوئی تھیں۔ سہیلیاں آس کریم کھارن تھیں اوپر سے امی گر میں داغ ہوئیں

مجھے بہت خوف ہوا خدا جائے امی کیا کہیں کیوں کہ وہ تو ہمیشہ مجھے سہیلیوں سے ملنے سے منع کرتی رہتی تھیں : انہیوں نے بالک
میری عزت کا خیال نہ کیا اور میری سہیلیوں سے کہنے لگیں تم نے صاء سے فضول خرچی کروائی ہے۔

میری استانی سے حا کر شکایت کے لہجے میں میری سہیلیوں کے بارے میں کہا یہ ہمارے گر آتی ہیں اور میری بیٹی کو فضول خرچہ سے
مجبور کرتی ہیں۔ میری بیٹی سے آس کریم کھارن تھیں۔ سہیلیاں جو میری ہم لاس بھی تھیں وہ کہنے لگیں۔ آنٹی والہ
آس کریم کے عہد ہم دے دیتی ہیں۔ مجھے اتنی شرم آئی دل چاہتا تھا زمین پ جائے اور میں غسرق ہو جاؤں۔ وہ دن اور آج
کلن پر میں سکول نہیں جاسکی۔ سہیلیاں اگلی لاسوں میں جا پہنچیں۔ اور میں پشیمان پشیمان سی سہی سی۔
او اس او اس سی آج ان سے کہیں پیچھے رہ گئی ہوں۔

بچہ اور دینی تہیم

اللہ اور دین کی طرف توجہ انسان کی فطرت میں داخل ہے اس کا سرچشمہ انسان کی ہنسی سرشت ہے۔

اللہ تالی قرآن حکیم میں فرماتا ہے :

فاقکم وجھک للذین حنیفا _ فطرة الله التي فطر الناس علیها

بنا رخ دین مستقیم کا طرف کرلو۔ وں دین کو جو فطرت الہی کا حاکم ہے اور وں فطرت کی جس کی بنیاد پر اس نے انسان کو خلہ۔

فرمایا ہے۔ (روم_30)

ہر بچہ کی فطری ور پر خدا پر ت ہے لیکن خارجی عوام اثر انداز ہو جائیں تو صورت بدل جاتی ہے جیسا کہ

رسول اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا ہے:

کلّ مولد یولد علی فطرة الاسلام ...

ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے مگر! رازاں اس کے ماں باپ اسے یہودی ، یسائی یا مجوسی ، بنا دیتے ہیں۔⁽¹⁾

ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچے کے لیے ایسا ماحول پیدا کریں کہ اس میں

فطری ور پر ودیات کیے گئے عقائد نشو و نما پائیں۔ انسان بچپن ہے سے ایک ایسی قدرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ جو اس کی ضروریات پوری کر سکے۔ لیکن اس کا اور اک اس حد تک نہیں ہوتا کہ وہ اپنی مرتکز شدہ توجہ کو بیان کر سکے۔ لیکن آہستہ آہستہ یہ توجہ ظاہر ہوجاتی ہے۔ جو بچہ ایک مذہبی گرانے میں پرورش پاتا ہے وہ کوئی چار سال کی عمر میں اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور یہی وہ عمر ہے جس میں بچے کے ذن میں مخفف قسم کے سوالات اُرنے لگتے ہیں۔ بھی بھی وہ اللہ کا نام زبان پر لاتا ہے۔ اس کے سوالوں اور باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی فطرت بیدار ہو چکی ہے اور وہ اس سلسلے میں زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ بچہ سوچتا ہے کہ: سورج کس نے بنایا ہے؟ چاند تارے کس نے پیدا کیے ہیں؟ کیا اللہ تالیٰ سے پیدا کرتا ہے؟ کیا اللہ تالیٰ میٹھی چیزیں پسند کرتا ہے؟ بارش کون برساتا ہے؟ ابو کو کس نے پیدا کیا ہے؟ کیا اللہ ہماری باتیں سنتا ہے؟ کیا ٹیلی فون کے ذریعہ اللہ سے باتیں کی جاسکتی ہیں؟ اللہ کہاں رہتا ہے؟ اس کی شفا کس طرح کی ہے؟ کیا خدا آسمان پر ہے؟ چار سال کے بچے اس طرح کے ہزاروں سوال کرتے اور سوچتے ہیں۔

ان سوالات سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس کی فطرت خدیجہ سستی بیدار ہو چکی ہے اور وہ یہ باتیں پوچھ کر اپنی معلومات مکمل کرنا چاہتا ہے۔ معلوم نہیں کہ ننھا منا بچہ خدا کے بارے میں کیا تصور رکھتا ہے۔ شاید وہ یہ سوچتا ہے کہ خدا اس کے ابو کی طرح ہے لیکن اس

سے بڑا اور زیادہ طاقتور ہے۔ بچے کا شور جس قدر ترقی کرتا جاتا ہے۔ خدا کے بارے میں اس کی شناخت برہمتی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں ماں باپ پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ وہ اپنے بچوں کے عقائد کی تکمیل میں بہت اہم خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں اگر انہوں نے کوتاہی کی تو روز قیامت ان سے باز پرس کی جائے گی۔ ماں باپ کو چاہیے کہ بچے کے تمام سوالوں کا جواب دیں اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو بچے کی روح تنقیر مر جائے گی۔ لیکن بچے کے سوالوں کا جواب دینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ جواب صحیح، مختصر اور بچے کے لیے قابل فہم ہونا چاہیے۔ بچے کا شور جس قدر ترقی کرتا جائے جواب بھی اس قدر عمیق ہونا چاہیے۔ یہ کام ہر ماں باپ نہیں کر سکتے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے سے اس کے لیے تیاری کریں۔ زیادہ گہرے اور برآزہ مطلب بیان نہ کریں کیونکہ یہ نہ فقط بچے کے لیے سود مند نہ ہوں بلکہ ناقابل فہم اور پریشان کن بھی ہوں۔ چھوٹا بچہ مشکل مطالب نہیں سمجھتا۔ پناہ لہذا اس کی بیعت، فہم اور لاجحیت کے مطالبہ سے دینی تعلیم دی جانا چاہیے۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

بچہ تین سال کا ہو جائے تو اسے "لا الہ الا اللہ" سکھائیں۔ پھر اسے چھوڑ دیں۔ جب اس کی عمر تین سال، سرت و سلمہ اور بیس دن ہو جائے تو اسے "محمد رسول اللہ" یاد کروائیں پھر چار سال تک اسے چھوڑ دیں۔ جب چار سال کا ہو جائے تو اسے پیغمبر خدا پر درود پڑھنا سکھائیں۔ (1) بچوں کا چھوٹے چھوٹے اور سادہ دینی اثر یاد کروانا ان کے لیے مفید اور زنت بخش ہوتا ہے۔ اس طرح انہیں آہستہ آہستہ نبوت اور امامت کے بارے میں پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے بارے میں بتائیں کہ اللہ نے انہیں نبی بنا کر بھیجا تھا کہ ہماری ہدایت کریں۔ پھر ان کی خصوصیات اور پہلوئیں بتائیں۔ پھر عمومی نبوت کا مفہوم بتائیں اور نبوت کی ضروری شرائط سے انہیں آگاہ کریں اور ان کی امامت کے بارے میں بھی سمجھائیں۔

چھوٹے چھوٹے واقعات کے ذریعہ کہانی کی صورت میں پیدا سے یہ باتیں کریں۔۔۔ تو بہت مؤثر ہوں۔۔۔

ہاں قیامت کے بارے میں بچہ جاری متوجہ نہیں ہوتا وہ سوچتا ہے کہ وہ اور اس کے ماں باپ ہمیشہ یوں ہی رہیں۔۔۔ مرنے کو وہ ایک لمبے سفر کی طرح خیال کرتا ہے۔۔۔ جب تک بچہ موت کی طرف متوجہ نہ ہو تو ضروری نہیں ہے بلکہ شاید منا بھی نہیں کہ اس سے اس سلسلے میں بات چیت کی جائے۔۔۔ البتہ نہ چاہتے ہوئے بھی ایسے واقعات پیش آجاتے ہیں کہ ماں باپ کو مجبوراً ان کے سامنے موت کی حقیریت کے بارے میں پتہ اظہار کرنا پڑ جاتا ہے۔۔۔ ممکن ہے کسی رشتے دار، دوست یا جان پہچان والے شخص کی موت بچے کو سوچنے پر مجبور کر دے۔۔۔ مثلاً خدا نخواستہ بچے کے دادا وفات پا جائیں اور وہ پوچھے کہ:

امی دادا بو کہاں چلے گئے ہیں؟

ایسے موقع پر بچے کو حقیریت بتلانی چاہیے۔۔۔ جھوٹ نہیں بولنا چاہیے۔۔۔ بچے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے دادا جان وفات پا گئے ہیں، وہ دوسرے دنیا میں چلے گئے ہیں۔۔۔ ہر مرنے والا اس دنیا میں چلا جاتا ہے۔۔۔ اگر کوئی نیک ہو تو جنت کے خوبصورت باغوں میں خوشی رہے گا اور اگر کوئی برا ہو تو جہنم کی آگ میں وہ ہنسی سزا پائے گا۔۔۔ بچے کو موت کا بیج معنی رفتہ رفتہ سمجھایا جائے کہ یہ ایک دنیا سے دوسری دنیا کی طرف انتقال ہے۔۔۔ اسے جنت، دوزخ، حساب کتاب اور قیامت کے بارے میں سادہ سادہ اور مختصر ور پر بتلایا جانا چاہیے۔۔۔

تربیت عقائد کا یہ سلسلہ پرائمری، مڈل، ہائی اور پرائمری سطح تک جاری رہنا چاہیے۔۔۔

بچہ اور فرائضِ دینی

یہ درت ہے کہ لڑکا پندرہ سال کی عمر میں اور لڑکی نو سال کی عمر میں • ف ہوتے ہیں اور شرعی اکام ان پر لاگو ہو جاتے ہیں۔ لیکن دینی فرائض کی انجام دہی کو بلوغت تک ٹالا نہیں جا سکتا۔ انسان کو بچپن سے عبادت اور دینی فرائض کی انجام دہی سے کس عادت ڈانی چاہیے تاکہ بالغ ہوں تو انہیں شوق سے بجلائیں خوش قسمتی سے ایک مذہبی گرانے میں پرورش پانے والا بچہ تین سال کی عمر سے اپنے ماں باپ کی تقلید میں بعض مذہبی کام بجالتا ہے۔ بھی ان کے لیے جائے نماز بچھانا ہے، بھی ان کے ساتھ سبرے میں جاتا ہے، اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہتا ہے چھوٹے چھوٹے مذہبی اشعار مزے مزے سے پڑھتا ہے۔ فرض شناس اور سبہ دار۔ ماں باپ بچے کی ان فطری حرکات سے استفادہ کرتے ہیں۔ ان پر مکرار اور اظہار مسرت کر کے اسے تقویت کرتے ہیں۔ اگر زبردستی یہ چیزیں بچے پر ٹھونس نہ جائیں تو بہت مفید ہوتی ہیں۔ اس عمر میں ماں باپ کو نہیں چاہیے کہ بچے کو سکھانے اور نماز پڑھانے و نیرہ کے امور میں جاری کریں یا ان پر دباؤ ڈالیں۔ پانچ سال کی عمر کے قریب بچہ سورہ فاتحہ و نیرہ یاد کر سکتا ہے آہستہ آہستہ یاد کروانا شروع کریں اور پندرہ سال کی عمر میں اسے حکم دہیں کہ وہ باقاعدہ نماز پڑھا کرے۔ اول وقت میں خود بھی نماز پڑھا کریں اور بچوں کو بھی اس کی نصیحت کریں۔ نو سال کی عمر میں انہیں سستی اور پر نماز پڑھنے کی تلقین کریں۔ انہیں سمجھائیں کہ سہ سفر حضر میں نماز پڑھا کریں۔ نہ کرے تو سختی بھی کریں اور اس سلسلے میں کوئی سستی نہ کریں۔ اگر ماں باپ خود نمازی ہوں تو آہستہ آہستہ بچوں کو بھی اس کا عادی بنا سکتے ہیں اور پندرہ سال بلوغت تک پہنچ کر خود

بخود شوق و ذوق سے نماز پڑھنے لگیں۔ اگر ماں باپ نے یہ عذر سمجھا کہ بچہ ابھی چھوٹا ہے ، بالغ نہیں ہوا اور اس پر نماز ابھسی فرض نہیں ہوئی لہذا اسے پ نہ کہیں تو پَر بالغ ہو کر بچے کے لیے نماز پڑھنا مشکا ہوگا۔ کیوں کہ جس ۶ کا انسان بچہ پن میں عادی نہ ہو اہو بڑے ہو کر اسے اپنا نا مشکا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ائمہ اطہار (ع) نے پ یا سات سال کی عمر میں بچے کو نماز پڑھنے کا عادی بنانے کا حکم دیا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

ہم اپنے بچوں کو پاڑ سال کی عمر میں نماز پڑھنے پر آمادہ کرتے ہیں اور سات سال کی عمر میں انہیں نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔ (1)

پیغمبر اسلام (ص) نے فرمایا:

جب آپ کے بچے پ سال ہو جائیں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دیں اور سات سال کے ہو جائیں تو انہیں اس کے لیے زیادہ تاکید کریں اور اگر ضرورت ہو تو مایہ سے بھی انہیں نماز پڑھوائیں۔ (2) امام باقر علیہ السلام یا امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے کہیں کہ منہ ہاتھ دھوئے اور نماز پڑھے لیکن جب 9 سال کا ہو جائے تو اسے صحیح اور مکمل وضو سکھائیں اور سختی سے نماز پڑھنے کا حکم دیں۔ ضرورت پڑے تو اسے مایہ کے ذریعے بھی نماز پڑھنے پر ماہ کیوں کہ اسے سکھانا ہے۔ (3) امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: جب بچہ پ برس کا ہو جائے تو ضروری ہے کہ وہ نماز پڑھے اور جب وہ روزہ

1_ وسأ ، ج 3، ص 12

2_ مصدرک ، ج 1 ، ص 171

3_ وسأ ، ج 3، ص 13

رکھا سکتا ہو تو ضروری ہے کہ روزہ رکھتے۔⁽¹⁾

روزے کے مطالعے میں بچے کو آہستہ آہستہ عادت ڈالنا چاہیے۔ جو بچہ سن تمیز کو پہنچا ہو اسے سحری کے لیے بیدار کریں تاکہ۔ وہ ناشتے کی جگہ سحری کھائے اور اس کا عادی ہو جائے۔ جب بچہ روزہ رکھا سکتا ہو تو ضروری ہے کہ اسے اس کی ترغیب دی جائے اور اگر وہ روزہ رکھ کر اسے بھانہ پارہا ہو تو اسے درمیان میں پکھلنے پینے کو دیا جا سکتا ہے۔ آہستہ آہستہ اس کے روزوں کی تعداد بڑھائی جائے البتہ اس کی طاقت کو ملحوظ خاطر رکھا جائے بچہ بالغ ہو جائے تو اسے کہا جائے کہ تم پر فرض ہے کہ روزہ رکھو اور نماز پڑھو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گنہگار ہو۔ بہتر یہ ہے کہ اسے روزے کی فضیلت اور ثواب بھی بتایا جائے تاکہ اس میں برداشت کرنے کی قوت بڑھے۔ رمضان المبارک کے آخری ایام میں بچے کی دیگر ذمہ داریوں میں کن کن کی جانا چاہیے تاکہ وہ آرام سے روزہ رکھ سکے۔ آخر رمضان المبارک میں اسے آرام کے ور پر بھی پکھلیں۔ دن دھیان رکھیں کہ کہیں بچہ چھپا کر روزہ توڑنے لے۔ ماں باپ کے لیے ضروری ہے کہ بلوغ سے پہلے بچے کو احلام کی علامتوں سے آگاہ کریں۔ اور استنجا کسے بہارے میں اسے بتائیں۔

اس نکتے کی یاد دہانی بھی ضروری ہے کہ اگر ماں باپ کی خواہش ہے کہ ان کے بچے اب مبرا ہوں اور دینی محنت کی طرف راغب ہوں۔ تو پھر بچپن سے انہیں اس کا عادی بنائیں۔ مبرا اور دینی محنت میں انہیں اپنے ہمراہ لے جایا کریں تاکہ ان میں بھی اس کا شوق پیدا ہو جائے ورنہ بڑے ہو کر وہ رغبت سے ایسی مغللوں میں نہیں جایا کریں۔

آخر میں اس بات کی طرف بھی توجہ ضروری ہے کہ بچہ بالغ ہونے سے پہلے صاف نہیں ہوتا اور مذہبی فرائض اس پر عائد نہیں ہوتے اور انہیں ترک کرنے پر اسے گناہ نہیں ہوگا مگر ماں باپ کو انہیں پہنچانا کہ وہ بلوغ سے پہلے بچوں کو آزاد چھوڑ دیں کہ وہ جو چاہیں کرتے پاریں۔ کیونکہ نماز روزہ اس پر واجب نہ بھی ہو تو اگر وہ کسی کا شیعہ توڑ آئے کسی کے جسمانی عضو کو نقصان

پہنچائے مغل کسی کا کان کاٹ دے ، آٹک اندھی کر دے یا ہاتھ توڑ ڈالے تو واجب ہے کہ بالغ ہو کر اس کی شرعی دیت ادا کرے ۔
دوسری طرف اگر آزاد چھوڑ دیا جائے کہ جو اس کے جی میں آئے کرے تو پَر بڑا ہو کر بھی وہ گناہ اور غلط کاموں کا عادی ہوگا کیونکہ ۔
بالغ ہو کر پَر وہ بچپن کا طرز نہ نہیں چھوڑے گا ۔ لہذا ماں باپ کے لیے ضروری ہے کہ اسے بچپن سے واجبات اور محرمات
کی حدود سے آگاہ کریں ۔ حرام کام انجام دینے سے روکیں اور واجب کام کی انجام دہی میں اس کی مدد کریں ۔

سیاسی اور سماجی تربیت

آج کے بچے کے جوان ہیں۔ ملک انہیں کلاماں ہے۔ اور انہیں کو ملک کا نظام چلانا ہے۔ ان کی سیاسی آگاہی اور شعور ملک کے مستقبل پر اثر انداز ہوگا۔ یہی ہیں کہ جنہیں ملک کی ثقافتی اور اسلامی دولت کی پاسداری کرنا ہے۔ اور ملک کی عظمت و سربلندی کے لیے انہیں کو کوشش کرنا ہے۔ انہیں کو سامراجی اور استعماری قوتوں کے، ظلم و ستم کا مقابلہ کرنا ہے۔ بچوں کو آج اس مقصد کے لیے تیار کرنا چاہیے۔ ان کی تربیت کرنا چاہیے اور یہ بھاری ذمہ داری بھی ماں باپ کے کندھوں پر عائد ہوتی ہے۔

سیاسی و سماجی تربیت کی بنیاد بھی بچپن میں رکھی جانا چاہیے تاکہ وہ زیادہ شرمینش ہو۔ جب بچہ سن تمیز کو پہنچے تو اس سے اس کے فہم و شعور کی حد تک سیاسی و سماجی مسائل کو سمجھنا چاہیے۔ اسے اقتصادی اور سیاسی حالات کو آہستہ آہستہ جاننا چاہیے۔ ملک کے فقر و محرومیت اور پسماندگی کی وجوہات تدریجاً اسے سمجھائی جانا چاہئیں۔ حکمرانوں کی لپچھائیاں اور برائیاں بچوں سے بیان کی جائیں۔ اور نظام کس طرح سے چلتا ہے انہیں سمجھایا جاسکتا ہے گاؤں، شہر اور ملک کی عمومی حالت اس سے بیان کس جائیں۔ بچہ انتخابات میں شرکت نہیں کر سکتا، لیکن ماں باپ انتخابات میں شرکت کی خصوصیات اور شرائط کی اس کے سامنے وضاحت کر سکتے ہیں۔ اور اسے سمجھا سکتے ہیں کہ کس طرح کے لوگوں کو منتخب کرنا چاہیے۔ مثلاً اس سے کہہ سکتے ہیں ہم نے اس شخص کو ووٹ دیا ہے کیونکہ اس میں لان خوبی ہے بچہ بھی جاسوس میں شرکت کر سکتا ہے۔ وہ بھی نعرہ لگا سکتا ہے۔ تقریریں کر سکتا ہے۔

اشہدات تقسم کر سکتا ہے۔ اور دیوار نویسی (وال چانگ) کر سکتا ہے۔ اور یہ کام اس کے لیے مؤثر بھی ہوں۔۔۔ ایران کے اسلامی انقلاب نے بخوبی ثابت کر دیا ہے کہ بچے اور نوجوان بھی سیاسی امور میں مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ یہی تو تھے کہ جنہوں نے اپنے نعروں، جلسے جلوسوں اور ہتالوں سے طاغوت کی آلہ کار خود غرض حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ انہیں نے انقلابیوں کو تقویت بخشی اور ایران کی مملکت کی مظلومیت اور شان حکومت کے آئینوں کے ظلم و خیانت کو دنیا والوں کے کانوں تک پہنچایا۔۔۔ جاننے ہیں کہ ایران کے عظیم انقلاب کی کامیابی کا ہم حصہ نوجوانوں کی فال اور تھرک توت اور انہیں کس جاننے لریوں کا رہون منت ہے۔۔۔

چاہیے کہ بچے سیاسی واقعات کا مطالعہ کر کے، اخبارات و جرائد کو پڑھ کر، ریڈیو اور ٹیلی وین کے سیاسی اور سماجی پروگرام سن اور دیکھ کر ماں باپ اور دوسرے بچوں سے بات چیت کر کے تدریجاً سیاسی رشد پیدا کریں۔ اور اپنے اور اپنے ہموطنوں کے مستقبل کے بارے میں دلچسپی پیدا کریں۔ انہیں جانا چاہیے کہ مستقبل میں ان کے ون کی تدریس ان کے اور ان کے ہم سن بچوں اور نوجوانوں کے ہاتھ میں ہوگی۔ بچے کو سمجھنا چاہیے کہ دنیا آخرت سے اور دین سیات سے جدا نہیں ہے۔ اور لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے سماجی اور دنیاوی امور میں دلچسپی رکھیں تاکہ ملک آباد اور ملت باثبات رہے۔۔۔

نوجوانی اور جوانی میں اولاد کو نسبتاً زیادہ آزید ملنی چاہیے تاکہ وہ خود باقاعدہ سیاسی امور سماجی امور میں شرت کریں۔۔۔

بچہ اور ریڈیو ٹی وی

ریڈیو، ٹیلی ویژن اور سینما بہت سے سود مند ایجادات ہیں۔ ان کے ذریعے سے تعلیم و تربیت کی جاسکتی ہے۔ لوگوں کے اذکار کو جلا بخشی جاسکتی ہے۔ دینی و اخلاقی اقدار کو رائج کیا جاسکتا ہے زرعی اور صنعتی مشینوں کو رہنمائی کی جاسکتی ہے۔ صحت و صفائی کے امور پر رشد پیدا کیا جاسکتا ہے۔ سیاسی اور سماجی حوالے سے عوام کی سطح معلومات کو بلند کیا جاسکتا ہے۔

انسان عوامی راب کے ان وسائل سے سینکڑوں قسم کے فائدے اٹھا سکتا ہے البتہ یہ وسائل جس قدر مفید ہو سکتے ہیں اسی قدر ان سے سوء استفادہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ اگر یہ وسائل نا اہل لوگوں کے ہاتھوں میں آجائیں تو وہ غلط راستے پر ڈال دیں۔ اور ان کے ذریعے سے عوام کو صحت، ثقافت، دین، اخلاق، اقتصاد اور سیاست کے حوالے سے سینکڑوں قسم کے نقصانات پہنچائیں۔ ریڈیو اور ٹی وی تقریباً عمومی حیثیت اختیار کر چکا ہے اور اب ہر گھر میں جا پہنچا ہے۔ بیشتر لوگ اسے ایک تفریح اور مشغولیت کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اور انہیں دیکھنا اور سننا پسند کرتے ہیں۔ خصوصاً بچے اور نوجوان ان سے بہت دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں۔

باخبر لوگوں کی رائے کے مطاباً ایرانی بچے امریکہ، فرانس، برطانیہ اور جاپان جیسے ترقی یافتہ ملکوں کے بچوں کی نسبت ٹیلی ویژن کے پروگراموں سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں، لہذا ان میں 207 کے ناظرین میں سے چالیس فیصد بچے ہیں، تیس فیصد نوجوان ہیں جب کہ۔

بچپن

اور نوجوانی کی عمر تعلیم و تربیت کے اتہاد سے حساس ترین دور ہوتا ہے۔ ریڈیو ٹیلی وین کے پروگرام اچھے ہوں یا برے۔ سلاشک ان کی حساس روح پر بہت اثر کرتے ہیں۔ اور انہیں سن اور بے اثر نہیں سمجھنا چاہیے۔ بچے کو آزادی نہیں دی جاسکتی کہ وہ ہر طرح کا پروگرام دیکھے یا سنے کیونکہ بعض پروگرام بچے کے لیے نقصان دہ ہوتے ہیں۔ کاش ریڈیو اور 207 کے اڈا کار یہ جائیں کہ وہ کس حساس موجد پر کام کر رہے ہیں اور کتنی عظیم ذمہ داری ان کے دوش پر ہے افراد ملت خصوصاً بچوں اور نوجوانوں کس تعلیم و تربیت کا بڑا حصہ انہیں کے ذمہ ہے۔ ماں باپ بھی اس سلسلے میں لا تعلد نہیں رہ سکتے اور بچوں کو ہر طرح کا پروگرام سنانے اور دیکھنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔

ریڈیو، 207 کے پروگراموں کا پاک حصہ ایسی کہانیوں اور نمونوں پر مشتمل ہوتا ہے جس میں قتل، ڈاکلہ، چوری، جرم، اغواء، لڑائی، گڑبگڑ، تشدد، فریب، دھوکا و نیرہ جیسی چیزیں شامل ہوتی ہیں۔ بچے ایسی کہانیوں اور نمونوں کے شوقیہ ہوتے ہیں اور ان سے بہت لطف اٹھاتے ہیں۔ جب کہ ایسی نہیں اور کہانیاں بچوں کے لیے نئی جہات سے نقصان دہ ہیں۔ مثلاً

1۔ بچوں کی حساس اور لطف روح کو بڑی شدت سے تحریک کرتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی وجہ سے بچوں کے اندر ایک اضطراب اور خوف و وحشت کی کیفیت پیدا ہو جائے۔ ہو سکتا ہے وہ رات کو ڈراؤنے خواب دیکھیں اور سوتے میں چیخ ماریں۔ ہو سکتا ہے انہیں سردرد لا ہو جائے اور یہاں تک ممکن ہے کہ وہ ایسی نہیں دیکھتے ہوئے بے ہوش ہو جائیں یا ان پر سکتہ طاری ہو جائے۔

2۔ ایسی نمونوں سے ہو سکتا ہے کہ اخلاق کے حوالے سے نقصان دہ اثرات مرتب ہوں۔ اور بچوں کو پاک بیعت کو وہ گناہ اور برائیوں کی طرف کھینچ لائیں۔ ہو سکتا ہے کہ بچے ان سے اس قدر متاثر ہوں کہ ان کے ہیرو کی تقلید کریں۔ اور جرم، تقصیر اور چوری کرنے لگیں۔

یوں کرنے اس سلسلے میں جو تفصیل جاری کی ہے اس کے مطابقتاً اسٹین میں 1944 سے لے کر 1953ء تک سزا پانے والے بچوں میں سے 37 فیصد نے جرائم پر مبنی نمونوں سے متاثر

ہو کر جرم کیا ہے۔

امریکہ میں وسیع پیمانے پر ہونے والی تحقیقات کے مطاباً مجرم بچوں میں سے دس فیصد لڑکے اور پچیس فیصد لڑکیاں جرائم سے سر پور نہیں دیا کر مجرم بنتی ہیں۔ یہ اعداد شمار واقف لاکر رکھ دینے والے ہیں۔⁽¹⁾

لامرد پازر کے نظر کے مطاباً 149 مجرم نموں سے متاثر ہو کر اپنے ساتھ اسلحہ رکھتے ہیں۔ 128 چوری کرنے اور 121 فیصد لامرد پازر کے نظر کے مطاباً 149 مجرم نموں سے متاثر ہو کر اپنے ساتھ اسلحہ رکھتے ہیں۔ تقریباً سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ۔ 125 عورتیں بری نموں کے زیر اثر برائی اور بدکاری کی راہ پر چل پڑی ہیں نیز 154 عورتیں پلا پرواہ کی ستاروں کی تقلید میں تباہ خانوں اور برائی کی مغلوں کی نسبت بنی ہیں۔⁽²⁾

یونیورسٹی لاس آئیز کے ایک پروفیسر واکس مین کہتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں کہ ٹی وی کی سکرین سے نلنے والی ایٹریک مقناطیسی لہریں انسانی آرنزم پر بہت اثر کرتی ہیں۔ ٹیلی ویژن یا رڈیو گریلو ضرورت کی بجلی کی چیزوں سے نلنے والی لہریں شارٹ ویوز کی قسم میں سے ہیں۔ اور اس کا پہلا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان کے سر میں درد ہوتا ہے اور سر چکرانے لگتا ہے۔ اس سے انسان کی کبری لاحتیت کم ہو جاتی ہے۔ خون کا دباؤ تبدیل ہو جاتا ہے۔ بیت میں ہیجان پیدا ہوتا ہے اور خون کے سفید خلیوں کو نقصان پہنچتا ہے علاوہ ازیں یہ لہریں انسان کے نظام اعصاب پر بہت برا اثر ڈالتی ہیں اور مختلف بیماریوں کا سبب بن جاتی ہیں۔⁽³⁾

1_ مبلہ: مکتبہ اسلام، جلد 15، شمارہ 11

2_ مبلہ: مکتبہ اسلام، جلد 15، شمارہ 11

3_ مبلہ: مکتبہ اسلام، جلد 18، شمارہ 1

ڈاکٹر اگلسنر کارل لکھتے ہیں:

ریڈیو۔ ٹی وی اور نامنا کھسہ ہمارے بچوں کے جذبات کو تباہ کر دیتے ہیں۔⁽¹⁾

روزنامہ اطلاعات اپنے شمارہ 15743 میں ایک یورپی طالب علم کے بارے میں لکھتا ہے:

کالج کے ایک اٹھارہ سالہ طالب علم کو گرفتار کر کے عدالت میں پیش کیا گیا۔ اس پر الزام ہے کہ اس نے ایک اسی اوکلا والٹر کا تیسرا کے بیٹے اغوا کیا اور پھر دھمکی دی کہ اسے ایک لاکھ پچاس ہزار ڈالر پہنچاؤ جائیں ورنہ وہ اسے قتل کر دے گا۔ مہتمم نے عدالت کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا کہ قتل کی دھمکی دے کر غنڈہ ٹیس وصول کرنے کا خیال اس کے ذہن میں ٹیلی وین کسی ایک فلم دیکھتے ہوئے پیدا ہوا۔

اس سلسلے میں پولی کا کہنا یہ ہے کہ اب بہت سے کمیس ہمارے پاس پہنچے ہیں کہ نوجوانوں نے ٹیلی وین سے جرم کا ارتکاب کرنا سیکھا ہے۔ مشہد میں ایک دس سالہ بچے نے کرائے کی ایک فلم دیکھنے کے بعد اپنے آٹھ سالہ دوست کو مار مار ڈالا۔⁽²⁾

تعلیم و تربیت کے نائب وزیر جناب صفی نیا کہتے ہیں:

جب ٹی وی برائی کا درس دے رہا ہو تو بہترین استاد بھی نہیں کر سکتا۔⁽²⁾

کیوبا کے ایک پندرہ سالہ لڑکے رونے زامورانے ایک 83 سالہ بوڑھی عورت کو قتل

1_ مکت اسلام، ج 15، شمارہ 3

2_ مکت اسلام، ج 15، شمارہ 11

3_ مکت اسلام، ج 18، شمارہ 1

کر دیا اس نے یہ جرم نوریڈ میں انجام دیا۔ اور اب وہ اس شہر کی ایک جیو میں اس جرم کی سزا کے ور پر عمر قید کاٹ رہا ہے۔ اس کے وارین نے امریکی ٹیلی وین کے تین پھیٹوں کے خلاف دو کروڑ پچاس لاک ڈالر ہر جانے کا دعویٰ دائر کیا ہے۔ انہوں نے عدالت میں اپنے دعویٰ کے ثبوت میں جو شواہد پیش کیے ہیں ان کے مطا۔ بچے نے آدم کشی کا سبب اسی ٹیلی وین کے پروگراموں سے سیکھا ہے۔ زشتہ ستمبر عدالت میں اس کی سماعت ہوئی اس موقع پر یہ بات سامنے آئی کہ مزم جب بچہ تھا تو آیا اسے چ کرانے کے لیے ٹی۔ وی کے سامنے ٹھہراتی۔ اس سے اس میں ٹیلی وین دیکھنے کا بہت شوق پیدا ہو گیا وہ روزانہ آٹھ گھنٹے تیلی وین پروگرام دیکھتا رہتا۔ اسے ٹی۔ وی کے پروگراموں سے بہت دلچسپی پیدا ہو گئی خاص ور پر "پلیس کو جاک" نامی سیریز سے وہ بہت متاثر تھا ارتکاب جرم سے ایک رات پہلے اس نلم میں دکھایا گیا کہ کس طرح سے ایک امیر عورت کو لوٹا گیا۔ ایک لڑکی جس کا نام رضایہ تھا۔ پندرہ سال اس کی عمر تھی بہت خوبصورت لڑکی تھی ٹیلی وین پر ایک پر ہیجان نلم دیکھتے ہوئے اس پر اس قدر اثر ہو کہ وہ زمین پری گری اور مر گئی۔ جب اس نے نلم میں دیکھا کہ ایک سفید فام شخص ایک سیاہ فام کے سر کی چری او نے لگا ہے تو اس نے ایک چیخ ماری۔ پر اس کے دل کی دکن بد ہو گئی۔ ڈاکٹروں نے بتایا کہ اس کے دماغ کی رگ پر۔ گئی۔

اعصاب اور نفسیات کے ماہر ڈاکٹر جلال بریمانی کہتے ہیں:

خوف ناک، ڈراؤنی اور ہیجان انگیز نلمیں بچوں کی نفسیات پر نامطلوب اثر ڈالتی ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ ایک بچہ مارڈھاڑ سے۔ سر پر نور نلم دیکھنے کے بر نلم کے ہیر و کی تقلید میں اپنے چھوٹے بھائی یا بن کو قتل کر دیتا ہے۔ ایسی نلمیں بچے کی آنسہ شہیت پر برے اثرات مرتب کرتی ہیں خوفناک نلموں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ برے ہو کر ان کے اندر بزولی پیدا ہو جاتی ہے، مارڈھاڑ کی نلمیں آنسہ کی زندگی میں انہیں بھی ایسا بنا دیتی ہیں۔ ان کے اثرات انسان کی روح پر رہتے ہیں اور پر جہاں موقع ملتا ہے کسی غلط واقعہ کی صورت میں

نمودار ہوتے ہیں اور انسان کو برائی کی طرف کھینچتے ہیں۔

نفسیات کے ڈاکٹر شکر اللہ طریقتی کہتے ہیں:

بری نموں کا اثر بچے کے مستقبل پر ناقصہ انگار ہے۔ یہ نمیں بچوں کی نفسیات پر ایسا نامطلوب اثر ڈالتی ہیں کا بالغ ہو کر جب منا -
موتج ملتا ہے اور دوسرے اسباب بھی فراہم ہو جاتے ہیں تو وہ خطرناک کاموں کی انجام دہی کی صورت میں اس کی مدد کرتا ہے۔ ہنسنا
میں ماں باپ و نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے بچوں کو ہرگز اجازت نہ دیں کہ وہ غلطیوں کو دیکھیں۔ خاص طور پر وہ نمیں جو بڑوں
کے لیے مخصوص ہیں خصوصاً رات کے دس بجے کے بعد آنے والی نموں کی اجازت نہ دیں۔ اگر بچے ایسی نمیں دیکھتے ہوں گے
ضد کریں اور وارین انہیں اس کی اجازت نہ دیں تو اولاد کے میں یہی ان کی محبت ہے۔

تہران یونیورسٹی کے ایک استاد اور جرم شناسی ڈاکٹر رضا مظلومی کہتے ہیں:

ٹیلی ویژن اور سینما گروں میں دکھائی جانے والی بہت سی نمیں ہمارے م اثرے کے لیے خطرناک ہیں۔ ان کے خطرات اس حد تک
بڑھ چکے ہیں کہ گیارہ سالہ بچے کو انہوں نے زندگی سے محروم کر دیا اور اس کے دل کی دکن کو بند میں جرات مندی کے ساتھ یہ۔
کہتا ہوں کہ عصر حاضر میں ہونے والے بہت سے جرائم اور مظالم انہیں نموں کے برے اثرات کی وجہ ہیں۔⁽¹⁾

نیویارک کے ایک ہسپتال میں کام کرنے والے ڈاکٹر آرنائڈ فریمانی نے جدید ترین الیٹرانک آلات اور تجربات سے یہ ثابت کیا ہے روحانی
اور کمری کمزوری اور شدید سردرد ریڈیو پور نشر ہونے والی موسیقی کے سننے سے پیدا ہوتے ہیں۔⁽²⁾

اخبار ٹائمز اپنے 1964 کے شمارہ میں لکھتا ہے:

1_ روزنامہ الامت _ 10 آبان ماہ 1352

2_ مکت اسلام: ج 15 شمارہ 3

بچوں کی بیماریوں کے ماہر ڈاکٹر نے فضائیہ کی دو چھاؤنیوں میں اس بات کو محسوس کیا کہ اس علات میں کام کرنے والے افسران کتے بچے کہ جن کی عمر 3 سال سے بارہ سال کے درمیان ہے ہمیشہ دردسر، بے خوابی، مہرہ کی گڑبڑ، تپش اور دیگر بیماریوں میں گرے رہتے ہیں۔ بی نظیر نظر سے اس بیماری کی کوئی وجہ معلوم نہ ہوئی۔ لیکن مگر در پر تپش کرنے کے بارہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ تمام بچے ٹیلی وین کے وی پروگرام دیکھنے کے عادی ہیں اور ہر روز 3 گھنٹے سے 4 گھنٹے تک ٹی۔ وی پروگرام دیکھتے ہیں۔ ڈاکٹروں نے ان کے لیے صرف یہی علاج متعین کیا کہ ان کو ٹی۔ وی پروگرام دیکھنے کی اجازت نہ دی جائے۔ یہ علاج کیا اور مؤثر بھی رہا۔ سردرد، تپش اور باقی تمام بیماریاں ختم ہو گئیں۔⁽¹⁾

ہذا جن وارین کو اپنے بچوں سے محبت ہے وہ انہیں دن رات ریڈیو اور ٹیلی وین سننے اور دیکھنے کی اجازت نہ دیں۔ صرف ان پروگراموں کو دیکھنے کی اجازت دیں جن سے بچوں کو کوئی نفسیاتی، روحانی اور اخلاقی نقصان نہ پہنچے۔

نئی مسأله

جنسی قوت انسان کی انتہائی قوی اور حساس جبلتوں میں سے ہے۔ یہ قوت انسان کے لیے بہت تعمیری ہے۔ انسان کسی نطفہ-یاتی اور جسمانی زندگی کے لئے اس کے اچھے یا برے اثرات مرتب ہوتے ہیں انسان کے بہت سے اعمال، یہاں تک کہ معزرد جسمانی اور نطفہ-یاتی بیماریوں کی بنیاد یہی جبلت ہوتی ہے اگر انسان کی پرورش عالمانہ اور دت ہو تو یہ قوت انسان کی خوشی اور آرام کا ذریعہ بنتی ہے۔ اور اگر تربیت میں افراط یا تفریط ہو تو ممکن ہے سینکڑوں جسمانی اور نفسیاتی نقصانات کا سبب بنے۔ اور انسان کی دنیا و آخرت کو تباہ کر دے۔

ایسا نہیں ہے کہ جنسی قوت بلوغت کے زمانے میں پیدا ہوتی ہو۔ بلکہ یہ بچپن ہی سے انسانی بیہوشی میں خوبیاں سرہ ہوتی ہے۔ اور مخفف شلوں میں اس کا ظہور ہوتا ہے۔ چھوٹے بچے اپنے آلہ تناس کو چکر زت محسوس کرتے ہیں اور اس سے ان کے اندر ایک محرک کی سی کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ وارین کے اظہار محبت اور بوسوں سے زت محسوس کرتے ہیں۔ وہ خوبصورتی اور بد صورتی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور بھی زبان سے اس کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ دو تین سال کی عمر میں وہ لڑکے اور لڑکی میں فرق سمجھنے لگتے ہیں اور بڑی توجہ اور جستجو سے ایک دوسرے کی شرم گاہ کو دیکھتے ہیں۔ جب پ بڑے ہو جائیں تو وہاں تصویریں انہیں ہنی طرف کھینچتی ہیں۔ وہ حیران ہو ہو کر ان کی طرف دیکھتے ہیں۔ زبان سے نش اور گندے مذاق کرتے ہیں اور ان پر خوش ہوتے ہیں۔ جنس مخالف کی طرف انہیں پ پ میلان پیدا ہو جاتا ہے۔ اور انہیں ہنی طرف

متوجہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بھی بھی وہ تصریحاً یا اشارۃً جنسی امور کے بارے میں وارنٹن سے سوال کرتے ہیں۔ ماں باپ کی سرگوشیوں کی طرف وہ کان دہرتے ہیں اور ان کے کاموں پر نظر کرھتے ہیں۔ اپنے دوستوں اور ہم عمروں سے گوشہ و کنہار میں بیٹھ کر راز و نیاز کرتے ہیں۔ ان چیزوں سے بخوبی واقف ہوتا ہے کہ جنسی وقت نابالغ بچوں میں بھی موجود ہوتی ہے۔ لیکن بہم اور تاریک صورت میں۔ بنیر آگاہ اور کاشف کے ان کی توجہ اس کی طرف کھینچی ہے لیکن انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا چاہتے ہیں اس امر کی طرف ان کی توجہ ہوتی ہے کہ زت کہاں سے حاصل ہوتی ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ یہ زت کسے حاصل کریں؟

دس بارہ سال کی عمر تک بچے اسی حالت میں ہوتے ہیں اور ان کی جنسی جبلت پوری طرح سے بیدار نہیں ہوتی اور ایک اہم کام کی سی کیفیت ہوتی ہے لیکن بارہ سے پندرہ سال کی عمر میں وہ بڑی تیزی سے پروان چڑھتی ہے اور تقریباً بیدار ہو جاتی ہے۔ فرض شناس ماں باپ اپنے بچوں کی جنسی جبلت سے لاتعلقی نہیں رہ سکتے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اس بارے میں کوئی حکمت عملی وضع نہ کریں۔ کیوں کہ جنسی ابتدا سے تربیت دشوار ترین اور حساس ترین تربیتوں میں سے ہے۔ اس سلسلے میں ذرا بے احتیاطی یا غفلت بھی ممکن ہے بچوں کو برائی اور تباہی کی راہ کی طرف کھینچ لے جائے۔

ماں باپ کی توجہ اس امر کی طرف ہونی چاہیے کہ بلوغ سے پہلے بدنی اور فکری رشد کے ابتدا سے بچے تولید اور جنسی توت کو میں لانے کی لاجبت نہیں رکھتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے بلوغ سے پہلے ان کی جنسی جبلت کو ان کس بیست میں خفیہ و خوبیدہ رکھا ہوتا ہے۔ بچوں کی انفرادی اور اجتماعی بھلائی بھی اس میں ہے کہ بلوغ سے پہلے ان کی جنسی توت بیدار اور متحرک نہ ہو۔ کیونکہ اگر جنسی توت بلوغت سے پہلے اور جاری و بیدار ہو جائے تو اس سے بچے کی زندگی بہت سی مشکلات کا شکار ہو جائے گی اور ہو سکتا ہے وہ اس کی بدبختی اور انحراف کے سبب فراہم کرے۔

ابن ماں باپ کو ہر اس علم سے سخت پرہیز کرنا چاہیے کہ جس سے بچوں کی جنسی جبلت کو متحرک ہو سکے اور وہ بے سرا رہو سکے۔ ان کے لیے یہ حالات فراہم کریں کہ ان کی

نفو و نما تدریجی ور پر اور قطری حاظ سے ہو۔ وارین اگر عققا مند اور بلندیر ہوں تو وہ خود اس ضمن میں تمیز کر سکتے ہیں کہ کون سے کام مفید ہیں اور کون سے مضر۔ لیکن ہم یاد دہانی کے ورپر پ باتیں بیان کرتے ہیں بچوں کی شرمگاہ پر ہات پیرنا ، وہاں پیوسا کرنا۔ اخبار و جرائد کی خوبصورت اور ننگی تصویروں کو دیکھنا ، شقیہ اور تحرک انگیز کانوں اور کہانیوں کو سننا، دوسروں کی شرم گاہ کسی طرف دیکھنا یا اس پر ہات پیرنا ، دوسروں کے حسن اور خوبصورت کی تعریف کرنا ، اور دوسروں کے ہر حصہ بدن اور ننگی ٹانگوں کسی طرف دیکھنا۔ ماں باپ کی آپس میں یا دوسروں سے مشتاقہ بازی اور جنسی مذاق ، شہوت انگیز مناظر کو دیکھنا یا ان کے بارے میں سننا اور اس طرح کے دیگر امور کو سراخام دینا بچے کی جنسی وت کو تحرک کرنے اور بیدا کرنے کا سبب بنتا ہے اور بچہ۔ بھس بسس زت کے حصول کے بارے میں سوچنے لتا ہے۔

پاٹ سال سے اوپر کی عمر کے بچوں کو تنہا نہ رہنے دیں۔ ہو سکتا ہے وہ ایک دوسرے کی شرمگاہ سے کھیلیں اور اس سے ان میں تحریک پیدا ہو بچوں کو اجازت نہ دیں کہ وہ بستر پر ایسے پڑے رہیں اور جاگتے رہیں پاٹ سال کے بچوں کے بستر جسا کر دیں اور انہیں ایک بستر پر نہ لٹائیں کیوں کہ ممکن ہے ایک دوسرے سے اس ہونے سے ان میں تحریک پیدا ہو۔ پاٹ سال کے بچوں کو خود اپنے بستر پر نہ لٹائیں خاص ور پر مخالف جنس کے بچوں کو۔ یہاں تک کہ ماں کو نہیں پہنچنا کہ وہ اپنا بدن ہنی پ سالہ بیٹی کے بدن کے ساتھ ملے۔ پیغمبر اکرم (ص) نے فرمایا: جب بچے سات سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان کے بستر جسا کر دیں۔⁽¹⁾ امام صادق (ع) اپنے بزرگوں سے نقل فرماتے ہیں: عورتوں اور دس سالہ بچوں کے بستر جدا ہونے چاہئیں۔⁽²⁾ امام صادق علیہ السلام

فرماتے ہیں:

1_ مکالم الاطلاق ، ج 1 ، ص 356

2_ وسا ، ج 14، ص 286

جو ماں ہنسی پہ سالہ بیٹی سے اپنا بدن ملتی ہے ایک طرح کے زنا کا ارتکاب کرتی ہے۔⁽¹⁾

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

مرد ہنسی پہ سالہ بیٹی کو نہ چومے اور عورت اپنے سات سالہ بیٹے کو نہ چومے۔⁽²⁾

بہت سے گرانوں میں زعمول ہے کہ عورتیں عریان یا نیم عریان بدن کے ساتھ گرانوں میں چلتی پرتی ہیں، بعض مرد بھیس اس سے لے مین ہورتوں سے پیچھے نہیں رہتے۔ وہ اپنے گرانوں میں نیم عریان بدن یا ننگی پیڈلیاں اپنے چھوٹے بڑے بیٹے بیٹیوں کو دکھاتے رہتے ہیں۔ ان گرانوں کی بیٹیاں اور بیٹے بھی اپنے ماں باپ کی پیروی کرتے ہیں اور گرانوں میں نیم عریان بدن کے ساتھ رہتے ہیں۔ اپنے تئیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ایک خاندان کے افراد ہیں۔ اپنے میں محرم ہیں۔ محرموں کے درمیان کوئی پابندی اور حجاب نہیں ہے یا ماں باپ سمجھتے ہیں کہ ان کے نیم عریان بدن اور ان کی ننگی ٹانگیں ان کے بچوں پر کوئی اثر نہیں ڈالتے کیوں کہ اولاً تو وہ محرم ہیں اور ثانیاً بچے بھی ابھی نہیں سمجھتے۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کی بیٹی کا کھلا سینہ اور ننگی ٹانگیں ان کے بیٹے پر کوئی اثر نہیں ڈالتی اور اس سے ان کی جنسی جبلت کو کوئی تحریک نہیں ہوتی کیوں کہ وہ آپس میں بھائی بن ہیں۔ جب کہ یہ بات درست نہیں۔ البتہ ہوسکتا ہے کہ بہت سے بچے ان واقعات کی طرف توجہ دیں۔ لیکن یہ بات اتنی اطمینان بخش نہیں ہے۔ جنسی جبلت ایک بہت طاقتور قوت ہے۔ اور محرم و ناکرم ہونا، بھائی اور بن ہونا، ماں اور باپ ہونا اس کے سر میں نہیں سماتا۔ ہوسکتا ہے ایک نظر دیکھنے سے ان میں تحریک پیدا ہو جائے اور جنسی زت کے حصول کی فکر ان میں بیدار ہو جائے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

1_ وسأُ ، ج 14، ص 170

2_ وسأُ ، ج 14، ص 170

بہت ممکن ہے کہ ایک ن نظر سے ش اور جنسی خواہشات بیدار ہوجائیں۔⁽¹⁾

ایسی زودرس تحریکات ممکن ہے سادہ روح ، نا تجربہ کار اور نادان بچے کے لیے بہت برے نتائج کی جا ہوں۔ ہوسکتا ہے نا تجربہ کار بچہ یا نوجوان ان کے باعث زنا یا لوار کی طرف کھینچے جائے۔ ہوسکتا ہے اس کے نتیجے میں استمناء کی ہولناک بیماری میں مبتلا ہوجائے اس سلسلے میں اپنے بچوں کے ماں باپ ذمہ دار ہیں کہ جن کی بے احتیاطیوں اور نیر عالانہ طرز کے کی وجہ سے ان کے بچوں کو اس وقت کو تحریک ملی۔ اس مقام پر برا نہیں ہے کہ ایک دانشور کی اس تحریر کی طرف توجہ فرمائیں۔

اپنے بچوں کی نفسیاتی سلاقی کے لیے چاہیے کہ ہم اپنا جسم ان کے سامنے عریان نہ کریں۔ اور حتی الامکان اس سے اجتناب کریں۔ بعض اوقات ممکن ہے ہمارے بچے چوری چھپے جب ہم نہا رہے ہوں یا کپڑے تبدیل کر رہے ہوں ہماری طرف دیکھیں۔ ہمیں نہیں چاہیے کہ اس کام پر ان کی توجہ کریں۔⁽²⁾ یہ صحیح ہے کہ ماں باپ اپنی اولاد کے لیے محرم ہیں اور اگر میں جنت جس چاہے رہیں لیکن اپنے اور اپنے بچوں کے اجتماعی زائد کو ہنی بے جا ہوس اور آزادی کی نذر نہیں کردینا چاہیے اور ہنی اور ہنی اولاد کسی زورگیری کو تباہ کے خطرے سے دوچار نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس کے نتیجے میں زندگی حسرت و ندامت کی نذر ہوجائے گی۔

ایک شخص کی ران ننگی تھی۔ رسول اکرم (ص) کی نظر پڑی تو فرمایا: ہنی ران کو ڈھا۔ لو کیونکہ یہ۔ بھس چھپانے کسی چیز ہے۔⁽³⁾ منا نہیں ہے کہ چار سال سے زیادہ عمر کا بیٹا ماں کے ساتھ کے نہائے۔ اسی طرح چار سالہ بیٹی کو بھی باپ کے ساتھ نہیں نہانا چاہیے۔ بچوں اور بانصوب نوجوانوں کو

1_ غرار کم ، ص 416

2_ بیوند ہای کودک و خانوادہ ، ص 177

3_ مستدرک حاکم ، ج 4 ، ص 181

تنبہا اور بیکار نہ رہنے دیں کہ کہیں وہ حصول زت اور استمناء کی نگر میں نہ پڑ جائیں۔ خھے بچے کی شرم گاہ کو حتی التور اس کے
 بَن بھائیوں سے پوشیدہ رکھیں۔ بھی بھی بچوں کو نش لگانے نہ دیں۔ میاں بیوی کو نہیں چاہیے کہ بچوں کی موجودگی میں ایک
 بستر پر سوئیں اور ان کی موجودگی میں ایک دوسرے سے چہ چھاڑ کریں۔

ایک خاندان کی مہ لات میں سے میاں بیوی کے جنسی روابط کا مسئلہ بھی ہے میاں بیوی کا ہے کہ وہ اٹھے ہوئیں اور اس کے
 سوا چارہ بھی نہیں ہے۔ اور اگر گری میں چند ایک چھوٹے بڑے بچے ہوں تو ماں باپ کے لیے آپس میں راب کی مہ لات پیدا ہو جاتی
 ہیں۔ بہر حال اس سلسلے میں ان کی ذمہ داری ہے کہ یہ عیب طریقے سے انجام دیں کہ ان کے بچے بالک اس طرف متوجہ نہ
 ہوں، ورنہ ممکن ہے کہ ان کے جذبات ک اٹھیں اور وہ برائی، تباہ اور گناہ کی طرف کھینچ جائیں۔

حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

مرد کو نہیں چاہیے کہ جب بچہ کمرے میں موجود ہو تو وہ ہنی بیوی کے قریب ہو۔ کیونکہ یہ عیب زنا کا باعث بنے گا۔ (1)

رسول اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا:

واللہ اگر کوئی شخص ہنی بیوی سے مباشرت کرے جب کہ بچہ کمرے میں جاگ رہا ہو۔ وہ انہیں دیکھے اور ان کی آواز سانسوں کی صرا
 سے تو وہ بچہ بھی لالچ نہیں پائے گا۔ لڑکا یا لڑکی آلودہ زنا ہو جائے گا۔

جب بھی امام سجاد علیہ السلام ہنی زوجہ کے قریب ہونا چاہتے تو خدمت گزاروں کو باہر بچ دیتے دروازے بند کر لیتے اور پردے گس لیتے

(2) رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے منع کیا ہے کہ مرد ہنی بیوی کے نزدیک ہو جب کہ

1_ وسأ، ج 14، ص 94

2_ وسأ، ج 14، ص 94

نہا بچہ گھوڑے میں ان کی طرف دیکھا رہا ہو۔ (1)

ابذا جن میاں بیوی کا بچہ ہوا نہیں پہلے کی سی آزاد روش اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ اپنے بچوں کی عزت کی حفاظت کس خاطر ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ جنسی تعلیم بالکے منفی طریقے سے کریں اور اس طرح سے بچہ کر کے بچے کو بالکے بونہ آئے جب کہ۔ ایسا کرنا کوئی آسان نہیں ہے۔ یہ نہ کہیے گا کہ بچے تو نادان ہیں انہیں کسی چیز کا کیا پتہ۔ جب کہ بچے بڑے تیز اور شیطانی ہوتے ہیں۔ ماں باپ کے کاموں پر بڑی نظر رکھتے ہیں۔ انہیں بڑی خواہش ہوتی ہے کہ ماں باپ کی پوشیدہ باتیں معلوم کریں۔ یہاں تک کہ بعض اوقات اپنے تئیں سوتا ظاہر کرتے ہیں تاکہ ماں باپ کے منفی کاموں کا انہیں پتہ چلے۔ دروازے اور دیوار کی اوٹ سے بھی بڑی توجہ سے کان لگا کے ماں باپ کی باتیں سننے کی کوشش کرتے ہیں ابذا ایک خاندان کی مشکلات میں سے ایک مسئلہ یہ بھیس ہے کہ۔ جس کا کوئی آسان بھی نہیں۔ ممکن ہو تو لچھا ہے کہ میاں بیوی کی خلوت کا کمرہ بچوں کے سونے کے کمرے کے نزدیک نہ ہو اور بچوں کو وہ ایسی عادت ڈالیں کہ جب وہ سو رہے ہوں یا آرام کر رہے ہوں تو ان کے خاص کمرے میں اجازت کے بغیر داخل نہ ہوں اور جنسی تعلیم ان اوقات میں انجام دیں جب بچے پوری طرح سو رہے ہوں لیکن ایسا کمرہ ہر کسی کو میسر نہیں ہے۔

ایک مغربی دانشور لکھتے ہیں:

دور حاضر کی عمارتوں میں بیشتر گریڈ بنے ہوتے ہیں کہ بناتے وقت جنسی مسائل کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ہوتا۔ درحقیقت آج کے گروہوں کو جنسی تقاضوں کے مخالف گریڈ قرار دینا چاہیے۔ بہت کم ایڈریڈ یا فیلڈ ملتے ہیں کہ جن میں واریئن کے لیے جہرا کمرے کی ضرورت کو ملحوظ رکھا گیا ہو۔ اکثر ایڈریڈ کمروں کی دیوار میں باریک ہوتی پیناؤر بچے ان کے گرداگرد ہوتے ہیں۔ یہ ایک تلخ اور ناگوار حقیقت ہے کہ ان نکلت کو ملحوظ خاطر نہ رکھنے کی وجہ سے

جن وارین کے لیے الگ گوشہ آرام نہ ہو ان وارین کی طبعی خواہشات گٹی رہتی ہیں۔⁽¹⁾

البتہ مخصوص کمرے کا ایک نقصان یہ ہے کہ وارین سوتے ہوئے اپنی اولاد سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ انہیں بھی اکیلا چھوڑ دیتے ہیں۔ خصوصاً جب ان میں کوئی بڑا بچہ ہو۔ اور بیٹا اور بیٹی ہو تو یہ کام بے احتیاطی سے خالی نہیں ہے۔ اگرچہ کم خطرہ ہے بہتر حال احتیاط ضروری ہے۔ خود ماں باپ بچے بھی ہو مہنگا کو حاکم کریں۔ البتہ اس صورت میں جب ماں باپ مجبور ہوں کہ وہ اپنے بچوں کے ساتھ ایک کمرے میں سوئیں تو وہ مجبور ہیں کہ وہ آپس میں تعلق کو منفی رکھیں اور اس سلسلے میں زیادہ توجہ اور احتیاط سے کام لیں۔ اولاد ماں باپ کو ایک بستر پر نہیں سونا چاہیے بلکہ ان کا بستر جدا جدا ہونا چاہیے۔ ممکن ہو تو وہ آپس میں اسی وقت میں جب بچے گر پر نہ ہوں۔ ایسا نہ ہو تو نصف شب جب یقین ہو کہ بچے بالک سو رہے ہیں تو چپکے سے کمرے سے نکل جائیں اور کسی خلوت کی جگہ پر چلے جائیں اور پھر سونے کے کمرے میں لوٹ آئیں۔ بہر حال اگر ماں باپ مسئلے کی اہمیت جانتے ہوں اور اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوں تو ہر مسئلے کو حاکم کرن لیں۔ یہ مسئلہ اس قدر اہم ہے کہ خداوند کریم قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:

يا ايها الذين آمنوا لیتناؤکم ازین ملت ایماکم و ازین م یبذوا لکم منکم ثلاث مرات من قبل صلوٰۃ الفجر و حین تفضون ثیابکم من

الظہیرة و من بر صلوٰۃ الاشاء ثلاث

عورت: لکھم۔

اے ایمان والو! ہمارے خادموں اور نابالغ بچوں کو تین اوقات میں اجازت لے کر تمہارے پاس آنا چاہیے۔ ایک تو نماز صبح سے پہلے دوسرے دوپہر کو جب (سوتے وقت) کپے بدلتے ہیں اور تیسرے نماز شام کے بعد، یہ تین وقت تمہارے پردوں کے وقت ہیں۔ (سورہ نورہ - آیت 58)

بالغ ہونے سے پہلے بچے عموماً ماں باپ سے بلاواسطہ یا بالواسطہ جنسی مسامحہ کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ بعض ماں باپ پردہ پوشی کے لیے سوال کو ٹال دیتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں:

چاہو، فضول باتیں نہ کرو، یہ بات تم سے متعلق نہیں ہے، بڑے ہو کر سمجھ جاؤ۔

یوں وہ بچوں کو چھوڑ کر دیتے ہیں۔ لیکن بعض ماں باپ بچوں کے سوالوں کا جواب تو دیتے ہیں لیکن غلط اور خلاف حقیرت۔ بچے بھی سمجھ جاتے ہیں کہ ہمارے ماں باپ ہمیں دھوکا دے رہے ہیں۔

یہ دونوں طرزِ عمل درست نہیں ہیں کیونکہ بچہ سمجھنے کے لیے سوال کر رہا ہے اگر آپ نے اس کی صحیح رہنمائی نہ کی تو ممکن ہے دوسرے اسے بھڑکائیں۔ خوش قسمتی سے بلوغ سے پہلے جنسی امور سے متعلق بچوں کے سوال کوئی ایسا پیچیدہ اور ناقابلِ جواب

بھی نہیں ہوتے بلکہ ان کے سادہ سے سوالوں کا آسانی سے جواب دیا جاسکتا ہے۔ بڑی بات جو بچے کو ایک عمر تک سوچ

میں ڈالے رکھتی ہے وہ بچے اور بچی کی شرمگاہ میں فرق ہے ایک چھوٹا بچہ خوب سمجھتا ہے کہ اس کی اور لڑکی کی شرمگاہ میں فرق

ہے لیکن اسے اس کی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ وہ بھی اپنے آپ کو ناقص سمجھتا ہے اور بھی لڑکی کو۔ اس کا دل چاہتا ہے کہ

اس فرق کو سمجھے۔ اسی لیے وہ ماں باپ سے اس کے بارے میں سوال کرتا ہے۔ ماں باپ کا فرض ہے کہ اسے اس میں اس سے

صراحت سے کہیں کہ تمام لڑکوں کے اسی طرح سے پیدا ہوتے ہیں اور تمام لڑکیوں بھی اسی طرح سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس میں لڑکے

باپ بن جائیں اور لڑکیاں ماں بن جائیں گی اور پھر ان کی اولاد ہوگی اور یوں انسان دنیا میں آتے

رہیں۔ اور یوں یہ دنیا آباد رہے گی۔

آپ یہ نہ سوچیں کہ آپ کا بچہ تمام حقائق جاننا چاہتا ہے۔ وہ جتنا پوچھتا ہے اتنا ہی جاننا چاہتا ہے، اس سے زیادہ نہیں بلسوغ سے پہلے بچے کو اس کی نگری سطح کے مطاباً تدریجاً جنسی مسائل سے آگاہ کریں۔ اگر آپ نے اسے نہ بتایا تو اسکول یا گلی ملے کے بچوں سے اسے معلوم ہو جائے گا۔ یوں یہ راز کی باتیں اس کے لیے راز نہیں رہیں گی۔ ماں باپ سے یہ باتیں سننا گلے ملنے کے گندے بچوں سے سننے کی نسبت بہتر ہے۔ اگر آپ نے اس کی صحیح راہنمائی کی تو وہ گندے بچوں کی گمراہی سے بچ سکتا ہے۔

جب آپ کا بچہ بالغ ہو جائے اور آپ کو یہ احساس ہو کہ اس کی جنسی قوت کسی حد تک بیدار ہو چکی ہے اور اس میں تیزی پیدا ہورہی ہے تو آپ کسی مناسب موقع پر اسے کہہ سکتے ہیں:

جب بچے جوان ہو جاتے ہیں تو انہیں خواہش ہوتی ہے کہ وہ کسی کو اپنا رفیق بنائیں لڑکیاں لڑکوں کو اور لڑکے لڑکیوں کو چاہتے ہیں۔ اس میں کوئی عیب کی بات نہیں۔ البتہ اگر کوئی پاک باز اور نیک رفیق ہو تو انسان کی خوش نصیبی ہے ورنہ بڑا رفیق تو انسان کی دنیا و آخرت کو تباہ کر دیتا ہے ...

... شادی کے بعد انسان کی ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں بیوی کے اخراجات جدا اور اولاد ہو جاتی ہے تو اس کے مخارج جدا۔ یہ -

پہلے مرد کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ تم بھی تعلیم پوری کر لو اور کمانے لگو تو تمہارا بھی شادی کر دیں۔ خوب دل لگا کر پڑھو، لاء بن جاؤ تو اچھے لوگ تم سے پیدا کریں اور تمہیں بھی کوئی اچھی سی بیوی ملے جائے ...

... استہناء سے بچنا یہ بہت بری بات ہے۔ گناہ ہے، خدا دیکھتا ہے اس کی نظر میں یہ برا جرم ہے۔ انسان کی صحت کے لیے بھی تباہی کا باعث ہے شاید۔ انسان شادی کے بھی قابلاً نہ رہے۔

برے دوستوں سے بچنا ان کی بری باتوں سے بچنا وہ انسان کو تباہ کر دیتے ہیں ...

بچے بالغ ہوجائیں تو ان کے زیر بُ اور زیر ناف بال اگنے لگتے ہیں۔ انہیں ہوسکتا ہے وہ اپنا کوئی بچہ سمجھیں۔ ان کس راہنمائی
 بچے گا۔ بال صاف کرنے کا طریقہ اور اس کی اہمیت انہیں سمجھائیے انہی کو خون آنے سے تو ہوسکتا ہے وہ خوف زدہ ہوجائے دور
 چھپاتی پرے ماں کو اس سہلے میں پیارے اس کی راہنمائی کرنا چاہیے، اسی طرح اس کی چھپتیاں ارنے لگیں تو ہوسکتا ہے وہ بہت
 بچہ محسوس کرے۔ ماں کو اس بارے میں بھی پیار سے اسے ضروری امور کی راہنمائی کرنا چاہیے۔

اسی طرح بیٹے ہمیں جب علامت بلوغ پیدا ہوتی ہے تو وہ سوتے ہوئی اٹے اٹے خواب دیکھتا ہے۔ جس سے اس کو تحریک ہوتی ہے
 اور احتلام ہوجاتا ہے۔ بھی وہ اس کو نقص سمجھنے لگتا ہے اور اپنے آپ کو گنہگار اضطراب کی وجہ سے اس سہلے میں کسی سے بات
 چیت بھی نہیں کرتا۔ ایہ ایہ موقع پر وارین کی ذمہ داری ہے کہ اسے سمجھائیں اس کی مہکاہ کریں۔ ماں بھس بیٹس کس
 مہکاہ کرے اور اس سے کہے تیرے زیرناف و بُ بالوں کا اگنا، یا خون بالغ ہونے کی علامت ہے لڑکیوں میں اس عمر میں اس
 طرح کی علامات ہوتی ہیں خون کے ایام میں۔ پر نماز واجب نہیں ہے، روزہ بھی نہ رکھو! ر میں قضا کر لینا۔ پراسے ماہواری
 کے احکم اور نظافت و نیرہ کا طریقہ بتائے۔ باپ بھی بیٹے سے اس طرح کہے کہ اب تو بالغ ہو گیا ہے، تیرے زیر ناف و
 بُ بال اگیں۔ تحریک کندہ خواب دیکھو۔ تمام لڑکوں سے ایسی عمر میں ایسا ہوتا ہے اس سے کوئی زیر پریشانی محسوس نہ
 کرو۔ اگر محکم ہو جاؤ تو اس سے تمہارا لباس جس ہو جائے گا۔ بھی تم پر واجب ہو جائے گا۔ کرنے کا طریقہ یہ ہے
 ... اس طرح ماں باپ بچوں کے اضطراب اور پریشانی کو دور کر کے انہیں زمان بلوغ کے واقعات کے لیے پہلے سے آمادہ کردیتے ہیں
 جس سے بچے اس دور کو ایک بیعی دور سمجھنے کے چھپاتے نہیں۔

کتاب کا مراحہ

کتاب کا مطالعہ، تعلیم و تربیت کا ایک بہترین طریقہ ہے۔ اچھی کتاب قاری کی روح پر بہت گہرا اثر ڈالتی ہے۔ اس کس روح اور نرس کو کمال عطا کرتی ہے اور اس کی انسانی حیثیت کربلند کردیتی ہے۔ اس کے علم میں اضافہ کرتی ہے۔ اس کس معلومات بڑھاتی ہے۔ اخلاقی اور اجتماعی خرابیاں دور کرتی ہے۔ خصوصاً دور حاضر کی مشینی زندگی میں کہ جب انسان کے پاس فرات کم ہوگئی ہے اور علم و دینی محافل میں شرارت مشکا ہوگئی ہے کتاب کا مطالعہ، تعلیم و تربیت کے لیے اور بھی اہمیت اختیار کرگیا ہے ممکن ہے کتاب کے مطالعہ سے انسانی روح پر جو اثرات مترتب ہوں وہ دیگر حوالوں سے مترتب ہونے والے اثرات سے عمیر تراور زیادہ گہرے ہوں بھی انسان کا مطالعہ، اس کی شخصیت کو تبدیل کر کے دکھ دیتا ہے علاوہ انہیں مطالعہ، کتاب بہترین مشاغل و ولایت بھسی ہے اور صحیح تفریح بھی۔ جو لوگ اپنی فراغت کے اوقات کتاب کے مطالعہ میں گزارتے ہیں وہ علم اور اخلاقی استفادہ کے علاوہ اعصابی کمزوری اور روحانی پریشانی سے بھی محفوظ رہتے ہیں اور ان کی زندگی زیادہ آرام وہ ہوتی ہے۔ کتاب ہر نظارے سے زیادہ خوبصورت اور ہر پہلو اور ہر چمن سے زیادہ فرحت بخش ہے لیکن جو اس کے لیے کتاب دلوں کی پاکیزگی اور نورانیت عطا کرتی ہے اور غم بھلا دیتا ہے اگرچہ وقتی اور پرنا سہی۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: جو شخص اپنے آپ کو کتابوں کے ساتھ مصروف رکھتا ہے اس کا آرام خاطر

ضائع نہیں ہوتا۔⁽¹⁾

امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

تازہ بہ تازہ علم مطالب حاصل کر کے اپنے دلوں کی کسالت اور خستگی کو دور کرو کیوں کہ دل بھی بدن کی طرح تڑک جاتے ہیں۔⁽²⁾

ہر ملت کی ترقی اور تمدن کا میسر ان کی کتابوں کی کیفیت، تراویع اشاعت اور مطالعہ کرنے والوں کی تراویع کو قرار دیا جاسکتا ہے پڑھا۔ لکھا ہونا ترقی کی علامت نہیں بلکہ مطالعہ اور تحقیق ملتوں کی ترقی کی علامت ہے۔ ہمارے پاس پڑھے لکھے بہت ہیں لیکن یہ بہت باعث افسوس ہے کہ مہتمم اور کتاب دوست زیادہ نہیں۔ زیادہ تر لڑکے لڑکیاں جب فارغ التحصیل ہو جاتے ہیں تو کتاب کو ایک طرف رکھ دیتے ہیں وہ کاروبار اور زندگی کے دیگر امور میں مشغول ہو جاتے ہیں بہذاں کی معلومات کا سہ لہ وہیں پر رک جاتا ہے۔ گویا حصول تعلیم کا مترادف حصول مہتمم اثر ہوتا تھا۔ جب کہ حصول تعلیم کو انسان کے کمال اور علم پیش رفت کے لیے مترادف ہونا چاہیے۔ انسان ابتدائی تعلیم کے حصول سے مطالعہ اور تحقیق کی لاجبت پیدا کرتا ہے۔ اس کے برعکس اس کو چاہیے کہ وہ مطالعہ کرے۔ تحقیق کرے اور کتاب پڑھے تاکہ اپنے آپ کی تکمیل کر سکے اور پھر ایک مرحلے پر انسانی علوم کی ترقی میں مدد کر سکے اور یہ کام تو ابتدائی اور وسائے کے مطالعہ آخر عمر تک جاری رکھے۔ دین مہتمم اسلام نے بھی اپنے پیروکاروں کو حکم دیا ہے کہ بچپن سے لے کر موت کی دہیز تک حصول علم کو ترک نہ کریں۔

رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حصول علم ہر مہتمم لمان کا فریضہ ہے اور اللہ طالب علموں کو پسند کرتا ہے۔⁽³⁾

1_ غرر اکم، ص 636

2_ اصول کافی، ج 1، ص 48

3_ اصول کافی، ج 1، ص 30

حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

میرے اصحاب کو اگر تازیانے سے بھی حصول علم کے لیے آمادہ کیا جائے تو مجھے یہ پسند ہے۔⁽¹⁾

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

دو افراد کے علاوہ زندگی میں کسی کے لیے بھلائی نہیں پہلا وہ عام کہ جس کی اتباع کی جانے اور دوسرا کہ جو حصول علم میں مشغلو ہو

⁽³⁾ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: لوگ تین طرح کے ہیں:

1_ عام ،

2_ طالب علم اور

3_ باقی کو ڈاکر کا ڈیر۔⁽³⁾

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا: بیٹا اپنے شہ و روز میں پ وقت مطالعہ اور حصول علم

کے لیے مختص کرو کیونکہ اگر تم نے مطالعہ ترک کر دیا تو تمہارا علم ضائع ہو جائے گا۔⁽⁴⁾ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد

فرمایا: حصول علم ہر حال میں واجب ہے⁽⁵⁾

1_ اصول کافی ، ج 1 ، ص 31

2_ اصول کافی ، ج 1 ، ص 33

3_ اصول کافی ، ج 1 ، ص 34

4_ بحار ، ج 1 ، ص 169

5_ بحار ، ج 1 ، ص 172

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

طلّ الّٰم فریضة علیّ الّٰم و الّٰمة

علم کا حصہ کرنا ہر مہمان مرد اور ہر مہمان عورت پر فرض ہے۔⁽¹⁾

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

اگر لوگوں کو علم کا فائدہ معلوم ہوتے تو اس کے حصول کے لیے کوشش کرتے اگرچہ اس کام میں ان کی جان خطرے میں پڑجاتی

یا انہیں حصول علم کیلئے سمندر پار کا سفر کرنا پڑتا۔⁽²⁾

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر میرا کوئی ایک دن ایسا گزر جائے کہ جس دن میرے علم میں پہنچے بھی احسان نہ ہو تو وہ دن نامیادک ہے۔⁽³⁾

ماں باپ کی ابتدائی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کو پڑھنے لکھنے کے لیے اسکول بھیجیں اسلام نے اس سلسلے میں بھی بڑی تاکید کی

ہے۔ حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: بچہ سات سال کھیلتا ہے سات سال پڑھتا ہے اور سات سال حلال و حرام کے متعلق

جانتا ہے۔⁽⁴⁾ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: بیٹے کے باپ پر تین ہیں۔

1_ اس کا اچھا سنام رکھے،

1_ بحار، ج 1، ص 177

2_ بحار، ج 1، ص 177

3_ مجمع الزوائد، ج 1، ص 137

4_ مستدرک، ج 2، ص 625

2_ اسے پڑھنا لکھنا سکھائے اور

3_ جب بڑا ہو جائے تو اس کی شادی کرے۔ (1)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا: جب بچے کو مدرسے لے جاتے ہیں اور استاد اسے بسم اللہ پڑھتا ہے تو خیر اس کے دارین کو جہنم کی آگ سے بچالیتا ہے۔ (2) پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا:

افسوس ہے دور آخر کے بچوں پر کہ جوان کے آباء کے ہاتھوں ان چہ گزرے گی۔ اگر چہ وہ ملمان ہوں۔ لیکن ہنی اولاد کو دینس فراض سے آگاہ نہیں کریں۔ (3) ماں باپ کی دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ہنی اولاد کی اس طریقے سے پرورش کریں کہ وہ علم و دانش حاصل کرنے، کتاب پڑھنے اور محنت و تحقیق کے شیدا بنیں۔ ان کے گر کا ماحول عملی ہونا چاہیے۔ اور وہ اپنے بچوں کو تول و ع سے مطالعہ کرنے کا شوق دلائیں۔ بہتر یہ ہے کہ یہ طریقہ کلیمپن ن سے شروع کر دیا جائے۔ اور بچے کے سکول جانے سے پہلے اسے اس طرز کا عادی بنایا جائے۔ پہلے آپ بچوں کو کتاب پڑھ کر سنائیں۔ چھوٹے چھوٹے۔ سادہ اور قابلہ ہم قصوں اور کہانیوں کی کتابیں انہیں لاکردیں۔ اگر یہ کتابیں تصویروں والی ہوں تو اور بھی بہتر ہے۔ پھر ہر روز ماں باپ یا بڑی بن یا بھائی اس کتاب کا حصہ چھوٹے بچے کو پڑھ کر سنائیں اور اگر اس کتاب میں تصویریں بھی ہوں تو کتاب کے مطالب کی ان تصویروں کے ساتھ تزیین کر کے بچوں کو بتائیں۔ پھر اس سے کہا جائے کہ اس کہانی کا خلاصہ بتائے۔ اور اگر اس میں چھوٹے چھوٹے شعر بھس ہوں تو اسے وہ شعر یاد کرائے۔

1_ مستدرک، ج 2، ص 625

2_ مستدرک، ج 2، ص 625

3_ مستدرک، ج 2، ص 625

جائیں۔ البتہ اس سلسلے میں جاری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ یا بچے کی اسٹریڈ اور خواہش کے مطابقت سے کہانیاں پڑھ کر سہنائی جائیں نہ کہ اس کی اسٹریڈ سے زیادہ۔ کیوں کہ اگر اس کی اسٹریڈ اور ہم سے زیادہ اس پر ٹھونسنے کی کوشش کی گئی تو وہ شروع سے کتاب پڑھنے سے بیزار ہو جائے گا۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رکھیں جب تک بچہ خود پڑھنا اور لکھنا سیکھ نہیں جاتا۔ اس کے بعد کتاب پڑھنے کی ذمہ داری خود بچے پر ڈال دی جائے۔ بھی بھی کتاب کے متعلق اس کی رائے معلوم کس جائے۔ کتاب کے مطالب کے بارے میں اس گفتگو کی جائے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رکھیں جب تک بچہ خود بخود کتاب پڑھنے کا عادی ہو جائے۔

یہاں پر وارنن کی خدمت میں چند نکات کی یاد دہانی ضروری ہے۔

- 1۔ بچے کہانیاں پسند کرتے ہیں۔ اور ان کے مطالب کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ البتہ کلی مطالب کو وہ اچھی طرح نہیں سمجھتے۔ اس لحاظ سے بچوں کی کتابیں حتیٰ الامکان کہانیوں کی صورت میں ہونی چاہیے۔
- 2۔ ہر بچہ ایک الگ شخصیت کا مالک ہے۔ تمام افراد کی اسٹریڈ اور ذوق برابر نہیں ہوتے۔ مختلف عمروں میں ان میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ لہذا ماں باپ پہلے اپنے بچے کی اسٹریڈ اور ذوق کو سمجھیں اور پھر اسی کے مطابق اس کے لیے کتابیں لائیں۔ مشورہ اور بوریت سے۔ ہر پور مطالب اس پر ٹھونسنے سے پرہیز کریں۔ کیوں کہ ممکن ہے ایسا کرنا اسے کتابیں پڑھنے سے بیزار کر دے۔
- 3۔ چونکہ بچے کی شخصیت کی تعمیر ہورہی ہے۔ اور کتاب اس پر گہرا اور عمیق اثر چھوڑتی ہے۔ لہذا اسے ہر طرح کس کتاب نہیندی جاسکتی۔ ماں باپ پہلے خود خود وہ کتاب پڑھیں، اس کے مطالب پر مطمئن ہونے کے بعد وہ بچے کے سپرد کریں۔ اگر بچے نے کوئی گندی کتاب پڑھی تو یہ اس کی روح پر برا اثر ڈالے گی۔ جب کہ اس کی دوبارہ تربیت کرنا اور اسے سدھارنا بہت مشکل کام ثابت ہوگا۔

4۔ بچے جرائم کی کتابیں جن میں پولیس، قتل، اور چوری ڈاکہ کی باتیں ہوں بڑے شوق سے

پڑھتے ہیں۔ لیکن اس طرح کی کتابیں نہ فقط یہ کہ بچوں کے لیے سودمند نہیں ہیں بلکہ انہیں قند ، جرم اور چوری و زنیہ کے طریقے سکھاتی ہیں۔ جس سے ان کی سلاقی ، اور روحانی و نفسیاتی سکون تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح جنسی توت کو تحریک دینے والی کتابیں بھی بچوں کے لیے نقصان دہ ہیں۔ کیوں کہ ممکن ہے ان کتابوں سے ان کی جنسی توت وقت سے پہلے بیسرا ہو جائے اور انہیں تباہ و بربادی کی وادی میں دیکھ دے۔

ایک صاحب اپنی یادداشتوں میں لکھتے ہیں:

... میری وادی اماں تھیں جو بہت محبت کرتی تھیں۔ رات کو میں ان کے پاس ہوتا اور ان سے کہانی سنانے کس ضرر کرتا۔ وہ مجھے سنانے کے لیے ہر رات ایک کہانی سناتیں۔ وہ مجھے جن بابا کی کہانی سناتیں اور اسی طرح دوسری ڈراؤنس کہانیاں۔ ان کہانیوں نے میری روح اور نفسیات پر اپنا اثر چھوڑا۔ میں اسی پریشانی کن حالت میں سو جاتا۔ اور خواب میں بھی یہ انکار مجھے پریشان کرتے رہتے میں ان تحریک آمیز اور فرضی کہانیوں اور افسانوں کو بہت پسند کرتا انہوں نے میری روح کو بہت حساس اور پریشان کر دیا۔ میں بزدل اور ڈرپوک بن گیا۔ تنہائی سے مجھے خوف آتا۔ میں غصیلہ اور زود رنج ہو گیا۔ یہ کیفیت ابھی بھی ہے۔ میں باقی ہے۔ کاش واریں اس طرح کی جھوٹی اور تحریک آمیز کہانیاں اپنے بچوں کو نہ سنائیں۔ میں نے یہ پکارا کہ کیا ہوا ہے کہ اپنے بچوں کو اس طرح کی کہانیاں نہیں سناؤں گا۔ میں عموماً انہیں قرآنی قصے اور دیگر سچی کہانیاں سنانا ہوں۔

5- کتاب پڑھنے کا مقصد صرف وقت گزاری نہیں ہے۔ بلکہ اس کا اصل مقصد اس کے مطالب کو سمجھنا اور ان سے استفادہ کرنا ہے۔ یہ بات اہم نہیں ہے کہ بچہ کتنی کتاب پڑھتا ہے بلکہ اہم یہ ہے کہ اس نے یہ کتاب کس طریقے سے پڑھی ہے۔ کیا سرسری در پر پڑھ کر گزر گیا ہے یا غور کر کے اور سمجھ کر اس نے پڑھی ہے ماں باپ کو اس سلسلے میں پوری توجہ رکھنی چاہیے۔ بچے سے بھی کتاب کے مطالب کے متعلق

سوال کرتے رہنا چاہیے۔ اور ان مطالب کے صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں بھی اس کی رائے معلوم کرتے رہنا چاہیے نیز چاہیے کہ۔ اس سے دریافت کیا جائے اس سے اس نے کیا نتیجہ حاصل کیا ہے۔

6۔ بچوں کو انسانوں اور جھوٹ پر مشتمل حیرت انگیز کتابیں بھی بہت اچھی لگتی ہیں بچوں کی ایسی کتابوں سے محبت کس سے بعوض دانشور تائید کرتے ہیں اور کہتے ہیں اس طرح کی کتابیں بچے کے وسعت تخیل کے لیے بہت مفید ہیں۔ لیکن راقم کس رائے پر ہے کہ نیر حقیقی اور افسانوں کی کہانیاں بچوں کو جھوٹ کا عادی بنا دیتی ہیں اور اس کے دماغ میں جھوٹے اور نیر حقیقی انکار جاگزیں ہو جاتے ہیں جب وہ بڑا ہو جائے گا تو اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے بھی نیر حقیقی راستے تلاش کرے گا۔

7۔ یہ صحیح ہے کہ بچہ کہانیوں کو باقی چیزوں کی نسبت زیادہ پسند کرتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ فقط کہانیوں پڑھنے کا عادی ہو جائے۔ بلکہ بھی بھی علی، اخلاقی اور اجتماعی امور پر مشتمل فائدہ بخش کتابیں بھی اسے دی جائیں تاکہ وہ آہستہ آہستہ گہرے اور ذہنی طور پر علی مطالب سمجھنے کے لیے آمادگی پیدا کرے اور اس میں فقط علی کتابیں پڑھنے کا عادی ہو جائے۔

8۔ ایسا نہیں ہے کہ بچہ فقط افسانوی اور جھوٹی کتابوں کو پسند کرتا ہو بلکہ بڑی شخصیات اور حقیقی تاریخ ساز انسانوں کی زندگی پر مشتمل کتابیں بڑے شوق سے پڑھتا ہے اور اس طرح کی کتابیں پڑھنے سے کسی شخصیت کو اپنا ایڈیٹ اور نمونہ قرار دیتا ہے اس طرح کی کتابیں بچے کے لیے دلچسپ بھی ہیں اور مفید بھی ہیں۔

نات انقت پ

بعض بچے پیدائشی ور پر ناقص اتت ہوتے ہیں یا بر میں کسی حاد کی وجہ سے ان کے بدن میں کوئی نقص پیرا ہوجاتا ہے۔ اندھے لولے لنگڑے گون بہرے اور اسی طرح کے دوسرے نقائص میں بہت سے افراد مبتلا ہوتے ہ بعض بچے اگر چہ بہرن کتے کسی عضو کے اتبار سے تو نقص نہیں رکھتے لیکن منا قامت اور مک خوبصورتی سے محروم ہوتے ہیں۔ کالے، پتیلے، کمزور، بہت چھوٹے، بہت بڑے، بہت موٹے، چھوٹی ناک والے، بڑے منہ والے یا چھوٹے منہ والے، اندر کو دھنسی ہوئی آنکھوں والے، اور بڑے دانتوں والے، ان نقائص کے حاد افراد اگر چہ کسی ع عضو کے نقص میں مبتلا نہیں ہوتے لیکن دوسروں کی نسبت مک۔ اور خوبصورت بھی نہیں ہوتے۔

اسی میں ان افراد کا کوئی قصور نہیں ہے خدا نے انہیں اس طرح پیدا کیا ہے نظام خلقت میں تمام اشیاء خوبصورت اور منا ہیں یہ۔ تو ہماری کم ہن اور کم ذوقی کا قصور ہے کہ کسی کو خوبصورت سمجھتے ہیں اور کسی کو بد صورت۔

ناقص اور مزور افراد چونکہ اپنے نقص کی طرف متوجہ ہوتے ہیں لہذا ہمیشہ غم و اندوہ میں مبتلا رہتے ہیں۔ وہ احساس کمتری میں مبتلا رہتے ہیں۔ اگر اس احساس کو محتم نہ کیا جائے بلکہ اس کی تائید کی جائے تو وہ ہمیشہ کے لیے احساس کمتری اور کم نہی کا شکار ہوجائیں۔ جن لوگوں کے دل میں احساس کمتری گر کر لے تو وہ ہنی شخصیت گنوا پٹھتے ہیں۔ اپنے متین بے لیاقت، ناچیز اور ناہ سمجھتے ہیں۔ وہ ذمہ داریوں کو قبول کرنے اور کاموں کے لیے لپک

کے آگے بڑھنے سے گریزان رہتے ہیں گویا ذلت و بدبختی کے سامنے ہتھیار پھینک دیتے ہیں۔ ممکن ہے بھی وہ اپنے اظہار وجود کے لیے قتل یا کسی دوسرے جرم کا ارتکاب کر بیٹھیں پانچ قال روم ہوتے ہیں۔ لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کے نقص کو بالکل نظر انداز کر دیں۔ ان کے ساتھ ایسا سلوک کریں کہ جیسا وہ دیگر افراد کے ساتھ کرتے ہیں اور ان کے نقص کے بارے میں نہ سوچیں نہ ان پر ناز کریں نہ تمخر اڑائیں۔ اور نہ ان کے نازک دلوں پر زبان کے چرکے لگائیں۔ دین مہترس اسلام نے عیہ جوئی، تمخر بازی، سرزنش اور دوسروں کی ذات میں کیے نکلنے کو گناہوں کییرہ میں سے اور حرام قرار دیا ہے۔ اور اس بارے میں قدر تاکید کی ہے کہ اپنے پیروکاروں کو حکم دیا ہے کہ آپ ہرگز کوئی ایسا کام نہ کریں کہ ناقص انسانیت اور اپنے نقص کو کسی طرف متوجہ ہو جائیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں: مصیبت میں گر سے افراط اور کوڑھیوں کی طرف زیادہ نہ دیکھیں کیوں کہ ممکن ہے آپ کی نظر میں ان کے لیے باعث حزن و لال ہوں۔⁽¹⁾ علاوہ انہیں ملمانوں کی ذمہ داری ہے کہ۔ ایت افراد کے ساتھ زیادہ محبت اور ہمدردی کریں اور اس طرح سے ان کے احساس کمتری کا ازالہ کریں۔ اور ان میں احساس زندگی کو تقویت بخشیں۔ ایسے بچوں کے ماں باپ کی ذمہ داری بھی سنگین تر ہے۔ اس امر پر ان کی توجہ ہونا چاہیے کہ ناقص افراد بھی ترقی اور کمال کی لاحت رکھتے ہیں۔ اگر ان کی لاحتوں کا اندازہ لگایا جائے اور ان دیگر توتوں کو ابھار کر تقویت پہنچائی جائے تو وہ کسی نہ کسی علی، سائنسی یا فنی شعبے میں مہارت حاصل کر سکتے ہیں اور اس طرح سے اپنے نقص کا ازالہ کر سکتے ہیں اور م اثرے میں بلند مقام حاصل کر سکتے ہیں اور اس طرح سے اپنے نقص کا ازالہ کر سکتے ہیں اور م اثرے میں بلند مقام حاصل کر سکتے ہیں۔ کتنے ناقص افراد ہیں کہ جو کوش اور ہمت سے ایسے بلند مقام پر پہنچے ہیں کہ جس سے ان کا نقص بہت نا پیچھے رہ گیا ہے۔ ماں باپ کو چاہیے کہ اپنی اولاد کے نقص سے بالکل چشم پوشی کریں اور اس بارے میں بالکل بات نہ کریں یہاں تک کہ مذاق، اظہار ہمدردی یا غصے

کی صورت میں بھی ذکر نہ کریں۔ اپ بچوں کے ساتھ بھی ان کا سلوک بالکل ایسا ہو جیسا دوسرے بچوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر خود بچے اس سلسلے میں پریشانی کا اظہار کریں تو کوشش کریں کہ اس نقص کو نیراہم قرار دیں۔ اور اسے اس کی دوسری صلاحیتیں یا دلائل ان کی تعریف و ستائش کریں۔

ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ پوری توجہ سے تفریح کریں کہ بچوں میں کیا کیا اسرار اور لاجبیت موجود ہے اور اس سلسلے میں جاننے والے افراد سے مشورہ کریں۔ اور پرنسپل کو اس طرف متوجہ کریں۔ اور اس بارے میں ان کی تائید کریں اور انہیں ترغیب دیں۔ اگر ماں باپ اس سلسلے میں توجہ کریں تو وہ اپنے ناقص بچے کی اور ماضی کی بہت بڑی خدمت سرانجام دیں۔

اس صورت میں اس طرح کا شخص گویا ہنی کھوئی ہوئی صورت کو پالے گا اور ہنی خداداد لاجبیتوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکے گا۔ اور ماضی میں بھی وہ ایک اہم مقام حاصل کر سکے گا۔

ایک لڑکی اپنے لفظ میں لگتی ہے۔

... میری ایک سہیلی نے ہنی زندگی کی داستان مجھے اس طرح سنائی میں تیرہ سال کی تھی۔ ایک دفتر میں چت سے گڈپڑی۔ میری ریڑھ کی ہڈی پر چوٹ لگی۔ جس کی وجہ سے میں م زور ہو گئی۔ پ عرصہ ہسپتال میں میرا علاج ہوتا رہا۔ اگرچہ مجھے نکال لیف تھیں لیکن مجھے رات میں سہم آئی کہ یہ دن میرے لیے بہت بہتر تھے۔ جب مجھے ہسپتال سے چٹی ملی اور میں گھر پہنچی تو میرے وارین نے مجھے ازلی دشمنوں کی طرح دیکھنا شروع کر دیا۔ انہوں نے کہا تم ہمارے لیے باعث ننگ و اربو۔ ہم لوگوں کو کیتے بتائیں کہ ہم ایک م زور بیٹی کے وارین ہیں۔ تم ہمیشہ ہم پر سوار ہوگی۔ وہ مجھے دلاسہ دینے کی بجائے دن رات لیس سنا رہے ہیں۔ کرتے اور میری پردہ روح کو اور چرکے (زخم) لگاتے۔ وہ یہ نہیں سوچتے تھے کہ میں بے قصور ہوں۔ میں روزانہ نئی مرتبہ خرا سے ہنی موت کی دعا کرتی تاکہ

اس سخت زندگی سے میری جان چھوٹ جائے۔ میں اپنے مفلوج پاؤں کے ساتھ سارا دن گرام میں کام کرتی۔ لیکن کوئی میری دوسوئی نہ کرتا مجھے لاپنی بیٹی ن نہ سمجھتے میری جوانی کے بہترین ایام رنج و درد کے عام میں گزرے۔ پندرہ سال کی عمر میں میں ایک پچاس سالہ بوڑھی کی طرح نظر آتی جب میرے ماں باپ مر گئے۔ میرے بھائی بھی بچپن ن سے بے متوفر تھے وہ بھس میری احوال پرسی نہ کرتے۔ پر میری شادی کردی گئی۔ میرے شوہر بہت مہربان شخص تھے۔ بے سے بہت محبت کرتے۔ اس وقت تک مجھے محبت کی ٹھنڈی چھاؤں نصیر نہیں تھی اب میری حالت دن بدن اچھی ہونے لگی اب میں بالکا تندرست ہو گئی ہوں۔ خدا نے مجھے اولاد بھی عطا کی ہے۔ اور میں خوش و خرم اور صحت و سلاقی کے ساتھ زندگی گزار رہی ہوں۔

• ملنی سزا

بہت سے دارین بچوں کی تربیت کے لیے جسمانی سزا ضروری سمجھتے ہیں اور اکثر اسلذہ کے ذن میں بھی یہ سودا سملیا ہوتا ہے لوگوں میں مشہور ہے کہ "لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔ گزشتہ زمانے میں اس طرز ۶ کے حامی بہت افسراد تھے۔ اور یہ۔ طریقہ کارانج بھی تھا۔ سکول کی ضروریات میں سے ڈنڈا، زنجیر اور کوڑا و نیزہ بھی تھا۔ جو دارین اپنی اولاد کی تربیت کے خسو-اش مند ہوتے وہ انہیں مارنے سے دریغ نہ کرتے۔ لیکن بہت سے دانشور بالوم اور ماہرین نفسیات بانصوص اس طرز ۶ کو بچے کے لیے نقصان دہ سمجھتے ہیں۔ اور اس سے منع کرتے ہیں دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں جسمانی سزا پر تقریباً- تقریباً پانسری ہے اور اس سلسلے میں ئی تاہین منظور اور نافذ ہوچکے ہیں۔ دانشور کہتے ہیں۔

جسمانی سزا سے بچے کی الاح نہیں کی جاسکتی۔ ممکن ہے ظاہری ور پر اس کا تھوڑا بہت اثر ہو لیکن یہ ناقابل- لانی نقصان کی حا۔ بھی ہوتی ہیں مثلاً

- 1۔ مارکھا کھا کر بچے اس بات کا عادی ہو جاتا ہے کہ وہ زور اور طاقت کے سامنے بلاچون و چسرا سر جھکا لے۔ اور ہوسکتا ہے اس طریقے سے وہ یہ سمجھے۔ کہ طاقت ن کامیابی کی کلید ہے۔ اور جب بھی غصہ آئے مارنا چاہیے۔ اور اس سلسلے میں پ- حافظ نہیں رکھنا چاہیے۔ ماریہ کے ذریعے ماں باپ ج- کے وحشیانہ تاہین اپنے بچے پر لاگو کر دیتے ہیں۔
- 2۔ مارکھانے والے بچے کے دل میں دارین کے بارے میں کینہ و نفرت پیدا ہو

جاتی ہے اور زیادہ تڑپتی ہوتا ہے کہ وہ آخر تک اسے فراموش نہیں کرتا۔ ہوسکتا ہے وہ کس رد ۶۔ کا مظاہرہ کرے اور سرکش ہو جائے۔

3۔ مارپٹائی بچے کو بزدل بنا دیتی ہے۔ اس کے ذریعے سے بچے کی شخصیت بھی پٹی جاتی ہے اور اس کا روحانی توازن بگڑ جاتا ہے اور وہ غصے اور دوسری نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

4۔ جسمانی مایوسی زیادہ تر بچے کی اصلاح نہیں کرتی اور اس کے اندر اصلاح کا جذبہ نہیں ابھارتی۔ ممکن ہے مایوسی اور ڈنڈے کے خوف سے ظاہر وہ برا کام نہ کرے۔ اور دوسروں کی موجودگی میں وہ پناہ نہ کرے لیکن اس کی حقیقی برائی اس طرح سے دور نہیں ہوتی اور بان موجود رہتی ہے اور ہر ازاں کسی دوسری صورت میں آشکار ہوتی ہے۔ ایک صاحب کہتے ہیں: میرے بارہ سال بیٹے نے الماری سے ماں کے پٹے اٹھالیے۔ اس کام پر میں نے اس کی ڈنڈے سے پٹائی کی۔ اس کے ہر وہ خوف کئے۔ سارے الماری کے قریب نہیں جاتا تھا۔ اور یہ درت ہے کہ بچے نے اس کے ہر الماری سے پٹے نہیں اٹھائے اور اس لحاظ سے باپ نے اپنا مقصد پایا ہے لیکن مائوسی اتنا سادہ نہ تھا۔ یہ قصہ آئے بڑھا۔ ہر ازاں وہ بس کا کرایہ ادا نہ کرتا۔ ماں سودا سرف کے لیے پٹے دیتی تو اس میں چرلبینا۔ ہر میں معلوم ہو کہ اس نے اپنے دوستوں کے بھی پٹے چرائے ہیں۔ گویا مارنے بچے کو مجبور کیا وہ ایک کام کا تکرار نہ کرے۔ لیکن اس کام کی اصل حقیقت تو مختم نہ ہوئی۔ (1) ایک دانشور لکھتے ہیں: جن بچوں کی مارپٹائی ہوتی رہتی ہے وہ ہر ازاں ڈھیلے ڈھالے اور بیکار سے

شخص بن سکتے ہیں۔ یا پُر دھونس ڈھاندلی جہمتے ہیں گویا پوری زندگی اپنے افسردہ بچپن کا انتقام لیتے ہیں۔ (1) مسٹر لکھتے ہیں:

میرے نظریے کے مطا۔ بدنی سزا کسی حاظ سے بھی درت نہیں ہے۔ (3)

اسلام نے بھی جسمانی سزا کو نقصان وہ قرار دیا ہے اور اس سے روکا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

عقنا مند اب کے ذریعہ نصیحت حاکم کرتا ہے۔ یہ تو صرف حیوانات ہیں جو مار کے زیر ٹھیک نہیں ہوتے۔ (3) حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

جو شخص بھی دوسرے کو ایک تازیانہ مارے گا۔ اللہ تالی اس پر آگ کا تازیانہ برسائے گا۔ (4)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا:

ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام سے اپنے بیٹے کی شکلت کی تو آپ نے فرمایا:

اسے مارنا البتہ اس سے پ دور رہو لیکن ہماری یہ دوری اور ناراضی زیادہ

1_ روان شناسی تجربی کودک، ص 266

2_ در تربیت، ص 169

3_ غرر اکرم، ص 236

4_ وسأ، ج 19، ص 12

5_ بحار، ج 77، ص 175

دیرے کے لیے نہ ہو۔⁽¹⁾

بہر حال بدنی سزائیں تربیت کے لیے نہایت ن خطرناک ہیں اور حتی الامکان ان سے بچنا چاہیے لیکن اگر کوئی دوسرا طریقہ مؤثر نہ ہو اور ماہ کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہو تو ایک ضرورت کی حد تک اس سے کام لیا جا سکتا ہے۔ اسلام نے بھی اس کے لیے اجازت دی ہے مثلاً رسول اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا:

اپنے بچوں کو پانچ سال کی عمر میں نماز کے لیے کہو اور اگر نصیحت اور ڈانٹ مؤثر نہ ہوں اور وہ تمہارے حکم کی خلاف ورزی کریں۔ تو سات سال کی عمر میں تم انہیں ماہر نماز کے لیے کر سکتے ہو۔⁽²⁾

ایک اور حدیث میں امام محمد باقر یا امام جعفر صادق علیہما السلام نے فرمایا:

جب بچہ نو سال کی عمر کو پہنچے تو اس وضو کرنا سکھاؤ اور اس سے کہو کہ وضو کرے اور نماز پڑھے۔ اور اگر وہ نہ مانے تو ماہر نماز پڑھاؤ۔⁽³⁾ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اگر تمہارا خادم خدا کی نافرمانی کرے تو اسے مارو اور اگر تمہاری نافرمانی کرے تو اسے مار کر دو۔⁽⁴⁾ امیر المومنین علیہ السلام نے فرماتے ہیں: جس طرح سے اپنے بیٹے کو سرزنش کرو اسی طریقے سے تیم کو سرزنش کرو اور جس مقام پر اپنے بیٹے کو سرزنش کے لیے مارو اس مقام پر تیم کے لیے بھی اس سے کام لو۔⁽⁵⁾

1_ بحار، ج 104 ، ص 99

2_ مستدرک، ج 1 ، ص 171

3_ وسأ، ج 3 ، ص 13

4_ غرر اکم، ص 115

5_ وسأ، ج 15 ، ص 197

ایک شخص نبی اکرم (ص) کی خدمت میں آیا اور عرض کی ایک تیم بچہ میری سرپرستی میں ہے کیا میں اسے سرزنش کے لیے مار سکتا ہوں فرمایا:

جس مقام پر تم اپنے بیٹے کو تربیت کے لیے مار سکتے ہو اس مقام پر تیم کی تربیت کے لیے بھی مار سے کام لے سکتے ہو۔⁽¹⁾
بہر حال جب تک ضرورت نہ پڑ جائے اس حساس اور خطرناک وسیلے سے کام نہیں لینا چاہیے۔ اور جب ضروری ہو اس وقت بھی احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اور سزا جہی مٹی اور سوچی سمجھی ہوئی چاہیے۔

ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی خدمت میں عرض کی میرے گھر والے میری نافرمانی کرتے ہیں میں کس طریقے سے انہیں تنبیہ کروں۔ فرمایا: انہیں مارا کر دو۔ اس نے دوسری اور تیسری مرتبہ یہی سوال کیا تو حضور (ص) نے یہی جواب دیا۔ اور اس کے بار فرمایا: اگر تم انہیں سرزنش کرنا چاہتے ہو تو پرتھیں دھیان رکھنا چاہیے کہ سزا ان کے جرم سے زیادہ نہ ہو اور چہرے پر مارنے سے اجتناب کرنا۔⁽²⁾

حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

ضرورت کے موقع پر بچے اور خادم کو تنبیہ کے لیے پاتھ یا پھڑپھڑ سے زیادہ نہ مارو اور زیادہ زور سے بھی نہ مارو۔⁽³⁾
تنبیہ کے موقع پر کوشش کریں کہ دوسروں کی موجودگی میں نہ ہو کیونکہ روحانی اور بچے پر اس کے برے اثرات مرتب ہوئے ہوتے ہیں اور اسے وہ عمر بھی نہیں بھلائے۔ ملاحظہ سے

1_ مستدرک ، ج 2 ، ص 625

2_ مجمع الزوائد ، ج 8 ، ص 106

3_ وسأ ، ج 18 ، ص 581

بڑھ جائے تو اسلام میں اس کے لیے دیت اور جرمانہ مقرر کیا گیا ہے۔ لہذا اس حد تک نہیں ملنا چاہیے۔ اسلام کے توہین کتے
مطل۔ اگر مارنے کے نتیجے میں کسی کا چہرہ سیاہ پڑ جائے تو مارنے والے کو اس پر لائی دینار دینا ہوں۔ اور اگر چہرہ سبز پڑ جائے تو
تین دینار اور گر سرخ ہو جائے تو ڈیڑھ دینارے۔⁽¹⁾

ماں باپ کو نہیں پہنچنا کہ وہ پاگلوں کی طرح بیچارے بچے کی جان کے درپے ہو جائیں۔ اور اس ملکوں اور لاتوں سے۔ ساریں۔
یا زنجیر اور ڈنڈے سے اس کا بدن سیاہ کر دیں۔ بہر حال ضرورت کے موقع پر اسلام نہ فقط بدنی سزا کو مفید سمجھتا ہے بلکہ۔ اس کا
حکم دینا ہے۔ کیونکہ بے حد و حساب اور مطلق آزادی کا بھی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ یہی بے حساب اور غلط آزادی ہے کہ۔
جس نے مغرب کے بچوں اور نوجوانوں کو بگاڑ دیا ہے۔

نیر • مانی سزائیں

بہت سے واریں اپنے بچوں کی تربیت کے لیے نیر بدنی سزائوں سے استفادہ کرتے ہیں مگر نچے کو کسی اندیرے کمرے میں بند کر دیتے ہیں۔ یا تہِ غلنے میں بند کر دیتے ہیں یا کسی صندوق و نیرہ میں۔ بھی اس کو غصے کے ساتھ گالی لکھتے ہیں۔ اس طرح کی وحشیانہ سزائوں کا نقصان بدنی سزائوں اور ماہیہ سے کم نہیں ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

بہت سی سزائیں ایسی ہوتی ہیں جن کا اثر حملے سے زیادہ ہوتا ہے۔^(۱)

اور ممکن ہے یہ بدنی سزائوں سے بھی زیادہ و نقصان وہ ہوں۔ اس طرح کی سزائیں بچے کی شخصیت کو مجروح کر دتی ہیں اور خوف و اضطراب کے عواہ میں پیدا کر دیتی ہیں۔ ایسا بہت دیر ہوا ہے کہ کسی کمرے میں بند بچے کے اعصاب پر اتنا شدید خوف طاری ہوا ہے جس سے وہ پوری زندگی غمناک خاصہ نہیں کر سکا۔ بھی اس خوف کے زیر اثر اس پر سکتے طاری ہو جاتا ہے۔ لہذا واریں کو اس طرح کی سزائیں دینے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ بدزبانی اور گالی حرام ہونے کے ساتھ ساتھ بچے کی تربیت پر بھس بھسے اثرات مرتب کرتی ہیں اور اسے اس سے بڑے عار کا عادی بنا دیتی ہیں۔

لیکن بعض نیر جسمانی سزائوں میں اس طرح کا نقصان نہیں ہے جسے بچے کے ساتھ

نادراں ہو جانا، اسے سیر و تفریح کے لیے نہ لے جانا، اسے دعوت پر نہ لے جانا اسے ایک وقت کا کھانا نہ دینا۔ اس کے جیہ خرچ میں کن کر دینا اسے کھیلنے سے روک دینا۔ اس کے ذمہ میٹھا کام لگانا یا گر کے بعض کام اس کے سپرد کر دینا اور اسے طرح طرح کی دوسری سادہ اور بے حرر قسم کی سزائیں۔ بہت سے وارین اپنے بچوں کی تنبیہ کے لیے اس طرح کی سزائیں دیتے ہیں۔ سسکولوں میں بھی کم و بیش اس طرح کی سزائیں رائج ہیں۔ اس طرح کی سزاؤں کا استعمال اگر صحیح اور عالمانہ طریقے سے کیا جائے تو یہ بچے کی تربیت کے لیے کسی حد تک سودمند ہوتی ہیں۔ اور کسی قسم کا نقصان بھی نہیں رکھتیں۔ سزا میں یہ ایک عمومی نکتہ ہے کہ۔ یہ بچے کی با نی اور اندرونی اصلاح کیلئے مؤثر نہیں ہوتی اور اس میں اصلاح کا رجحان پیدا نہیں کرتی۔ سزا کے ڈر سے ممکن ہے وہ کلمے عام اس برے کام کے انجام دینے سے باز رہے لیکن برائی کو وہ جڑے سے نہیں کاٹ پھینکتا بلکہ ظاہری ور پر وہ اس برائی کے جذبے کو چھپالیتا ہے اور پر یہ جذبہ کسی دوسری جا پر اپنا کام دکھاتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سزا خوف سے فریب کاری، جھوٹ اور ریا کاری سے کام لے، ان سزاؤں سے بہتر استفادہ کرنے کے لیے چند نکات کی طرف توجہ ضروری ہے۔

1_ سزا سوچ سمجھ کر دینا چاہیے۔ لازمی مترار سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔ سزا جرم سے زیادہ نہ ہو۔ کیونکہ بچے نے اگر سزا کو اپنے خلاف ایک جنگ سمجھ لیا تو وہ رد کے ور پر اپنا دفاع کرے گا اور نافرمانی و سرکشی کا مظاہر کرے گا۔

2_ سزا اس طریقے سے نہیں ہونی چاہیے کہ بچہ وارین کو اپنا دشمن سمجھنا شروع کر دے یا وہ یہ سوچے کہ وارین سے محبت نہیں کرتے۔

3_ بچے سے اگر نیر ارادی ور پر ایک نفع سرزد ہو گیا ہے تو اسے سزا نہ دیں۔ کیوں کہ اس میں اس کا قصور نہیں ہے۔ اس کے باوجود اگر اسے سزا دی گئی تو یہ اس کے جذبات و احساسات پر منفی اثرات مرتب کرے گی۔

4_ سزا بھی دینا چاہیے۔ تاکہ اس سے مثبت نتائج حاصل کیے جا سکیں، کیوں کہ اگر اسے سزا دی گئی تو وہ اس کا عادی بن جائے گا۔ اور یہ سزا اس پر کسی قسم کا

اثر نہیں ڈالے گی۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

لامت اور سرزوش کی زیادتی ڈھیر بین کا باعث بنتی ہے۔⁽¹⁾

5۔ کسی انفرادی واقعے میں بچے کو سزا دینی چاہیے نہ کہ کھلی اور پر، تاکہ بچہ سزا کی وجہ سمجھ سکے اور پھر اس کا اہلہ نہ کسے۔
صرف بے نظریوں پر بچے کو سزادیں۔ بلکہ ایک خاص مقام پر بدنظریوں کی وجہ سے بچے کو سزادیں۔

6۔ حتیٰ التورہ اس امر کی کوشش کرنا چاہیے کہ ایسی سزا کا انتخاب کیا جائے تو بچے کے جرم سے مناسبت رکھتی ہو۔ مثلاً اگر اس سے
نے ریاضی کا کام نہیں کیا تو ریاضی کی مشقوں اس سے سزا کے طور پر حاکم کرائی جائے۔ نہ یہ کہ اس سے حساب کی کتاب کو اول
سے آخر تک لکھنے کی سزا دے دیں۔ اگر اس نے اپنا بستہ اور کپڑے پھینک دیے ہیں تو اس ان کو اٹھا کر مرتب طریقے سے رکھنے
کا حکم دیا جائے نایہ کہ اسے دعوت پر نہ لے جایا جائے۔ یا اسے گھمانے پر ان سے محروم کر دیا جائے۔ اگلی کسی دعوت پر اس
نے بدتمیزی کا مظاہرہ کیا ہے تو اسے اور دعوت پر نہ لے کر جائیں۔ نایہ کہ اس کا جیب خرچ کم کر دیں۔ اگر اس نے فضول
خرچی کی ہے تو اسے جیب خرچ نہ دیں نایہ کہ اسے سفر پر نہ لے جائیں۔ اگر اس نے ہنسی پھینکی یا تلم بے احتیاطی کی وجہ سے م
کر دیا ہے تو اتنے ہی اس کے جیب خرچ سے کم کر دیئے جائیں۔

7۔ سزا کے بارے میں بچے کی غلطی کو بھول جائیں۔ اور دوبارہ اس کا ذکر نہ کریں۔ ایک شخص کہتا ہے میں نے حضرت موسیٰ بن جعفر

علیہ السلام کی خدمت میں اپنے بیٹے کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا:

اسے مارو پیٹو۔ اس کے ساتھ ندامت ہو جاؤ لیکن تمہاری یہ ناراضگی زیادہ دیر تک نہیں رہنی چاہیے۔⁽²⁾

8۔ اگر آپ بچے کو سزا دینا چاہتے ہیں تو اس کا دوسرے بچوں کا ساتھ مقلد نہ کریں۔ اور دوسروں کی خوبیاں اس کے سامنے بیان نہ کرنے بیٹہ جائیں۔ کیونکہ اس طریقے سے آپ اسے سدھل نہیں سکتے بلکہ اس میں حسد پیدا کرنے کا باعث بن سکتے ہیں۔ ایک صاحب اپنی یادداشتوں میں لکھتے ہیں:

بچپن میں میرے وار مجھے بہت برا بھلا کہتے تھے۔ رشتہ داروں اور میرے ہم جولیوں کے سامنے میری بے عزتی کر دیتے۔ اور مجھے ڈانٹتے ڈپٹتے۔ ہمیشہ دوسروں کی ن میرے سامنے گنوا تے رہتے۔ اور مجھے حیر سمجھتے رہتے۔ میرے وار میری جتنی بھی بے عزتی کرتے میں بھی اتنا ن ڈعی بننا گیا۔ میں سب پڑھنے کا حوصلہ نہ رہا۔ میں اپنے آپ کو نا چیز سمجھتا۔ کام اور سب سے بھاگتا۔ کسی قسم کی ذمہ داری قبول نہ کرتا۔ میرے وار کی ڈانڈ نے میری شخصیت کو مجروح کر دیا۔ اب میں ایک کام چور اور گوشہ نشین فرو ہوں۔

حوالہ افزائی اور انعام

تربیت کا ایک ذریعہ ہے۔ بچے کے اچھے کاموں پر اس کی تعریف اور حوصلہ افزائی ہے۔ بچے کی حوصلہ افزائی اس کی تربیت کا بہترین اور مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ یہ بچے کی روح پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اور اسے اچھا بننے کی ترغیب دلاتی ہے۔ ہر انسان اپنی ذات سے محبت کرتا ہے اور اپنی شخصیت کی تکمیل چاہتا ہے اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس کی شخصیت سے آگاہ ہوں، اس کی قدر و قیمت پہنچائیں۔ اور اس کا شکریہ ادا کریں۔ اگر اس کی حوصلہ افزائی کی تو پھر اس کا رجحان اچھائی کی طرف اور بڑھے گا اور وہ "کاکا" کے راستے پر گامزن ہوگا۔ لیکن اگر اس کے برعکس اس کی حوصلہ شکنی کی گئی تو وہ نیکی اور اچھائی سے دور بھاگے گا۔ اس کی حوصلہ افزائی کرنے سے اچھے نتائج کے حصول کے لیے چند باتوں کی یاد دہانی ضروری ہے۔

1۔ اس کی حوصلہ افزائی بھی بھی اور بڑے کاموں پر کی جانی چاہیے۔ نہ یہ کہ ہمیشہ اور ہر کام پر۔ کیوں کہ اگر ایسا کیا گیا تو بچے کی نظر میں حوصلہ افزائی اپنی اہمیت کھو بیٹھے گی۔

2۔ اس کی حوصلہ افزائی کسی خاص مقام پر ہونی چاہیے تاکہ وہ یہ سمجھ سکے کہ اس کو واو کس لیے دی جا رہا ہے۔ لہذا وہ دوسرے مقام پر بھی اسی طرح کے شائستہ طرز کا مظاہرہ کرے گا۔ وہ عمومی طور پر اس کی حوصلہ افزائی فائدہ مند نہیں ہوسکتی۔ مثلاً اگر بچے کو اس لیے شاباش دی جائے کہ وہ ایک اچھا اور پابند بچہ ہے

تو یہ حوصلہ افزائی کسی کا نتیجے کی جا نہیں ہوگی۔ اچھے بچے کو یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ اس کو کیوں شاباش دی جا رہی ہے۔

3۔ یہ بھی ضروری ہے کہ بچے کے اچھے کام یا اخلاق کی تعریف کرنا چاہیے نہ کہ خود بچے کی تاکہ وہ یہ بات اچھی طرح سمجھ سکیں کہ اہمیت اچھے کام کی ہے نہ کہ کسی شخص کی۔ اور ہر آدمی کی اہمیت اس کے اچھے کام کی وجہ سے ہے۔

4۔ بچے کی حوصلہ افزائی کرتے وقت اس کا دوسرے بچوں کے ساتھ مقابلہ نہ کریں مثلاً باپ کا اپنے بچے سے یہ کہنا اچھا نہیں ہے کہ: ”پر آفرین کہ تم ایک چھ بچے ہو اور حسن کی طرح جھوٹے نہیں ہو۔ حسن برا بچہ ہے کیوں کہ جھوٹ بولتا ہے۔“ کیونکہ۔

ایسا کرنے سے بچہ دوسرے بچے کو حقیر سمجھے گا۔ اور یہ بھی بذات خود ایک بری تربیت ہے۔

5۔ شاباش اور حوصلہ افزائی حد سے تجاوز نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ممکن ہے اس سے بچہ معزور اور خود پتین ہو جائے۔

امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

بہت سے لوگ اس تعریف کی وجہ سے معزور ہو جاتے ہیں جو ان کی شان میں کی جاتی ہے۔⁽¹⁾

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

کسی کی تعریف و ستائش میں زیادہ روی اور مبالغہ نہ کرو۔⁽²⁾

تعلیم و تربیت کا ایک اور وسیلہ ازام دینا ہے۔ ازام دینا بری بات نہیں ہے بشرطیکہ نیر متوقع ہو کسی پہلے وعدہ کس ایف۔ آئی۔ نہ۔ دیا جائے۔ اور اچھا کام کرنے پر دیا جائے۔ پہلے سے اگر ازام کا وعدہ کر دیا جائے تو یہ بچے میں برے اثرات مترتب کرے گا کیونکہ ممکن ہے ایسا کرنے سے بچہ اس بات کا علاوی ہو جائے کہ وہ ہر نیک کام کے مقابلے میں ازام کا معنظر رہے

1۔ بحار، ج 73، ص 295

2۔ غرر اکرم، ص 309

اور یہ ایک طرح کی رشوت ہو جائے۔ وہ اس ازام اور رشوت کے بنیر اس کام کی انجام دہی پر راضی نہ ہو۔

انسان کو نیک کاموں کا عادی ہونا چاہیے۔ اور وہ ان کو خدا کی رضا اور بندگان خدا کی خدمت کے لیے انجام دے۔ نہ یہ کر ہر کام پر اس کی آنکھیں لوگوں سے ازام کی منظر رہیں۔ اس طرح کا بچہ جب بڑا ہوتا ہے تو وہ کوتاہ نگر ہو جاتا ہے، اور لوگوں کے کاموں کی انجام دہی اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتا۔ حتیٰ الامور دوسروں کے کام آنے سے فرار کرتا ہے۔ مگر یہ کہ اسے کسی ازام یا رشوت کا لا دیا جائے۔ یہ ایک بہت بڑی اجتماعی بڑائی ہے۔ لہذا اس لیے کہ ازام اس برائی کا باعث نہ بنے ضروری ہے کہ ازام اتنی مترار کا ہونا چاہیے کہ وہ ازام یافتہ شخص کی عادت ثانوی نہ بن جائے۔ جب بچہ کاموں کا عادی ہو جائے تو آہستہ آہستہ ازام و اکرام کا سہلہ ختم کر دیں۔ اور اسے کاموں کی انجام دہی کر ترغیب دلائی جائے۔ ضروری ہے کہ بچہ آہستہ آہستہ اپنی ذمہ داری پر پیرا ہونے کا عادی ہو جائے تاکہ وہ اس کی انجام دہی سے زت و خوشی محسوس کرے۔ بہت سے ماں باپ اپنے بچوں کو امتحان میں سو فیصد نمبر لینے پر ازام دیتے ہیں اور اس ذریعہ سے وہ انہیں سب پڑھنے کی ترغیب دلاتے ہیں۔ ممکن ہے یہ کسی حسرت تک مؤثر بھی ہو۔ لیکن اس میں ایک بہت بڑا نقصان بھی ہے وہ یہ کہ یہ پروگرام بچے کے احساس ذمہ داری پر کاری ضرب لگاتا ہے۔ یہ بچے اس لیے پڑھتے ہیں تاکہ اچھے نمبر حاصل کر کے ازام لے سکیں۔ حالانکہ یہ ضروری ہے کہ بچے اپنی ذمہ داری اور مشمولیت کو سب کر پروان چڑھیں نا یہ کہ ہر کام کے مقابلے میں کسی مادی ازام کے خواہش مند

ایک صاحب اپنے بچے میں لکھتے ہیں:

چھوٹھی لاس سے مجھے ایک دینی مدرسہ میں داخل کروادیا گیا۔ میں قرآن کا سب یاد کرنے میں بہت چھٹیے تھا یہاں تک کہ مجھے قرآن کا ایک کتا بھی یاد نہیں تھا لیکن میرے ہم جماعت بہت اچھی طرح قرآن پڑھتے تھے۔ قرآن کے پہلے بیڈ میں ہمارے قاری صاحب نے خندہ پیشانی کے ساتھ سب سے پوچھا کیا تم قرآن پڑھ لیتے ہو میں نے پریشان ہو کر کہا نہیں۔ تو انہوں نے کہا کوئی حرج

نہیں۔ میں تجھے سب دوں گا اور مجھے معلوم ہے کہ تم لاس کے لائے ترین بچے بن جاؤ۔ جو پ بھی تہہ دل چاہے مجھے سے پو لیا کرو اور اپنے استاد کی باتوں سے مجھ میں پڑھنے کا اتنا شوق پیدا ہوا کہ میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ میں سب میں کمزور رہنے کی تلافی کروں گیا میں نے خوف محنت کی اور سال کے آخر میں قرآن کے سب میں بہترین ہو گیا۔ یہاں تک کہ جس بھی قاری صاحب کہ جس میں لاس کو پڑھانا اور صبح کی اسمبلی میں قرآن کی تلاوت کرتا۔

ایک لڑکی اپنی یادداشتوں میں تحریر کرتی ہے۔

میرے وار ایک روشن خیال شخص تھے۔ ایک دن میری ماں کی نیر موجودگی میں انہوں نے میرے چند اساتذہ کس دعوت کسردی۔ کھانے پینے کا سامان لاکر میرے سپرد کر دیا میں نے بھی خوشی خوشی کھانا پکانا شروع کر دیا۔ دو پہر کو میرے ابو مہمانوں کو اپنے ساتھ لے آئے۔ جب میں نے کھانا برتنوں میں ڈالا تو معلوم ہوا کہ یہ تو اچھی طرح پکانا نہیں ہے۔ مرغ بھی چھا تھا اور چاول بھی خراب ہو چکے تھے چونکہ مجھے کھانا پکانے کا طریقہ نہیں آتا تھا۔ ہند میں بہت غمگین تھی۔ اور کسی متوجہ ڈاڈے کس منظر۔ لیکن میری توقع کے برخلاف میرے وار نے مہمانوں کے سامنے تعریف کی اور کہا یہ کھانا میری بیٹی نے پکایا ہے اور رکتنا۔ زینز پکایا ہے۔ مہمانوں نے بھی ان کی تائید کی۔ اور میری سلیقہ شاری کی تعریف کی۔ ہر میں باپ نے بھی مجھے شاباش دی۔ اپنے باپ کی حوصلہ افزائی سے میں کھانے پکانے کے امور کی طرف متوجہ ہوئی اور اب میں مزیدار قسم کے کھانے پکانے اور دسترخوان کے باقی لوازمات میں پوری طرح ماہر ہو چکی ہوں۔

نرت تاب

5..... عرض ناثر

8..... ااتب

9..... كچه ترجه كے بارے ميں

11..... پيشكار

15..... ماں باپ كى ذمه دارى

22..... تربيت كرنے والوں كى آگاهى اور باهمى تعاون

27..... تربيت سے زبان سے

32..... ريلو لوائى جھكڑے سے پرہيز

39..... ماں كى حيثيت سے زهدگى كا آغاز

42..... جين كى سلامتى ميں ماں كى غذا كاثر

- 45..... جمین کے اخلاق پر ماں کی غذا کا اثر
- 47..... ماں کی غذا
- 51..... تمباکو نوشی
- 53..... اگر حاملہ خاتون بیمار ہو جائے
- 55..... ماں کی نفسیت کا جمین پر اثر
- 59..... حاملہ خواتین کو ایک نصیحت
- 60..... صاف ستھری فضا
- 61..... اسقاط²
- 66..... نظم کا ترجمہ :
- 68..... پیدائش کی مشکلات
- 73..... ولادت کے بعد
-

76..... ماں کا دودھ بہترین غذا ہے.....

81..... ماں کے دودھ کے ساتھ ساتھ.....

82..... ماں کے دودھ کی ممانعت.....

83..... دودھ پلانے کا پروگرام.....

89..... ماں کا دودھ نہ ہو تو؟.....

91..... دودھ چھوڑنا.....

93..... بیٹی یا بیٹا.....

96..... بچے کا نام.....

101..... حیات و غذائی.....

106..... بچے کی صحت اور آزادی.....

112..... نوجوانوں اور اخلاق تربیت.....

116..... نو ولود اور دنی تربیت

119..... اساس و اتق

124..... . پء بار کی دنیا کو دینے لتا ہے

127..... محبت

132..... اظہار محبت

136..... محبت _ کام نکالنے کا ذریعہ نہیں

137..... محبت _ جو تربیت میں حائز ہو

139..... بگڑا ہو ا پء

146..... اگوسھا چوسنا

149..... خوف

155..... معقول خوف

158..... ک ی ک کوو

168..... خود نمائی

171..... تقلید

174..... تلاش حقیقت

179..... خود اعمدای

187..... آزادی

194..... صدی پن^م

201..... کام اور فرض کی اوٹس

209..... راستگوئی

216..... وفائے ہمد

221..... ملکیت

225	سختوت
231	نیک کا وں میں تعاون
233	انسان دوستی اور نپ
237	عدل و مساوت
243	چون کا احترام
247	خودشناسی اور ہامقصد زندگی
250	ر کی آمدنی اور زریج
254	قانون کا احترام
256	اوب
261	چوری پکاری
266	ر

273.....
278..... بدزبانی
281..... چہ خوری
284..... عیب جوئی
287..... ر میں بچوں کا لڑائی جھگڑا
294..... دو ت اور دوستی
300..... پہ اور دہنی تم
304..... پہ اور فرأ دہنی
308..... سیاسی اور ماہی تربیت
310..... پہ اور ریو نی وی
317..... نی مسأ

328.....	تلب کا مدارحہ
336.....	تآ انقت نپ
340.....	• مانی سزا
346.....	نیر • مانی سزائیں
350.....	حو لہ افزائی اور انعام